



ایمان

(قرآن و حدیث کے آئینے میں)

ایمانیات اور عبادات

جلد اول

قاضی حبیب الرحمن



اسلام

(قرآن و حدیث کے آئینے میں)

ایمانیات اور عبادات

جلد اول

قاضی حبیب الرحمن



جملہ حقوق بحق قاضی حبیب الرحمن محفوظ ہیں

نام کتاب	اسلام (جلد اول)
تالیف	قاضی حبیب الرحمن
صفحات	480
پہلا ایڈیشن	مئی 2017ء
قیمت	700 روپے
طابع	الاحسان پبلشرز، اسلام آباد

297-82
9 26 2
14002



ملنے کے پتے

- 1- خلیل الرحمن چشتی E-11/4 اسلام آباد، فون: 0300-4460900
- 2- ادارہ منشورات اسلامی، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 042-37840584
- 3- ادارہ معارف اسلامی Block 5، D-35 فیڈرل B ایریا، کراچی
فون: 021-36349840, 36809201, 0307-2358829
- 4- دارالکتب السلفیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37361505
- 5- مکتبہ تحریک محنت، جی ٹی روڈ، واہ کینٹ، پاکستان، فون: 051-4535334
- 6- البلاغ-18 عدنان پلازہ، جی ٹین مرکز، اسلام آباد، فون: 051-2224146, 47
- 7- البلاغ-16 شالیمار سینٹر ایف ایٹ مرکز، اسلام آباد۔ فون: 051-2281420
- 8- البلاغ-LG-5 لینڈ مارک پلازہ، جیل روڈ، گلبرگ، لاہور۔ فون: 042-35717842-3
- 9- البلاغ- ایل چوک، نزد بیرنیر نمبر 3، شاہ ولی کالونی، واہ کینٹ۔ فون: 051-4541148
- 10- بک ڈسٹری بیوٹرز B-153، فلیٹ A-3، GF، خدادا کالونی، کراچی
فون: 021-32787137, 0334-3922268

فہرست

- 15 ❖ مقدمہ..... از خلیل الرحمن چشتی حفظہ اللہ
- 19 پیش لفظ
- ایمانیات**..... پہلا حصہ:
- 25 پہلا باب: **توحید**
- 25 ❖ اللہ تبارک و تعالیٰ کا تعارف بزبان قرآن
- 67 ❖ اللہ تبارک و تعالیٰ کا تعارف بزبان حدیث
- 70 ❖ عقیدہ توحید کی اہمیت
- 70 ❖ شرک ناقابل معافی ہے
- 71 ❖ شرک اللہ کی اتھارٹی کے خلاف چیلنج ہے
- 72 ❖ مہلت دینا اللہ کا کرم ہے
- 73 ❖ آخرت میں نجات کے لیے خاتمہ بالا ایمان ضروری ہے
- 74 ❖ ایمان کے بغیر اچھے کاموں کی حیثیت
- 76 ❖ توحید پر ایمان کے تقاضے
- 76 ❖ اللہ سے محبت
- 77 ❖ اللہ سے محبت ایمان کا تقاضا ہے
- 77 ❖ ایمان کی تکمیل
- 78 ❖ اللہ کی تائید
- 80 ❖ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت
- 81 ❖ کامیابی کا مفہوم
- 81 ❖ اللہ کی بادشاہت کا انحصار ہماری اطاعت پر نہیں

- 83 ❖ انسان کی بھلائی اطاعت ہی میں ہے
- 84 ❖ قرآن مجید سے توحید کے دلائل
- 84 ❖ ہر نبی کی دعوت کا بنیادی نقطہ توحید ہے
- 85 ❖ اللہ کی خالقیت اور اس کا اقتدار
- 87 ❖ شرک کا کوئی جواز نہیں
- 88 ❖ خدا انسان کے اندر موجود ہے
- 89 ❖ عہدِ الست
- 90 ❖ انسانی اعضاء اور جوارح پر بھی اللہ کا اختیار ہے
- 92 ❖ شرک کی تردید
- 92 ❖ معبودانِ باطل کی کمزوری
- 93 ❖ اللہ کی بے مثال صناعت
- 95 ❖ اللہ رگِ جاں سے بھی قریب ہے
- 96 ❖ اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے
- 97 ❖ جس عمل میں ذرہ برابر بھی شرک کا شائبہ ہو وہ نامقبول ہے
- 100 ❖ ریاء اور مخفی شرک
- 103 ❖ ریاء کاری کی سزا
- 104 ❖ خواہشات کی بے قید غلامی شرک ہے
- 105 ❖ انداد کا شرک
- 108 ❖ دوسرا باب: رسالت
- 108 ❖ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازمی ہے
- 109 ❖ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے
- 110 ❖ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل ہے

- ❖ اطاعت کے بغیر اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا دعویٰ باطل ہے 112
- ❖ انسانی رہنمائی کے دو راستے 113
- ❖ تمام انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے 113
- ❖ الہامی تعلیمات نہ ہوتیں تو انسان آج بھی وحشی ہوتا 114
- ❖ ہر قوم کی طرف نبی بھیجا گیا 116
- ❖ محمد ﷺ کی رسالت 118
- ❖ محمد ﷺ کی رسالت عالمی و ابدی ہے 119
- ❖ محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں 121
- ❖ محمد ﷺ کی تعلیمات محفوظ ہیں 123
- ❖ ہدایت کے لیے صحیح تعلیم اور اس کا عملی نمونہ ہونا ضروری ہے 124
- ❖ نجات کے لیے محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل ناگزیر ہے 125
- ❖ نیکی وہ ہے جس کی سند اللہ اور رسول ﷺ سے ملے 127
- ❖ صراطِ مستقیم ایک ہی ہے 127
- ❖ محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے 129
- ❖ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 132
- ❖ چلتا پھرتا قرآن 132
- ❖ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم 132
- ❖ ترکِ دعوت کے لیے لالچ 134
- ❖ ترکِ دعوت کے لیے دھمکی 137
- ❖ طائف میں دعوت 137
- ❖ سراپا دعوت 138
- ❖ اللہ کا بندہ 139

- ❖ بندگی کی مثالیں 140
- ❖ نمازوں میں طوالت 143
- ❖ اللہ کے حضور عاجزی 145
- ❖ تواضع و مروت 147
- تیسرا باب: آخرت 150
- ❖ اسلامی اخلاقیات کا اہم ستون 150
- ❖ آخرت کا امکان 153
- ❖ قیامت کا منظر 153
- ❖ موجودہ دور میں منظر قیامت کو سمجھنا آسان ہے 156
- ❖ آخرت کی زندگی انسانی عقل کا تقاضا ہے 157
- ❖ اسلام کا تصور آخرت انسانی فطرت کے تقاضوں کی تکمیل ہے 158
- ❖ روزمرہ کا مشاہدہ دوسری زندگی کی تائید کرتا ہے 159
- ❖ آخرت کا انکار دلیل کی بنیاد پر نہیں جو ابدهی سے بچنے کی خواہش پر ہے 160
- ❖ منکرین آخرت کے اعتراضات کا جواب 162
- ❖ زندگی آزمائش ہے 166
- ❖ آزمائش عدل کا تقاضا ہے 168
- ❖ موت اور اس کے بعد کے مراحل 169
- ❖ موت فناہ نہیں عالم برزخ میں منتقلی ہے 170
- ❖ برزخی زندگی کی نوعیت 171
- ❖ برزخی زندگی نیند سے مشابہ 171
- ❖ اللہ وقت کو روک دینے پر قادر ہے 173
- ❖ عالم برزخ میں وقت کا شعور نہیں ہوگا 175

- 176 موت کے وقت فرشتوں کا رویہ ❖
- 176 مومن کی جانگنی ❖
- 177 کافر کی جانگنی ❖
- 178 علیین و سجین ❖
- 179 قبر کا ثواب اور عذاب ❖
- 183 یومِ قیامت ❖
- 183 قیامت اچانک آئے گی ❖
- 184 قیامت کے پہلے مرحلے کا منظر ❖
- 187 قیامت کا دوسرا مرحلہ ❖
- 188 تخلیق ثانیہ ❖
- 189 قیامت کے دوسرے مرحلے کا منظر ❖
- 192 یومِ محشر کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا ❖
- 194 دکتے چہرے اور خاک آلود چہرے ❖
- 195 یومِ محشر کی سختی ❖
- 197 شفاعت کبریٰ ❖
- 197 یومِ حساب ❖
- 199 مال و اولاد، دوستی و سفارش کسی کام نہ آئیں گے ❖
- 200 شفاعت کا غلط تصور ❖
- 200 اللہ کی مرضی اور اذن کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا ❖
- 204 جس سے حساب لے لیا گیا وہ تو مارا گیا ❖
- 205 بغیر حساب جنت میں جانے والے ❖
- 206 قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا ❖

- ❖ روزِ قیامت ادائیگیاں اعمال کی صورت میں ہوں گی 207
- ❖ قیامت کے دن اللہ کی صفتِ رحمت کا اظہار 208
- ❖ کفار و منافقین کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی 209
- ❖ مجرمین کے خلاف چار قسم کی گواہیاں 210
- ❖ مجرمین کے اعمال نامے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے 213
- ❖ متقین کے اعمال نامے سامنے سے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے 214
- ❖ اہل ایمان گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں پہنچ جائیں گے 215
- ❖ جنت 216
- ❖ بہترین ٹھکانا 216
- ❖ جنت کی کہانی اللہ کی زبانی 217
- ❖ جنت کی کہانی رسول ﷺ کی زبانی 228
- ❖ جہنم 232
- ❖ بدترین ٹھکانا 233
- ❖ جہنم کا بیان بزبانِ قرآن 234
- ❖ جہنم کے کھانوں میں نہ مزہ ہوگا نہ غذائیت 243
- ❖ جہنم کا بیان بزبانِ حدیث 243
- ❖ چوتھا باب: **الهامی کتب پر ایمان** 247
- ❖ تحریف شدہ الہامی کتب پر ایمان کیوں ضروری ہے 249
- ❖ ایمان کے چھ ارکان 251
- ❖ پانچواں باب: **فرشتوں پر ایمان** 252
- ❖ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا 252
- ❖ انسان کی فضیلت کی وجہ 252

- 254 ❖ فرشتے، جنوں اور انسانوں کی طرح با اختیار مخلوق نہیں
- 255 ❖ فرشتوں کی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ان کی پرستش کی گئی
- 257 ❖ فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے
- 258 ❖ اللہ کے کارندے اور ان کے کام
- 260 ❖ چھٹا باب: **تقدیر پر ایمان**
- 260 ❖ تقدیر کے معنی
- 262 ❖ اللہ نے مخلوقات کی تقدیر ان کی تخلیق سے بہت پہلے لکھ دی
- 264 ❖ تقدیر پر راضی ہونا اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے
- 265 ❖ لوح محفوظ
- 266 ❖ عمل اور دعائیں بھی تقدیر کا حصہ ہیں
- 267 ❖ انسان صرف اس علم کا پابند ہے جو اسے دیا گیا ہے
- 270 ❖ تقدیر سراسر خیر ہے

دوسرا حصہ: عبادات

- 275 ❖ ساتواں باب: **نماز**
- 275 ❖ نماز تمام گزشتہ امتوں پر فرض تھی
- 279 ❖ پانچ نمازوں کی فرضیت اور اوقات قرآن کی رو سے
- 282 ❖ پانچ نمازوں کی فرضیت اور اوقات حدیث کی رو سے
- 284 ❖ نماز کی اہمیت
- 285 ❖ نماز کی اہمیت قرآن کی رو سے
- 290 ❖ نماز کی اہمیت حدیث کی رو سے
- 293 ❖ نبی ﷺ کی قراءات اور نماز کا طریقہ
- 294 ❖ نماز میں خشوع کی اہمیت

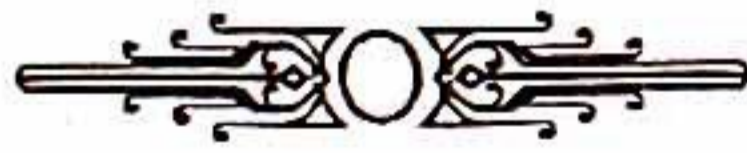
298	❖ خشوع کی مثالیں
308	❖ نماز کی حفاظت
311	❖ نماز باجماعت کی اہمیت
314	❖ نماز باجماعت کی مثالیں
315	❖ نماز میں طہارت کا مقام
319	❖ وضو کی اہمیت
321	❖ وضو کے فرائض
322	❖ وضو کی سنتیں
322	❖ وضو کے مستحبات
323	❖ غسل کے فرائض
323	❖ غسل کی سنتیں
324	❖ غسل کے مستحبات
324	❖ تیمم
325	❖ تیمم کے فرائض
325	❖ تیمم کا مسنون طریقہ
325	❖ کردار سازی میں نماز کی اہمیت
328	❖ آٹھواں باب: زکاة
328	❖ زکاة کی اہمیت
332	❖ زکاة کی حیثیت گزشتہ شریعتوں میں
334	❖ زکاة نہ دینے کا انجام
338	❖ زکاة کس پر فرض ہے
340	❖ مصارفِ زکاة

- 340 ❖ زکاۃ کا نصاب اور شرح
- 342 ❖ زکاۃ کے علاوہ بھی مالدار کے مال میں نادار کا حق ہے
- 343 ❖ حقیقی مالک اللہ اور انسان اس کا خلیفہ ہے
- 344 ❖ اصل بچت
- 345 ❖ صدقہ کا فائدہ
- 348 ❖ بخل کا وبال
- 349 ❖ انسان کے دو بڑے دشمن
- 350 ❖ سخاوت اور بخل
- 353 ❖ انفاق فی سبیل اللہ کا اجر
- 355 ❖ کب اور کہاں خرچ کرنا افضل ہے
- 360 ❖ بہترین نیکی
- 361 ❖ مقروض کو مہلت دینا بہترین صدقہ ہے
- 363 ❖ اللہ کے ذمے قرض
- 365 ❖ صدقہ کا ضیاع
- 369 ❖ نواں باب: روزہ
- 372 ❖ روزے کا مقصد
- 373 ❖ تقویٰ کیا ہے
- 375 ❖ تقویٰ اللہ کو پسند ہے
- 377 ❖ متقین کا انعام
- 378 ❖ رمضان..... ماہِ صیام
- 382 ❖ نفل روزے
- 384 ❖ قرآن..... اللہ کی کتاب

- 385 ❖ تنزیلِ قرآن کا مقصد
- 388 ❖ قرآن کے دو نزول
- 390 ❖ ترکِ قرآن کا وبال
- 392 ❖ قرآن کی عظمت
- 398 ❖ لیلة القدر
- 401 ❖ شب قدر پندرہ شعبان یا رمضان کی رات
- 407 ❖ اعتکاف
- 411 ❖ دسواں باب: حج
- 411 ❖ عبادات کا مجموعہ
- 412 ❖ بیت اللہ
- 412 ❖ بیت اللہ کی برکات
- 414 ❖ ابراہیم علیہ السلام کی پکار
- 414 ❖ ابراہیم علیہ السلام کی دعا
- 415 ❖ مقامِ ابراہیم
- 416 ❖ دنیا میں سب سے پہلی عبادت گاہ
- 416 ❖ بیت اللہ کی تاریخ
- 420 ❖ حطیم کو کعبہ کی عمارت سے باہر رکھنے کی حکمت
- 420 ❖ بیت اللہ کا غلاف
- 421 ❖ حج کی اہمیت
- 424 ❖ حج کس پر فرض ہے
- 425 ❖ حج کیسے کیا جائے
- 426 ❖ میقات

- 427 ❖ احرام
- 428 ❖ احرام..... مساوات کا پیغام
- 429 ❖ طواف
- 430 ❖ رمل اور اضطباع
- 430 ❖ طواف کی مسنون دعائیں
- 432 ❖ طواف کی اقسام
- 433 ❖ طواف کی اہمیت
- 434 ❖ حج کی اقسام
- 435 ❖ سعی کی تاریخ
- 436 ❖ چاہ زم زم کی تاریخ
- 438 ❖ سعی کا طریقہ
- 439 ❖ حج کا طریقہ
- 441 ❖ رمی کرنا
- 442 ❖ رمی کی حقیقت
- 443 ❖ قربانی، حلق/تقصیر، طواف الافاضہ
- 443 ❖ قارن اور متمتع کے لیے قربانی کا نعم البدل
- 444 ❖ طواف الوداع
- 444 ❖ مدینہ منورہ کی زیارت
- 446 ❖ مسجد نبوی اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت
- 448 ❖ مدینہ منورہ میں اہم مقامات کی زیارت
- 450 ❖ گیارہواں باب: **قربانی**
- 450 ❖ تاریخ انسانی کی پہلی قربانی

- 450 قربانی کی اہمیت ❖
- 451 سنتِ ابراہیمی ❖
- 454 قربانی کا فلسفہ ❖
- 455 قربانی کا وقت ❖
- 455 ذبح کا طریقہ ❖
- 456 گوشت تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ ❖
- 456 قربانی کا جانور کیسا ہو؟ ❖
- 458 بارہواں باب: اللہ کی راہ میں جہاد
- 458 جہاد کی تعریف ❖
- 459 جہاد فرض عین یا فرض کفایہ ❖
- 462 جہاد کب فرض ہوا ❖
- 464 جہاد کے مقاصد ❖
- 468 جہاد کی اہمیت ❖
- 472 جہاد کی فضیلت ❖
- 478 شہادت ❖



مقدمہ

از..... خلیل الرحمن چشتی

قاضی حبیب الرحمن صاحب ۱۵ فروری ۱۹۴۰ء کو قطبال، تحصیل گوجر خان، ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ کونٹر یلا سے ۱۹۵۷ء میں میٹرک کیا۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء میں علی الترتیب بی۔ اے اور ایم اے کیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد کچھ دن پاکستان میں ملازمت کی۔ پھر فروری ۱۹۶۸ء میں برطانیہ ہجرت کی۔ وہاں فن تدریس کا ڈیڑھ سالہ کورس مکمل کر کے لندن میں تدریسی کام شروع کیا۔ گیارہ سال لندن میں قیام کیا اور پڑھاتے رہے۔ برطانیہ کی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء میں سعودی عرب منتقل ہو گئے۔ ریاض یونیورسٹی سے عربی زبان کا کورس مکمل کیا، جو غیر عربی افراد کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ تقریباً بیس سال سعودی عرب میں قیام کیا اور وہاں پڑھاتے رہے۔ اس طرح اُردو کے علاوہ انگریزی اور عربی زبان میں پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی اچھی صلاحیت پیدا کر لی۔ ہمارا دور یہ تقاضا کر رہا ہے کہ ہمارے علماء اور دین دار افراد ان تینوں زبانوں پر عبور حاصل کر لیں۔ اُردو، برصغیر ہندو پاک کی غالب زبان ہے اور اس میں بہت بڑا اسلامی لٹریچر موجود ہے۔ انگریزی، دُنیا میں رابطے کی سب سے بڑی زبان ہے۔ عربی، آخری رسول محمد ﷺ پر نازل ہونے والی آخری وحی (قرآن و سنت) کی زبان ہے۔ یہ تینوں زبانیں ہماری ضرورت ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ قاضی حبیب الرحمن صاحب ان تینوں زبانوں پر اچھی خاصی مہارت رکھتے ہیں۔

قیامِ انگلستان (۱۹۶۹ء) کے زمانے میں ہی سے یہ مفکر اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور یوں۔ کے۔ اسلامک مشن کے رکن بن گئے۔ ۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۹ء یہ سعودی عرب منتقل ہونے تک مشن کے سکریٹری جنرل رہے۔ ریاض میں تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کو منظم کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔

۱۹۹۸ء قاضی صاحب سعودی عرب سے مستقل طور پر پاکستان منتقل ہو گئے اور جماعت اسلامی پاکستان کے باقاعدہ رکن بن گئے اور اسلام آباد کی ضلعی شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ یہی وہ زمانہ تھا، جب مجھے قاضی حبیب الرحمن صاحب سے تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ یہ آئی ٹین (10-1) اور اسلام آباد کے دیگر علاقوں میں درس قرآن دینے لگے۔

میری تالیفات کے انگریزی تراجم کے لیے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی، جو اردو، انگریزی اور عربی سے اچھی طرح واقف ہو اور تحریکی اور دعوتی مزاج بھی رکھتا ہو۔ اس کام کے لیے میرے احباب میں قاضی حبیب الرحمن صاحب سے بہتر کوئی اور ہستی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے، انھوں نے میری پندرہ (۱۵) سے زیادہ اردو کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ شوق و ذوق کے اس سفر کی منزلیں صرف وہی طے کر سکتا ہے، جو عمر عزیز کے سرمائے کو ایک امانت خداوندی سمجھ کر صرف کرتا ہے۔ قاضی حبیب الرحمن صاحب اس ایمانی سعادت سے مالا مال ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دور میں خالصتہً للہ کام کرنے والے کتنے ہیں؟ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ سے اپنی آخری ملاقات میں شکایت کی تھی کہ کیا کروں پتہ مار کر کام کرنے والے نہیں ملتے۔

”معارف نبوی ﷺ“ کا ترجمہ (جو ۵۰۰ منتخب احادیث برائے حفظ کا مجموعہ ہے) قاضی صاحب نے کیا اور شاندار کیا۔ اس کتاب کے کئی اردو اور انگریزی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

”قرآنی سورتوں کا نظم جلی“ کا ترجمہ، جس میں قرآن مجید کی تمام ۱۱۴ سورتوں کے مضامین کو پیرا گرافوں میں تقسیم کر کے ربط کلام اور سورت کے مرکزی مضمون پر روشنی ڈالی گئی ہے، آسان کام نہ تھا۔ قاضی صاحب نے یہ کام بھی حسب معمول دل جمعی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

بدر ہاشمی صاحب نے جو انگریزی پر عبور رکھتے ہیں اور خود کئی کتابوں کے مصنف ہیں، خود مجھ سے رابطہ کیا کہ نظم جلی کی یہ کتاب لا جواب ہے۔ انھوں نے قاضی حبیب الرحمن

صاحب کے ترجمے کو سراہا، جو Macro-Structure of the Soorahs of Holy Quran کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ امریکہ، کینڈا، آسٹریلیا اور خود پاکستان کے انگریزی دان طبقے میں بہت مقبول ہے۔ دو جلدوں میں ”قواعد زبان قرآن“ بھی میری ایک ضخیم تالیف ہے۔ جو علی الترتیب ۷۶۰ اور ۹۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان دونوں کا ترجمہ بھی قاضی حبیب الرحمن نے دن رات کی محنت شاقہ سے کیا۔ جولائی ۲۰۱۶ء میں جب میں نے امریکہ میں قرآنی عربی کا کورس پڑھایا تو قاضی صاحب ہی کا ترجمہ طلبہ کے حوالے کر دیا۔ یہ ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ لوگ دُنیا میں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، لیکن اُن کا اچھا کام باقی رہتا ہے اور اُن کے حسنات میں اضافے کا سبب بنتا رہتا ہے۔

اسی طرح میری تالیف ”حدیث کی اہمیت و ضرورت“ کا حال ہے۔ قاضی حبیب الرحمن صاحب نے اس کتاب کا بھی انگریزی ترجمہ کیا، جو ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف حدیث کی حفاظت کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، بلکہ اصطلاحات حدیث کی وضاحت کے علاوہ منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ۲۰ سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی کے علاوہ سندھی میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور سندھ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہے۔ مغربی ممالک میں موجود علوم حدیث کے ابتدائی طالب علموں کے لیے یہ کتاب بھی بے حد مفید ہے اور قاضی صاحب کے لیے صدقہ جاریہ۔

آج کل یہ میری کتاب ”مراسم نماز اور روح نماز“ کے ترجمے میں مصروف و منہمک ہیں۔ (Form and Spirit of Salat)، زیر مطالعہ کتاب ”اسلام قرآن و حدیث کے آئینے میں“ ان کی اپنی پہلی تصنیف ہے، سر دست اس کی دو جلدیں شائع کی جا رہی ہیں۔ پہلی جلد ایمانیات اور عبادات سے متعلق ہے اور دوسری جلد معاشرت اور اخلاقیات کے بارے میں ہے۔ تیسری جلد معاشیات اور سیاسیات اسلام سے متعلق ہوگی۔

قاضی حبیب الرحمن صاحب کی اس تصنیف کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

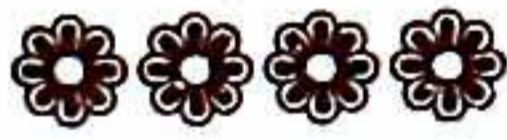
- ۱- زبان و بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔
 - ۲- قرآن اور احادیث کے مکمل حوالے درج کرتے ہوئے، ٹھیٹ اور خالص اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور مسلکی تعصبات سے اپنے آپ کو اور قارئین کو بچا کر چلتے ہیں۔
 - ۳- دین کا جامع تصور پیش کرتے ہیں۔
 - ۴- قاری کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت پیدا کر کے، اُسے اللہ اور رسول ﷺ کے اتباع کی طرف ابھارتے اور اُکساتے ہیں۔
 - ۵- اپنے موضوع سے ہٹتے ہیں اور نہ غیر ضروری باتیں کرتے۔ قاری کی پوری توجہ متعلقہ موضوع ہی پر مرکوز کرانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، یہی وہ انداز ہے جو امام نووی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے اختیار کیا ہے کہ پہلے قرآنی آیات سے استدلال کر کے احادیث نبویہ کو پیش کیا جائے کہ مضمون مفتوح ہو جائے۔
- اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ قاضی حبیب الرحمن صاحب کی اس علمی کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔

طالب دُعاے خیر
خلیل الرحمن چشتی

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

۲۵ جنوری ۲۰۱۷ء

اسلام آباد



پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ،
أَمَّا بَعْدُ!

قارئین کرام! محمد ﷺ کی بعثت سے لے کر آج تک اسلام پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس کے حق میں بھی اور اس کی مخالفت میں بھی، اور قیامت تک لکھا جاتا رہے گا۔ اس لحاظ سے میری یہ کاوش کوئی نئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی میرا یہ دعویٰ ہے کہ اس سے آپ کے علم میں کوئی اضافہ ہوگا۔ میں تو یہ کوشش صرف اپنی عاقبت کے لیے کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بلاشبہ، اسلام چودہ سو سال پرانا ہے، بلکہ اس سے بھی بہت پرانا، اتنا پرانا جتنا خود انسان۔ اسلام تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے۔ جب خالق کائنات نے جن و انس کی تخلیق کا مقصد ہی اپنی عبادت قرار دیا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: 56) تو اسلام بھی اتنا ہی پرانا ہوا جتنا انسان۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کوئی دو انسان ایک جیسے پیدا نہیں فرمائے، ہر انسان کا اپنا ایک تشخص ہے۔ اسی طرح ہر لکھنے والا دوسرے سے مختلف ہے۔ اسلام کے بارے میں جب بھی کوئی شخص لکھے گا تو معلومات تو وہی ہوں گی، ان میں کوئی جدت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی قرآن و حدیث میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین مکمل فرما دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ

دِينًا﴾ (المائدہ: ۳)

قرآن و حدیث میں موجود ان معلومات کو پیش کرنے کا انداز ہر شخص کا اپنا ہے، ہر شخص اپنے ذہن سے سوچتا اور اپنی سمجھ کے مطابق ان معلومات سے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں دوسروں سے اختلاف ہو سکتا ہے، اور اسی میں ہر لکھنے والے کا اپنا رنگ جھلکتا ہے۔ میں نے پوری دیانتداری سے کوشش کی ہے کہ جو کچھ بھی لکھوں اس کی اساس قرآن و حدیث پر ہو۔ اسلام کی یہی دو حقیقی بنیادیں ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ میں دو چیزیں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت۔ جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے، راہِ حق پر رہو گے۔ ان دو بنیادوں کے علاوہ اسلام کو سمجھنے کی جتنی بھی بنیادیں ہیں وہ انسانی عقل و فکر کا نتیجہ ہیں۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

نغمہ کجا و من کجا ، ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

نہ تو میں لکھاری ہوں نہ عالم دین۔ تعلیم و تدریس سے تعلق ہونے کے باوجود بھی سوائے تدریسی نوٹس کے کبھی کچھ لکھنے کی جسارت نہیں کی۔ البتہ جب سے اسلام کا شعور حاصل ہوا ہے، یہ خواہش اور کوشش رہی ہے کہ کسی طرح اللہ کے بندوں کا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق جڑ جائے۔ اس تحریر میں بھی میری یہی کوشش ہے کہ کسی طرح میرا اور آپ کا تعلق اللہ سے جڑ جائے، ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت اور اس کے احسانات کا شعور حاصل ہو جائے اور اس کے سامنے پیشی کا احساس غالب ہو جائے۔

اسلام بہت وسیع ہے اور کسی ایک کتاب میں اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ ایک ایک پہلو پر سیکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن آج زندگی اتنی تیز رفتار ہو گئی ہے کہ کسی کے پاس کتاب کے لیے وقت ہی نہیں رہا۔ اس لیے میری کوشش ہے کہ اسلام کی بنیادی اور ضروری تعلیمات جن کا علم ہر مسلمان کو ہونا چاہیے ایک ہی کتاب میں پیش کر دی

جائیں، اس کتاب کے چھ حصے ہیں۔ ہر حصہ میں موضوع کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں ضروری بنیادی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ پہلا حصہ ایمانیات، دوسرا حصہ عبادات، تیسرا حصہ معاشرت، چوتھا حصہ اخلاقیات، پانچواں حصہ معاشیات اور چھٹا حصہ سیاسیات پر مشتمل ہے۔ یہ چھ حصے ایک جلد میں شائع کرنے سے کتاب کے زیادہ ضخیم ہونے کا خدشہ ہے، اس لیے اسے تین جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلی جلد پہلے دو حصوں ایمانیات اور عبادات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد دوسرے دو حصوں معاشرت اور اخلاقیات پر مشتمل ہے۔ جب کہ پانچواں اور چھٹا حصہ معاشیات اور سیاسیات، ان شاء اللہ تیسری جلد میں پیش کیے جائیں گے بشرط زندگی۔ قارئین کرام اور خصوصاً اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ میری غلطیوں سے مجھے متنبہ فرمائیں۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

حلبیب الرحمن قاضی

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

۲۵ جنوری ۲۰۱۷ء

مکان نمبر ۹۷۵، گلی نمبر ۵۲، فیزٹو، بحریہ ٹاؤن، اسلام آباد

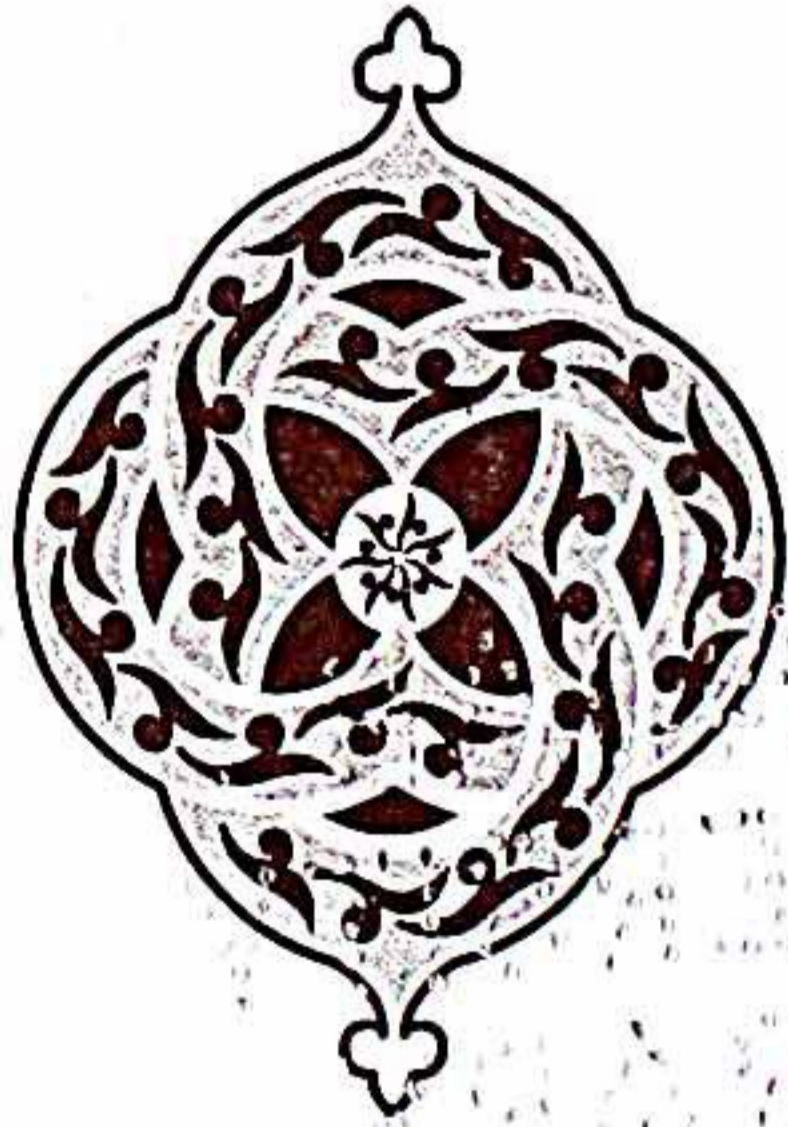


۱۹۰۰۲۰



پہلا حصہ

ایمانیات



اس حصے میں ان باتوں کا ذکر ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ایمان کے چھ اجزا ہیں جن میں سے ہر چیز کا ذکر الگ باب میں کیا گیا ہے۔ ایمان کا سب سے اہم اور بنیادی جز توحید ہے اس لیے پہلے باب میں توحید کا تفصیلی ذکر ہے۔ دوسرے باب میں رسالت، تیسرے میں آخرت، چوتھے میں الہامی کتب، پانچویں میں فرشتوں اور چھٹے میں تقدیر پر ایمان کی تفصیل ہے۔ ایمان کی اصل توفی الواقع اللہ کی وحدانیت پر ایمان ہی ہے لیکن اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کو سمجھنے کے لیے ایمان کے دوسرے اجزا پر ایمان لانا بھی ناگزیر ہے۔ اللہ کا صحیح اور تفصیلی تعارف انسان کو رسولوں کی وساطت سے ہی حاصل ہوا ہے اور رسولوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا تعارف وحی کے ذریعے کرایا ہے جس میں فرشتے ایک اہم واسطہ ہیں۔ اللہ کی صفت عدل اور رحمت کے کامل اظہار کے لیے آخرت کا ہونا ضروری ہے اور آخرت کی جو ابدی کے احساس کے بغیر انسان کا صراطِ مستقیم پر قائم رہنا ناممکن ہے۔ رسولوں کی تعلیمات الہامی کتب کے ذریعے انسان تک پہنچی ہیں۔ انسان اگر الہامی تعلیمات سے مستفیض ہونا چاہتا ہے تو الہامی کتب پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں۔ تقدیر پر ایمان لانا توحید پر ایمان کا تقاضا ہے۔ تقدیر پر ایمان، اللہ کے علم اور اس کے فیصلوں کو ماننے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کے علم پر ایمان نہ رکھے اور اس کے فیصلوں پر اعتراض کرے وہ کیسے مومن ہو سکتا ہے؟ الغرض ایمان کا ہر جز توحید پر ایمان سے جڑا ہوا ہے۔ اس لیے ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان اجزا کا تفصیلی جائزہ ایمانیات کے چھ ابواب میں ملاحظہ فرمائیے۔

توحید

اسلام اور توحید لازم و ملزوم ہیں۔ توحید کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ہر الہامی مذہب کی بنیاد توحید ہی ہے لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ اسلام کے سوا باقی الہامی مذاہب میں توحید کا تصور ماند پڑ گیا ہے۔ اسلام میں توحید کا تصور اتنے زوردار انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اس کی چمک دمک اب بھی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم ہے اور ان شاء اللہ قیامِ قیامت تک قائم رہے گی۔

توحید کا مطلب ہے اللہ کی واحدانیت، یکتائی اور کبریائی کا ایسا ادراک کہ اس کے مقابلہ میں کسی ہستی کی کوئی حیثیت نہ رہے۔ اللہ کی ذات و صفات پر ایسا غیر متزلزل ایمان کہ اس کے بھروسے پر انسان دنیا کی ہر قوت سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس طرح کا ایمان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات کا صحیح ادراک نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات کو مکمل طور پر سمجھنا تو انسان کے لیے ناممکن ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہیں اور انسانی عقل محدود ہے۔ محدود غیر محدود کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے؟ ذیل میں قرآن مجید اور حدیث سے اس ہستی کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ ان آیات سے اللہ کی ذات و صفات، انسان کی ابتدا، دنیا میں اس کی حیثیت اور اس کے انجام کا تعارف حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا تعارف بزبانِ قرآن

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ ﴾

(الفاتحہ: ۱-۴)

”تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے، نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا

ہے، روزِ جزا کا مالک ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يَأْتِيهَا النَّاسُ عِبْدًا وَإِلَهُهُمُ الَّذِي خَلَقَهُمُ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾
(البقرہ: ۲۰-۲۲)

”یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لوگو، بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے، وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھیراؤ۔“

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾ (البقرہ: ۲۹)

”وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا، اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا ۗ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۗ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْهَوْتِي ۗ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۷۳)

”اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، تو اس میں باہم جھگڑنے لگے۔ لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے، خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔“

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝﴾ (البقرہ: ۱۰۶-۱۰۷)

”کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر بات پر قادر ہے تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی

بادشاہت خدا ہی کی ہے، اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔“

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ لَكِنَّا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلُّ لَّهُ قٰنُوْنٌ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قَضٰى اٰمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾﴾ (البقرہ: ۱۱۵-۱۱۷)

”اور مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے۔ تو جدھر تم رخ کرو۔ ادھر خدا کی ذات ہے۔ بے شک خدا صاحب وسعت اور باخبر ہے اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ (نہیں) وہ پاک ہے، بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرماں بردار ہیں (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ: ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اِذْ كُرْتُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْٓ وَاَلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

”سو تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ اور میرے احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔“

﴿اِنَّ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۗ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۗ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَ مَا خَلْفَهُمْ ۗ وَاَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَسِعَ كُرْسِيُّهٗ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۗ وَاَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهٗمَا ۗ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

”خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ، ہمیشہ رہنے والا، اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے اسے سب معلوم ہے، اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے، ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کر دیتا ہے)۔ اس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اسے

ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں۔ وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔“

﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ يَحٰسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

(البقرہ: ۲۸۴)

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ بہر حال ان کا حساب تم سے لے لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے، جسے چاہے، معاف کر دے اور جسے چاہے، سزا دے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْ اَنْتِقَامٍ ﴿۲۸۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمٰوٰتِ ۗ هُوَ الَّذِىْ يُّصَوِّرْكُمْ فِى الْاَرْحَامِ ۗ كَيْفَ يَشَآءُ ۗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۸۶﴾

(ال عمران: ۲۸۵-۲۸۶)

”اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور برائی کا بدلہ دینے والا ہے۔ زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں، جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے۔ اُس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔“

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُوْتِ الْمَلِكِ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۗ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَآءُ وَتُذَلِّقُ مَنْ تَشَآءُ ۗ بِيْدِكَ الْخَيْرُ ۗ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۷﴾ تُوْلِجُ الْاَيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الْاَيْلِ ۗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۗ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۸۸﴾ (ال عمران: ۲۸۷-۲۸۸)

”کہو! خدا یا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے، حکومت دے اور جس سے چاہے، چھین لے، جسے چاہے، عزت بخشے اور جس کو چاہے، ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو، اور جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔“

﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ ۖ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤٤﴾﴾ (ال عمران: ۴۳-۴۴)

”اے نبی! ان سے کہو کہ، ”فضل و شرف اللہ کے اختیار میں ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ وسیع النظر ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے۔“

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٤﴾﴾ (ال عمران: ۹۴)

”اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے، تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“

﴿وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾.....﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾﴾

(ال عمران: ۹۸-۹۹)

”جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔“

﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ ۗ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَ اِلٰى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُورُ ﴿١٠٩﴾﴾ (ال عمران: ۱۰۸-۱۰۹)

”اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔“

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾.....﴿و لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۗ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾﴾

(ال عمران: ۱۲۶-۱۲۹)

”فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے، جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے، جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، وہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔“

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّوَجَّلًا ۗ وَ مَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَسَنَجْزِي الشُّكْرِينَ ﴿٣٥﴾

(ال عمران: ۱۴۵)

”کوئی ذی روح اللہ کے اذان کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔ جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے، اور جو ثواب آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا، وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم اُن کی جزا ضرور عطا کریں گے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝۱﴾ (النساء: ۱)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝۲﴾ (النساء: ۲)

”اور یاد رکھو کہ اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔“

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيبًا ۝۳﴾ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝۴﴾

..... ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لِيَجْزِيَكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ

مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝۵﴾ (النساء: ۸۵-۸۷)

”اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ تم سب کو اُس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے۔“

﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝۶﴾ ﴿اِنَّ يَشَآءُ يَذٰهِبْكُمْ اَيْهَا

النَّاسِ وَيَأْتِ بِأَخْرِيْنَ ۗ وَكَانَ اللهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿١٣﴾ (النساء: ۱۳۲-۱۳۳)

”ہاں اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور کار سازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے، اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤﴾ (المائدہ: ۱۷۱)

”اللہ تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔“

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۗ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا ۗ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿٢﴾ وَهُوَ اللهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۗ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿٣﴾ (الانعام: ۱-۳)

”ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور اندھیرا اور روشنی بنائی۔ پھر بھی کافر (اور چیزوں کو) خدا کے برابر ٹھیراتے ہیں۔ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں اور مقرر ہے۔ پھر بھی تم (اے کافر و خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں وہی (ایک) خدا ہے۔ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے۔“

﴿قُلْ لِّمَنْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قُلْ لِلّٰهِ ۗ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِہِ الرَّحْمٰةَ ۗ لِيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۗ لَا رَيْبَ فِيْہِ ۗ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَہُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١﴾ وَلَہٗ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٢﴾ قُلْ اَغٰیْرَ اللهِ اتَّخِذُوْا وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنْ

المُشْرِكِينَ ﴿١٣﴾ (الانعام: ۱۲-۱۳)

”ان سے پوچھو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہو سب کچھ اللہ ہی کا ہے، اس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے (اسی لیے وہ نافرمانیوں اور سرکشیوں پر تمہیں جلدی سے نہیں پکڑ لیتا)۔ قیامت کے روز وہ تم سب کو ضرور جمع کرے گا، یہ بالکل ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے۔ مگر جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود تباہی کے خطرے میں مبتلا کر لیا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔ رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے میں جو کچھ ٹھہرا ہوا ہے، سب اللہ کا ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کہو، اللہ کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا سر پرست بنا لوں؟ اُس خدا کو چھوڑ کر جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور جو روزی دیتا ہے، روزی لیتا نہیں ہے؟ کہو، مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں اُس کے آگے سر تسلیم خم کروں (اور تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شرک کرتا ہے تو کرے) تو بہر حال مشرکوں میں شامل نہ ہو۔“

﴿وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَصِيرًا فَلَا تُصِرْ لَهُ إِلَّا هُوَ ۗ وَإِنْ يَسْأَلْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٥﴾﴾ (الانعام: ۱۴-۱۵)

”اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔“

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ وَمَا تَسْقُطُ مِنَ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظِلْمِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿١٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۗ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿١٨﴾ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ۗ إِلَّا لِمَنْ أَهْرَاسٌ ﴿١٩﴾ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسْبَانِ ﴿٢٠﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنَ ظِلْمِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ لَئِنْ

أَنْجِنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٣﴾ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْرِكُونَ ﴿١٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿١٥﴾ (الانعام: ٥٩-٦٥)

”اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تار یک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے، پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انجام دینے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب کے سب اللہ، اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ، فیصلہ کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔ اے محمد! ان سے پوچھو، صحر اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑ گڑا، گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ کہو، اللہ تمہیں اُس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اُس کا شریک ٹھیراتے ہو۔ کہو، وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے، یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوادے۔ دیکھو، ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے

پیش کر رہے ہیں، شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ وَيَوْمَ يَقُولُ ۖ كُنْ فَيَكُونُ ۗ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۗ وَ
لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۗ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٤٧﴾﴾

(الانعام: ٤٣)

”وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے، اسی دن وہ ہو جائے گا۔ اس کا ارشاد عین حق ہے، اور جس روز صور پھونکا جائیگا، اس روز پادشاہی اسی کی ہوگی۔ وہ غیب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے اور دانا اور باخبر ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى ۗ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۗ ذَٰلِكُمْ
اللَّهُ فَالِقُ تُوْفُكُونَ ﴿١٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۗ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۗ
ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
فَمُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿١٨﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً ۗ فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرَجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۗ وَمِنْ
النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّتِ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ
مُتَشَابِهٍ ۗ أَنْظَرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٩﴾ وَ
جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَى
عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٠﴾ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا يُكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ۗ وَ
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ ۗ فَاعْبُدُوهُ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٢٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۗ وَ
هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿٢٣﴾﴾ (الانعام: ٩٥-١٠٣)

”دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ
سے خارج کرتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا اللہ ہے، پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو؟“

پردہ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے، اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے، یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیرائے ہوئے اندازے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو، ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے ایک تنفس سے تم کو پیدا کیا، پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے، اور ایک اس کے سوئے جانے کی جگہ۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں، اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور پھر اُن کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اس پر بھی لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھیرا دیا، حالانکہ وہ اُن کا خالق ہے، اور بے جانے بوجھے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تصنیف کر دیں، حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے، ہر چیز کا خالق، لہذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔ نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔“

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ ﴿۱۱۷﴾

(الانعام: ۱۱۷)

”در حقیقت تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون

سیدھی راہ پر ہے۔“

﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۗ إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا
أَنشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝﴾ إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَأَيُّ لَآئٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝﴾

(الانعام: ۱۳۳-۱۳۴)

”تمہارا رب بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح اُس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم خدا کو عاجز کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّتٍ مَعْرُوشَةٍ وَغَيْرِ مَعْرُوشَةٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ مُمْتَثَبَهَا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۗ وَلَا تُسْرِفُوا ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝﴾ (الانعام: ۱۴۱)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تانستان اور نخلستان پیدا کیے، کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں، اور اللہ کا حق ادا کرو جب اس کی فصل کاٹو، اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۗ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۵)

”وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیے، تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اسی میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔“

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ﴾

يُغْشَى اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِ اللَّهِ إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٣﴾ (الاعراف: ٥٣)

”در حقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔“

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٥٤﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٥٥﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾﴾ (يونس: ٥٣-٥٥)

”حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت حکومت پر جلوہ گر ہوا اور کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں الا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے لہذا تم اسی کی عبادت کرو، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اسی کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے بے شک پیدائش کی ابتدا وہی کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کو پورے انصاف کے ساتھ جزا دے، اور جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا وہ کھولتا ہوا پانی پییں اور دردناک سزا بھگتیں اُس انکار حق کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔ وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو

چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں تاکہ تم اُس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ (کھیل کے طور پر نہیں بلکہ) با مقصد ہی بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“

﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ ۖ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ ۖ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ ۖ وَجَاءَهُمُ الْبُوجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ۖ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۗ دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ لَئِنِ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيَكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۗ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾﴾ (یونس: ۲۲-۲۳)

”وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے، اُس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اس سے دُعائیں مانگتے ہیں کہ ”اگر تو نے ہم کو اس بلا سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔“ مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔ لوگو، تمہاری یہ بغاوت اُلٹی تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے۔ دنیا کے چند روزہ مزے ہیں (لوٹ لو)، پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے، اُس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“

﴿الَّا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ اَلَّا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾﴾ (یونس: ۵۵-۵۶)

”سنو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ سُن رکھو! اللہ کا وعدہ سچا ہے، مگر اکثر

انسان جانتے نہیں ہیں۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے۔“

﴿الَّا اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ ۗ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لَتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿١٧﴾ قَالُوْا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ هُوَ الْغَنِيُّ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ۗ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ لَا يَفْلِحُوْنَ ﴿١٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنزِقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٢٠﴾﴾ (يونس: ٦٦-٤٠)

”آگاہ رہو! آسمان کے بسنے والے ہوں یا زمین کے، سب کے سب اللہ کے مملوک ہیں اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ (اپنے خود ساختہ) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (کھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت کو) سنتے ہیں۔“

لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملک ہے۔ تمہارے پاس اس قول کے لیے آخر کیا دلیل ہے؟ کیا تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں ہیں؟ اے محمدؐ، کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پاسکتے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی میں مزے کر لیں، پھر ہماری طرف ان کو پلٹنا ہے، پھر ہم اس کفر کے بدلے جس کا ارتکاب وہ کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔“

﴿قُلْ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاٰمُرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١﴾ وَاَنْ

أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٥﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٦﴾ وَإِنْ يَسْسُكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۗ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٧﴾ (یونس: ۱۰۳-۱۰۷)

”اے نبی! کہہ دو کہ لوگو، اگر تم ابھی تک میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو سن لو کہ تم اللہ کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا، بلکہ صرف اسی خدا کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضے میں تمہاری موت ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ تو یکسو ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک ٹھیک اس دین پر قائم کر دے، اور ہرگز ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو۔ اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو خود اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے، اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۗ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿١﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عِبَادًا ۗ﴾ (ہود: ۶-۷)

”زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سوچا جاتا ہے۔ سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے، اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ تم کو آزما کر دیکھے، تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالنَّجْمَ

الْقَمَرُ ۚ كُلُّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۚ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلَ النَّهَارُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَ فِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّرَاتٌ ۚ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَ زُرْعٌ وَ نَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ ۚ وَ نُفِصِلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (الرعد: ۲-۴)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں، پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لیے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے، شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے، اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیے ہیں۔ اُسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے۔ ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“

﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحِبُّهُ كُلُّ أُنثَىٰ وَ مَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ۚ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِإِقْدَارٍ ۝ عِلْمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَ الْقَوْلِ وَ مَنْ جَهَرَ بِهِ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا

بِأَنْفُسِهِمْ ۖ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ أَفْلًا مَرَدَّ لَهُ ۗ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ
الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ ۱۱ ۚ وَيَسْبِغُ الرِّعْدُ بِحَبِيدِهِ وَ
الْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ ۗ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي
اللَّهِ ۗ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَاكِمِ ۝ ۱۲ ۚ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ
لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كِبَاسِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۖ وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ ۱۳ ۚ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلْمُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْ
الْأَصَالِ ۝ ۱۴ ۚ (الرعد: ۸-۱۵)

”اللہ ایک ایک حاملہ کے پیٹ سے واقف ہے جو کچھ اس میں بنتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اس میں کمی یا بیشی ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر رہتا ہے۔ ہر چیز کے لیے اُس کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص خواہ زور سے بات کرے یا آہستہ، اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو، اس کے لیے سب یکساں ہیں۔ ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کیے ہوئے نگران لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کر لے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔ وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کر تمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں۔ وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے۔ بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اُس کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور (بسا اوقات) انہیں جس پر چاہتا ہے، عین اس حالت میں گرا دیتا ہے جبکہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ فی الواقع اس کی چال بڑی زبردست ہے۔

اسی کو پکارنا برحق ہے۔ رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیرے ہدف! وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَايِبَيْن ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ وَآتَاكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۗ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۗ﴾ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

”اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکر ہے۔“

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَ زَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۗ وَ حَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۗ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ۗ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَ أَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۗ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ ۗ وَ إِن مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ۗ وَ مَا نُنزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۗ وَ أَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ ۗ وَ مَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۗ وَ إِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَ نُمِيتُ وَ نَحْنُ الْوَارِثُونَ ۗ﴾ (الحجر: ۱۶-۲۳)

”یہ ہماری کار فرمائی ہے کہ آسمان میں ہم نے بہت سے مضبوط قلعے بنائے، اُن کو دیکھنے والوں کے لیے (ستاروں سے) آراستہ کیا، اور ہر شیطان مردود سے ان کو محفوظ کر دیا۔ کوئی شیطان ان میں راہ نہیں پاسکتا، الا یہ کہ کچھ سن گن لے لے، اور جب وہ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شعلہٴ روشن اُس کا پیچھا کرتا ہے۔“

ہم نے زمین کو پھیلایا، اُس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔ اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ بار آور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں، اور اُس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔ زندگی اور موت ہم دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔“

﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝﴾

(النحل: ۳-۵)

”زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہ بہت بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اُس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑالو ہستی بن گیا۔ اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔“

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ لَرَّءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ (النحل: ۷)

”حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔“

﴿وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝﴾ (النحل: ۲۹)

”زمین اور آسمانوں میں جس قدر جان دار مخلوقات ہیں اور جتنے ملائکہ ہیں، سب اللہ کے آگے سر بسجود ہیں۔ وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے۔“

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۗ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُصْرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۗ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَأْدِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۗ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً ۗ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۗ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ۝﴾ (النحل: ۷۰-۷۲)

”اور دیکھو، اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ حق یہ ہے کہ اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے اور قدرت میں بھی۔“

اور دیکھو، اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے، پھر جن لوگوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیا کرتے ہوں تاکہ دونوں اس رزق میں برابر کے حصہ دار بن جائیں۔ تو کیا اللہ ہی کا احسان ماننے سے ان لوگوں کو انکار ہے؟

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کیے، اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔ پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں۔“

﴿وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۗ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾ (النحل: ۷۷-۷۸)

”اور زمین و آسمان کے پوشیدہ حقائق کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور قیامت کے برپا ہونے کا معاملہ کچھ دیر نہ لے گا مگر بس اتنی کہ جس میں آدمی کی پلک جھپک جائے، بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔“

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اُس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ (النحل: ۱۲۸)

”اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔“

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ۗ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۗ...﴾ ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۖ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمَلِكِ ۖ لَمْ يَكُنْ لَهُ وِليٌّ مِّنَ الدُّنْيَا ۗ كَبِيرُهُ تَكْبِيرًا ۗ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱۰-۱۱۱)

”اے نبی، ان سے کہو، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اُس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔ اور کہو ”تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے، اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو“ اور اس کی بڑائی بیان کرو، کمال درجے کی بڑائی۔“

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي ۖ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۗ﴾ (الکہف: ۱۰۹)

”اے محمد، کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۗ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۗ﴾ (الحج: ۱۷-۱۸)

”ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔“

﴿الْم تَرَأَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۳۱﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۳۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۳۳﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿۳۴﴾﴾ (الحج: ۶۳-۶۶)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف و خبیر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بے شک وہی غنی و حمید ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اُس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے۔ اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے، اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے، وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی پھر تم کو زندہ کرے گا۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی منکر حق ہے۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ لَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾﴾ (المومنون: ۷۸-۸۰)

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سُننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا، اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ گردشِ لیل و نہار اسی کے قبضہ قدرت

میں ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی؟۔“

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهِ كَمِثْقَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۚ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۚ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۚ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾﴾ (النور: ۳۵)

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں)۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے، وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے، وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔“

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ طَافٌ ۚ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۱﴾﴾ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْبَصِيرُ ﴿۳۲﴾﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَنْ يَشَاءُ ۚ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۳۳﴾﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۳۴﴾﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۵﴾﴾ (النور: ۳۱-۳۵)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے، اور یہ سب

جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے، پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں اور وہ آسمان سے، اُن پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں، اوالے برساتا ہے، پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچا لیتا ہے۔ اُس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔ رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے۔ اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے۔ اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا، کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝۱﴾ وَالَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ۝۲ وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَ هُمْ يُخْلَقُونَ وَ لَّا يُبْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَ لَّا نَفْعًا وَ لَّا يَبْلِكُونَ مَوْتًا وَ لَّا حَيَوَةً وَ لَّا نُشُورًا ۝۳﴾

(الفرقان: ۱-۳)

”نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کے لیے نذیر ہو، وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔ لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھراٹھا سکتے ہیں۔“

﴿تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَ جَعَلَ فِيهَا سِرْجًا وَ قَبْرًا مُنِيرًا ۝۱۱﴾ وَ هُوَ الَّذِي

جَعَلَ الْبَيْلَ وَالنَّهَارَ خَلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٥٩﴾ (الفرقان: ۶۱-۶۲)

”بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا، ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے، یا شکر گزار ہونا چاہے۔“

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾﴾ (القصص: ۵۹)

”اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے رہنے والے ظالم نہ ہو جاتے۔“

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٠﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦١﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْخِزْيَانُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۗ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٦٢﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْبَيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۗ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٦٣﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۗ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٦٤﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ الْبَيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦٥﴾﴾

(القصص: ۶۸-۷۳)

”تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے، یہ انتخاب ان لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ اللہ پاک ہے اور بہت بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ تیرا رب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، فرماں روائی اسی کی ہے اور اسی

کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔ اے نبی، ان سے کہو، کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے پوچھو، کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟ یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔“

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۗ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (القصص: ۸۸)

”اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔ فرماں روائی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف تم سب پلٹائے جاؤ گے۔“

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ السِّنِّتِكُمْ وَالْوَالِدَاتِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۲﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ﴿۱۳﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۗ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ كُلُّ لَّهُ قُنُوتٌ ﴿۱۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۗ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۷﴾﴾ (الروم: ۲۱-۲۷)

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں

بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی، اور آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جو نہی کہ اُس نے تمہیں زمین سے پکارا، بس ایک ہی پکار میں اچانک تم نکل آؤ گے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اُس کے بندے ہیں، سب کے سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اس کی صفت سب سے برتر ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۵۴﴾ (الروم: ۵۴)

”اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت میں تمہاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۰﴾ وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ

شَجَرَةٍ أَقْلَامٍ وَ الْبَحْرِ يَمْدًا مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفَدَتْ كَلِمَتُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ بَصِيرٌ ﴿٢٩﴾
 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 كُلًّا يَجْرِي إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣٠﴾ (لقمان: ۲۶-۲۹)

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، بے شک اللہ بے نیاز اور آپ سے آپ محمود ہے۔ زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں، تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ تم سارے انسانوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اٹھانا تو (اُس کے لیے) بس ایسا ہے جیسے ایک تنفس کو (پیدا کرنا اور جلا اٹھانا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟ اُس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، سب ایک وقت مقرر تک چلے جا رہے ہیں، اور (کیا تم نہیں جانتے) کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے؟“

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٩﴾ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿٣٠﴾ ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٣١﴾ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٣٣﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٣٤﴾﴾

(السجده: ۴-۹)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر جلوہ فرما ہوا، اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مدد

گار ہے، اور نہ کوئی اُس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ وہ آسمان سے زمین تک دُنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس تدبیر کی روداد اُوپر اُس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔ وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، زبردست، اور رحیم۔ جو چیز بھی اس نے بنائی، خوب ہی بنائی۔ اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر اس کو نیک سُک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔“

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۗ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝﴾ (سبا: ۱-۲)

”حمد اُس خدا کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی اسی کے لیے حمد ہے۔ وہ دانا اور باخبر ہے۔ جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے، ہر چیز کو وہ جانتا ہے، وہ رحیم اور غفور ہے۔“

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مِّثْنِي وَ ثُلُثٍ وَ رُبْعٍ ۗ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۗ وَمَا يُمْسِكُ ۗ فَلَا مَرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهَا ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (فاطر: ۱-۲)

”تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، (ایسے فرشتے) جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جس

رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں۔ وہ زبردست اور حکیم ہے۔“

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحِصِلُ مِنْ أَنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعْتَرُ مِنْ مُعْتَبِرٍ وَلَا يُنْقَضُ مِنْ عُمْرَةٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (فاطر: ۱۱)

”اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے بنا دیے (یعنی مرد اور عورت)۔ کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔“

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ ۚ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝﴾ (یس: ۸۱-۸۳)

”کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں، جبکہ وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے، اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔“

﴿إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۝ لَا يَسْبَعُونَ إِلَى الْمَلَا الْأَعْلَىٰ وَ يُقْتَدِفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا ۝ لَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خِطَفَ الْخِطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ ۝﴾ (الصافات: ۲-۱۰)

”تمہارا معبود حقیقی بس ایک ہی ہے، وہ جو زمین اور آسمانوں کا اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں، اور سارے مشرقوں کا مالک۔ ہم نے آسمان دنیا کو تاروں کی

زینت سے آراستہ کیا ہے۔ اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شیاطین ملاء اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے، ہر طرف سے مارے اور ہانکے جاتے ہیں، اور ان کے لیے پیہم عذاب ہے۔ تاہم اگر کوئی ان میں سے کچھ لے اڑے تو ایک تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَأَصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ سُبْحٰنَهُ ۗ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ ۗ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمَنِیَّةَ اَزْوَاجٍ ۗ يَخْلُقُكُمْ فِی بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِی ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۗ ذٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَاِنۡیُ تُصْرَفُونَ ۝ اِنۡ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنۡكُمْ ۗ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ ۗ وَاِنۡ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی ۗ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فِیُنۡبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾ (الزمر: ۳-۷)

”اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔ اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا۔ پاک ہے وہ اس سے (کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو)۔ وہ اللہ ہے، اکیلا اور سب پر غالب۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے، اُسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک، ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو، وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ اُسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اُس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے موشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے۔ وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تار یک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کدھر سے پھر ائے جا رہے ہو؟ اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے،

لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ آخر کار تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے۔“

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيًّا ۖ تَفْشَعِرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۗ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَبَالَهُ مِنْ هَادٍ ۗ﴾ (الزمر: ۲۳)

”اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اُسے سن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔“

﴿قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۗ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۗ﴾

(الزمر: ۲۴)

”کہو، شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے، پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔“

﴿اَوْ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۗ﴾ قُلْ يُعْبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيعًا ۗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۗ﴾ (الزمر: ۵۲-۵۳)

”اور کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے؟ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ (اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے

مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور و رحیم ہے۔“

﴿ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ۝ ذِي الطَّوْلِ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ ﴾ (المومن: ۲-۳)

”اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔“

﴿ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۝ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۝ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۝ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۝ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۝ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۝ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ ﴾ (المومن: ۱۵-۱۷)

”وہ بلند درجوں والا، مالک عرش ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح نازل کر دیتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے خبردار کر دے۔ وہ دن جبکہ سب لوگ بے پردہ ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ (اُس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی! (کہا جائے گا) آج ہر تنفس کو اُس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی، آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔“

﴿ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۝ وَصَوَّرَكُمُ وَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۝ وَرَزَقَكُمُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۝ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ ۝ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾ (المومن: ۶۳-۶۵)

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا، اور اوپر آسمان کا گنبد بنا دیا، جس نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی، جس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔ وہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے، بے حساب برکتوں والا ہے وہ کائنات کا

رب۔ وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔ ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔“

﴿قُلْ اَيْنَكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوٰسِيْ مِنْ فَوْقِهَا وَ بَرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۚ سَوَّآءٌ لِّلْسَآئِلِيْنَ ۝۱۱ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ اَنْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝۱۲ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَهْوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اُوْحِيَ فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِصَابِغٍ ۚ وَ حِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۳﴾ (خم السجده: ۹-۱۲)

”اے نبی! ان سے کہو، کیا تم اُس خدا سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اُس کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا؟ وہی تو سارے جہان والوں کا رب ہے۔ اُس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اس پر پہاڑ جما دیے، اور اس میں برکتیں رکھ دیں، اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اُس وقت محض دھواں تھا، اُس نے آسمان اور زمین سے کہا: ”وجود میں آ جاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔“ دونوں نے کہا: ”ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح۔“ تب اُس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیے، اور ہر آسمان میں اُس کا قانون وحی کر دیا۔ اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔“

﴿فَاَطْرُسُ السَّهْوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَ مِنْ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَنْدَرُوْكُمْ فِيْهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّبِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّهْوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲﴾

(الشوری: ۱۱-۱۲)

”آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے، اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے، اور اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، اُسے ہر چیز کا علم ہے۔“

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَآثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ۗ أَوْ يَزْوِجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَآثًا ۗ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَاقِبَةً ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾﴾
(الشوری: ۴۹-۵۰)

”اللہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَرَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾﴾
(الزخرف: ۸۴-۸۵)

”وہی ایک، آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا، اور وہی حکیم و علیم ہے۔ بہت بالا و برتر ہے وہ جس کے قبضے میں زمین اور آسمانوں اور ہر اُس چیز کی بادشاہی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان پائی جاتی ہے، اور وہی قیامت کی گھڑی کا علم رکھتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔“

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادِنَا ۗ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْعِبِينَ ﴿٣٩﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَىٰ عَن مَّوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٠﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۗ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤١﴾﴾
(الدخان: ۳۸-۴۲)

”یہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ان سب کے اٹھائے جانے کے لیے طے شدہ وقت فیصلے کا دن ہے، وہ دن جب کوئی عزیز قریب اپنے کسی عزیز قریب کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور نہ کہیں سے انہیں کوئی مدد پہنچے گی سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے، وہ زبردست اور رحیم ہے۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَ لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٣﴾﴾ (الجاثیہ: ۱۲-۱۳)

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اُس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔ اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔“

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَ لِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ ۗ وَ كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣﴾﴾ (الفتح: ۳)

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایک ایمان اور بڑھالیں۔ زمین اور آسمانوں کے سب لشکر اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ علیم و حکیم ہے۔“

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۗ وَ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٨﴾﴾ (الفتح: ۲۸)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔“

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۗ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْجَنَّةِ﴾

الْوَرِيدِ ﴿١١﴾ (ق: ۱۶)

”ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں۔“

﴿الرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۙ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۙ وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا ۙ وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۙ﴾

(الرحمن: ۱-۷)

”رحمن نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اور اسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔“

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۙ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلٰى الْعَرْشِ ۗ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ۙ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَ اِلٰى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۙ يُوَلِّجُ الْاَيْلَ فِي النَّهَارِ ۗ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْاَيْلِ ۗ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۙ﴾ (الحديد: ۱-۶)

”اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اُس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے، اور وہی زبردست دانا ہے۔ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے، زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے، اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی، اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اُس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم

ہو۔ جو کام بھی کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔“

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ ۚ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّبُ ۚ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (الحشر: ۲۲-۲۴)

”وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح کر رہی ہے، اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔“

﴿يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرَوْنَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝﴾ (التغابن: ۱-۴)

”اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے

ہو۔ اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے، اور اسی کی طرف آخر کار تمہیں پلٹنا ہے۔ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اس کو معلوم ہے، اور وہ دلوں کا حال تک جانتا ہے۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۖ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ﴾ (الطلاق: ۱۲)

”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کے مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے، (یہ بات تمہیں اس لیے بتائی جا رہی ہے) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔“

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۙ ۝ وَالَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عِبَادًا ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۙ ۝ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۗ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفَوُّتٍ ۗ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۗ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۚ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۚ ۝ وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِبَصَائِعَ ۖ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطٰنِ ۖ وَاعْتَدْنَا لَهُم عَذَابَ السَّعِيرِ ۝﴾

(الملك: ۱-۵)

”نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے، تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی، جس نے تہ برتہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔ ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے، اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ان شیطانوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہم

نے مہیا کر رکھی ہے۔“

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَأَمْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۗ وَ إِلَيْهِ
النُّشُورُ ۝۱۵﴾ ءَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَهُورُ ۝۱۶ ءَأَمِنْتُمْ
مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۗ فَسَتَعْلِبُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ ۝۱۷﴾

(الملك: ۱۵-۱۷)

”وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین میں دھنسا دے، اور یکا یک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تشبیہ کیسی ہوتی ہے۔“

﴿هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝۱۸ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ
نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۗ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَبِيحًا بَصِيرًا ۝۱۹ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا ۖ وَإِمَّا
كَفُورًا ۝۲۰ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا ۖ وَأَغْلَالًا ۖ وَسَعِيرًا ۝۲۱﴾ (الدھر ۱-۴)

”کیا انسان پر لا متناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔ کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔“

﴿الْم نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا ۝۱۰ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝۱۱ وَ خَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝۱۲ وَ جَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۱۳ وَ جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۴ وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۵ وَ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا
شِدَادًا ۝۱۶ وَ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَاجًا ۝۱۷ وَ أَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝۱۸ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا
وَ نَبَاتًا ۝۱۹ وَ جَنَّتِ الْفَاقَاتُ ۝۲۰ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝۲۱﴾ (النبا: ۶-۱۷)

”کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا، اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا، اور تمہیں (مردوں اور عورتوں کے) جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا، اور تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا، اور رات کو پردہ پوش، اور دن کو معاش کا وقت بنایا، اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کیے، اور ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا، اور بادلوں سے لگاتار بارش برسائی تاکہ اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں؟ بے شک فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے۔“

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ ﴿١٦﴾﴾ (البروج: ۱۲-۱۶)

”درحقیقت تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے، اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، اور وہ بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے، بزرگ و برتر ہے، اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے۔“

﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ﴿٢﴾ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ﴿٣﴾ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ﴿٥﴾﴾ (الاعلیٰ: ۱-۵)

”(اے نبی!) اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ جس نے تقدیر بنائی، پھر راہ دکھائی۔ جس نے نباتات اگائیں، پھر اُن کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔“

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿١﴾ أَيْحَسِبُ أَنْ لَنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٢﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ﴿٣﴾ أَيْحَسِبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٤﴾﴾ (البلد: ۳-۷)

”درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا اُس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُس پر کوئی قابو نہ پاسکے گا؟ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اُس کو نہیں دیکھا؟۔“

﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٧﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ﴿١٩﴾﴾

(الیل: ۱۲-۱۳)

”بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے۔“

﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق: ۱-۵)

”پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جسے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔“

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْهُ وَ لَمْ يُولَدْهُ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝﴾ (الاحلاص: ۱-۴)

”کہو، وہ اللہ ہے، یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کا تعارف بزبان حدیث

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین سے روایت ہے کہ یمن کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ ابتدا میں کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تھا، اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔“ (صحیح البخاری: ۳۱۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھی، اس میں یہ لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ پس یہ لکھا ہوا عرش پر اس کے ہاں موجود ہے۔“ (صحیح البخاری: ۳۱۹۴-صحیح مسلم: ۲۷۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور جن شعلہ مارنے والے دھوئیں کی آگ سے پیدا کئے

گئے ہیں اور آدم جس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں تمہیں بیان کر دی گئی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۹۶)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”میں ایسی چیز کو دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے۔ آسمان آواز کرتا ہے، اور اس کے لیے آواز کرنا لائق ہے۔ آسمان میں چار انگلیوں کے بقدر کوئی جگہ خالی نہیں کہ کوئی فرشتہ پیشانی رکھے ہوئے سجدہ میں نہ ہو۔ اللہ کی قسم! اگر تمہیں وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو مجھے معلوم ہیں تو تم ہنسو کم، اور روؤ زیادہ۔ اور تم بستروں پر اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرو اور تم اللہ سے پناہ طلب کرتے ہوئے پہاڑوں کی طرف بھاگ جاؤ۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۲۳۱۲۔ ابن ماجہ: ۴۱۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر شان والا کام جس کو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہوتا ہے۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۴۸۴۰۔ سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۴ واللفظ لہ۔ یہ روایت سخت ضعیف ہے، قرہ راوی ضعیف ہے، تفصیل دیکھئے: الارواء: ۲)

معراج سے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے ساتویں آسمان پر دیکھا کہ کچھ فرشتے ہیں جن کے قد بہت بڑے ہیں اور وہ سجدے کے عالم میں ہیں اور ان کے جسم کانپ رہے ہیں اور ان سے ایک عجیب سی آواز آتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ آواز کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ فرشتے سجدے کی حالت میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ اسی حالت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے رہیں گے۔ اللہ رب العزت کی جلالت شان کا ان پر اتنا اثر ہے کہ یہ خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہیں، اور ان کے کانپنے کی وجہ سے یہ آواز آپ کو سنائی دے رہی ہے۔“

”رسول اللہ ﷺ عرش کے قریب پہنچے تو آپ نے عرش کی آواز سنی۔ پوچھا، جبریل! یہ کیسی آواز ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ عرش کی آواز ہے جو اللہ رب العزت کی عظمت کی وجہ سے اس میں سے آ رہی ہے۔“ فرش سے عرش تک ہر چیز اللہ

رب العزت کی عظمت کی معترف ہے سوائے انسان کے۔ ”کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اُس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں؟

﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾

(الحديد: ۱۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ اس بندے پر راضی ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھاتا ہے تو اس پر اللہ کی تعریف کرتا ہے اور پانی کا گھونٹ پیتا ہے تو اس پر بھی الحمد کہتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۷۳۴۔ مسند احمد: ۱۱۹۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں چودھویں رات کو چاند کے دیکھنے میں جب کہ اس کے اوپر بادل بھی نہ ہوں کوئی شک و شبہ ہوتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں جب کہ اس پر ابر نہ ہو کبھی شک و شبہ ہوتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔

قیامت کے دن لوگ اٹھائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو شخص دنیا میں جس کی پرستش کرتا تھا اس کے پیچھے ہو جائے، چنانچہ کچھ لوگ سورج کے پیچھے ہو جائیں گے اور کچھ لوگ چاند کے پیچھے اور کچھ لوگ بتوں کے پیچھے چل پڑیں گے۔ اس کے بعد صرف یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں منافق بھی شامل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو وہ (اسے نہیں پہچانیں گے اور) کہیں گے کہ ہم اس جگہ اس وقت تک کھڑے رہیں گے جب تک ہمارا پروردگار نہیں آ جاتا، جب ہمارا پروردگار آئے گا ہم اسے پہچان لیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر ان کے سامنے آئے گا اور فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو وہ اقرار کریں گے کہ ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد جہنم کی پشت پر ایک پل بنایا جائے گا اور سب کو (اس پر چلنے کی) دعوت دی جائے گی، چنانچہ رسولوں میں سب سے پہلا رسول میں ہوں گا جو اپنی امت کو لے کر اس پر سے گزروں گا۔ اس دن رسولوں کے سوا کوئی شخص نہ بول سکے گا اور رسولوں کی زبان پر بھی اللہم سلم، سلم (اے اللہ! جہنم سے محفوظ رکھ اور سلامتی سے گزار دے) کے کلمات ہوں گے۔ (صحیح البخاری: ۶۵۷۳۔ مسند احمد: ۷۷۱۷)

عقیدہ توحید کی اہمیت

اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے۔ توحید کا مادہ وَحْدٌ، سَجِدٌ ہے جس کے معنی ہیں ایک ہونا، یکتا ہونا، بے مثل ہونا۔ توحید کے معنی ہیں ایک خدا پر ایمان لانا جو یکتا اور بے مثل ہے۔ اللہ کی ذات و صفات پر غور کیا جائے تو عقیدہ توحید ہی عقلی طور پر قابل قبول عقیدہ ہے۔ جب ہر چیز کا خالق و مالک اور رازق اللہ ہے، جب کائنات میں کوئی ہستی اور کوئی شے اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی، جب ساری مخلوقات بشمول نباتات و جمادات اس کی تسبیح کر رہی ہیں، جب اس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا، جب دنیا اور آخرت میں انسان اسی کے فضل و کرم کا محتاج ہے، تو کیا انسان کے لیے مناسب نہیں کہ اللہ کے سامنے جھک جائے اور اس کی یکتائی اور کبریائی میں کسی کو شریک نہ کرے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی رویہ انسان کو زیب دیتا ہے؟ کیا اللہ جیسے علیم وخبیر اور رحیم و کریم رب کی موجودگی میں شرک کا کوئی جواز بنتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ شرک کو ظلم عظیم اور سب سے بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے اور اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جس کے لیے چاہے سارے گناہ معاف کر دے لیکن شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ چنانچہ شرک کی تردید کرتے ہوئے سورہ النساء میں فرمایا:

شُرک نَاقِبِلِ مَعَانِیِ هِیَ

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۴۸)

”بے شک، اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھیرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔“

اسی سورہ میں ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝﴾ (النساء: ۱۱۶)

”اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے، اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔“

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے شرک کو بہت بڑا جھوٹ، بہت بڑا گناہ اور بہت بڑی گمراہی قرار دیا ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے شرک کے علاوہ باقی تمام گناہوں کے معاف ہونے کا امکان ظاہر کیا ہے اور یہ امید دلائی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو شرک سے بچا لیا اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ لیکن شرک کے بارے میں واضح طور پر فرما دیا کہ یہ کسی صورت میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اُس کے حق حکمرانی کا انکار نہیں کرتا۔ اس لیے مالک کی مرضی ہے چاہے تو سزا دے، چاہے تو بخش دے۔

شرک اللہ کی اتھارٹی کے خلاف چیلنج ہے

لیکن جو شرک کرتا ہے وہ گویا اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ بھی کچھ ہستیاں ہیں جو اس کائنات کے انتظام و انصرام میں دخیل ہیں اور انسان کی قسمت سنوارنے اور بگاڑنے میں ان کا بھی ہاتھ ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلی طور پر باختیار ہونے کا انکار کرتا ہے اور اس کی اتھارٹی کو چیلنج کرتا ہے۔ سورہ الفرقان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے شرک کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝﴾ وَالَّذِي لَهُ مُلْكُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ۝ وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَ هُمْ يُخْلَقُونَ وَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَ لَا نَفْعًا وَ لَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَ لَا حَيَوةً وَ لَا نُشُورًا ۝ ﴿۳۱﴾

(الفرقان: ۱-۳)

”نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو۔ وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔ لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔“

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام مشرکین کے باطل خیالات کی تردید کر دی ہے خواہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہوں یا مشرکین عرب میں سے۔ ان آیات میں واضح اعلان ہے کہ اس کائنات میں سوائے اللہ کے کوئی مقدر ہستی نہیں ہے۔

مہلت دینا اللہ کا کرم ہے

اگر اللہ چاہتا تو ایسے لوگوں کو اسی وقت فنا کے گھاٹ اُتار دیتا جب انہوں نے اس کی اتھارٹی کو چیلنج کیا تھا اور یہ عین انصاف کے مطابق ہوتا۔ لیکن وہ بے انتہا کریم ہے اور اس نے لوگوں کو قیامت تک کے لیے مہلت دے دی ہے کہ اگر چاہیں تو توبہ کر لیں اور آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی زبان سے اعلان کروا دیا کہ ”گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے وہ شخص جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔“ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰۔ الدعاء للطبرانی: ۱۸۰۷۔ تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسے حسن

قرار دیا ہے، جب کہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود نے اپنے والد سے نہیں سنا لہذا منقطع روایت ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک ہر رات اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن بھر گناہ کرنے والا رات کو توبہ کر لے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات بھر گناہ کرنے والا دن کو توبہ کر لے“ (صحیح مسلم: ۲۷۵۹۔ مسند ابی داؤد الطیالسی: ۴۹۲)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں کسے؟ رہو منزل ہی نہیں

اس اعلان کے بعد بھی اگر آخرت میں کوئی گرفتارِ بلا ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو اسے سنبھلنے کا پورا موقعہ دیا تھا۔ جو لوگ مرتے دم تک اپنی خواہشات کی غلامی اور اللہ سے بغاوت پر مصر رہیں گے ایسے لوگوں کو قیامت کے روز ابدی عذاب سے دوچار کیا جائے گا اللہ ان کو ایسے ہی بھلا دے گا جیسے وہ دنیا میں اللہ کو بھلائے ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو سورہ السجدہ کی یہ آیت:

﴿فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾﴾ (السجدہ: ۱۴)

”پس اب چکھو مزہ اپنی اس حرکت کا کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا، ہم نے بھی اب تمہیں فراموش کر دیا ہے، چکھو ابدی عذاب کا مزہ اپنے کرتوتوں کی پاداش میں۔“

آخرت میں نجات کے لیے خاتمہ بالا ایمان ضروری ہے

آخری نجات کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کو سچے دل سے تسلیم کرنا اور مرتے دم تک اس پر قائم رہنا بنیادی شرط ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ))

”جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے

جنت میں داخل ہوگا۔“ (صحیح مسلم: ۲۶)

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں نبی ﷺ کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

((أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا
مِّنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ))

”قیامت کے دن لوگوں میں میری سفارش سے فیضیاب ہونے والا سب سے خوش نصیب وہ ہوگا جس نے سچے دل سے اس بات کا اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“
(صحیح بخاری: ۹۹)

عقیدہ توحید کی تاکید اور شرک کی مذمت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَهِ يُشْرِكُ بِهِ
شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ))

”جس نے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہو، وہ جہنم میں جائے گا۔“ (صحیح مسلم: ۹۳)

ایمان کے بغیر اچھے کاموں کی حیثیت

ان نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عقیدہ توحید پر ایمانِ راسخ کے بغیر آخرت میں نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بات انسانی عقل و خرد اور منطق کے عین مطابق ہے۔ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کے اختیار کا گلی یا جزوی طور پر منکر ہو۔ اس کا شمار اللہ کے باغیوں میں ہوگا اور باغیوں کو تو کوئی بھی حکومت معاف نہیں کرتی۔ الا یہ کہ وہ اتنی کمزور ہو کہ انہیں سزا دینے کی قدرت ہی نہ رکھتی ہو، اور اللہ تبارک و تعالیٰ تو ہر کمزوری سے پاک ہے، پھر اس سے ایسی امید کیوں رکھی جائے۔ بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اکثر لوگ اللہ کو تو نہیں مانتے لیکن اچھے کام کرتے ہیں، انہیں سزا کیوں ملے گی؟ یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ جزا و سزا کا تعلق صرف اعمال سے ہے۔ یقیناً اعمال کی بھی اہمیت ہے لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے۔

آپ خود ہی سوچئے کہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کی حیثیت ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اللہ اس پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کیوں کرے؟ یہ بھی یاد رکھئے کہ آخرت کی کامیابی صرف اور

صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوگی۔ جب نبی ﷺ نے یہ بات صحابہ کرام کو بتائی تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی اللہ کے فضل کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں میں بھی۔ (صحیح مسلم: ۲۸۱۶)

اسی بات کو ایک پنجابی صوفی شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

عدل کریں تے تھر تھر کنبرہ اُچیاں شانناں والے

فضل کریں تے بخشے جانوزہ میں بے وی منہ کالے

یہ بات طے ہے کہ آخرت میں اس کا فضل صرف انہی لوگوں کے لیے ہوگا جو اس کے باغی نہیں تھے۔

یہ بات بھی یاد رکھئے کہ اچھا عمل صرف وہی ہے جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ اچھا

کہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ اس

معیار کے مطابق اگر دیکھا جائے تو جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے اور بظاہر کچھ اچھے کام کرتے ہیں،

فی الواقع وہ اچھے کام نہیں ہیں، کیونکہ کرنے والے کے دل میں اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی خوشنودی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہوتا۔ صلے کی توقع تو اسی سے رکھنی چاہئے

جس کے لیے آپ کچھ کریں یا کم از کم اس کی حیثیت ہی کو مانیں اور جس کی حیثیت ہی کو

آپ تسلیم نہ کریں، اور نہ ہی اس کو راضی رکھنے کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت ہو تو اس سے

صلے یا انعام و اکرام کی توقع کیوں کر رکھی جاسکتی ہے؟ جو لوگ اللہ رب العالمین کو اپنا رب ہی

نہیں مانتے ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ان کو سزا کیوں ملے گی، کیا یہ منطقی سوچ ہے؟

لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کے بظاہر اچھے اعمال کا بدلہ دو

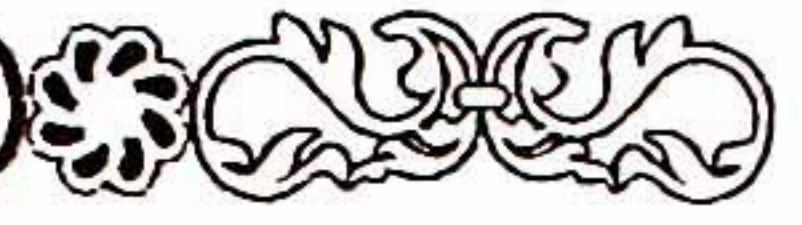
میں سے کسی ایک صورت میں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک تو یہ کہ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ

مزید دنیاوی نعمتوں کی صورت میں دے دیا جائے گا، دوسرے یہ کہ ان کے اخروی عذاب

میں کمی کر دی جائے گی اور یہ عین اس کا کرم ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ اگر انہوں نے

بظاہر کوئی اچھا کام کیا بھی تو اپنی خواہش سے کیا۔ اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں کیا۔ اگر ایسے اعمال کا

کچھ بھی صلہ نہ دیا جاتا تو عین عدل ہوتا۔



توحید پر ایمان کے تقاضے

اللہ سے محبت

اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان کا بنیادی اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور ٹوٹ کر محبت کی جائے۔ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی دین ہے۔ اپنا تو کچھ بھی نہیں، نہ اس نے خود کو پیدا کیا، نہ وسائل زندگی اس کے پیدا کردہ ہیں، نہ موت پر اسے قابو ہے اور نہ ہی آخرت میں فیصلہ کرنے کا اختیار۔ اگر ہمیں زندگی کی نعمت ملی ہے تو یہ سراسر اس کا احسان ہے، زندہ رہنے کے لیے جن وسائل کی ضرورت ہے وہ بھی سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، ان میں سے کچھ کا کنٹرول انسان کو دے دیا اور جو زیادہ ناگزیر تھے ان کا کنٹرول بھی اپنے پاس رکھا۔ کس نے کتنا عرصہ اس دنیا میں گزارنا ہے، اس کا فیصلہ بھی وہی کرتا ہے اور آخرت میں جزا و سزا کا فیصلہ بھی وہی کرے گا۔

کیا وہ ہستی جس نے ہمیں سب کچھ بن مانگے دیا ہے وہ اس بات کی مستحق نہیں کہ اس سے محبت کی جائے؟ جس میں ذرا سا بھی احسان شناسی کا جذبہ ہو وہ تو اللہ سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ خود بھی انسان سے محبت کرتا ہے اسی لیے اس نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا تا کہ وہ انسان کو گمراہی سے بچا کر صحیح بنیاد پر اللہ کے ساتھ اس کا رشتہ استوار کریں۔ چنانچہ اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝﴾ (البقرة: ۱۶۳)

”اور تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔“

یہ اس کی رحمت کا ہی نتیجہ ہے کہ زیست کا سلسلہ انسان کی نافرمانیوں کے باوجود اب

تک قائم ہے ورنہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔

اللہ سے محبت ایمان کا تقاضا ہے

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

”لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں، اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی گرویدگی اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔“

یہ حقیقت ہے کہ لوگ جن کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں، ان سے محبت بھی کرتے ہیں، حالانکہ یہ خود ساختہ کارساز ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ تو کیا اللہ جو کارسازِ حقیقی ہے اور جس نے انسان کو سب کچھ دیا ہے، وہ اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ اس سے شدید محبت کی جائے، جس کی طرف اوپر دی گئی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ سے شدید محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ بے کار ہے۔ اسی بات کو اللہ کے رسول ﷺ نے درج ذیل حدیث میں واضح فرمایا ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا))
 ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہیں ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔“

ایمان کی تکمیل

اللہ تبارک و تعالیٰ سے محبت ایمان کی بنیاد ہے اور ایمان کی تکمیل یہ ہے کہ بندے کا ہر فعل اللہ کی رضا کے لیے ہو جائے۔ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی خوشی کے لیے انسان ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا۔

((عَنْ أَبِي أَمَامَةَ، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَابْغَضَ لِلَّهِ وَاعْتَصَمَ لِلَّهِ وَامْتَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ))

”ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے روکا، اس نے اپنے ایمان کے تکمیل کر لی۔“ (صحیح سنن ابوداؤد: ۴۶۸۱۔ جامع ترمذی: ۲۶۹۲)

یہی بات اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی ﷺ کی زبان سے کہلوائی:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُصِرْتُ وَآنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

”اے نبی ﷺ) کہو میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلے تسلیم خم کرنے والا ہوں“

ایسے لوگ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں، ایسے ہی اطاعت کیش اور وفا شعار بندوں کے

بارے میں فرمایا گیا:

﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝﴾

(الانفال: ۶۵)

”اگر تم میں سے بیس صابر لوگ ہونگے تو دو سو پر غالب ہونگے، اور اگر تم میں

سے سو لوگ ہونگے تو کفار کے دو ہزار لوگوں پر غالب ہونگے کیونکہ وہ لوگ (اللہ

کو) نہیں سمجھتے۔“

اللہ کی تائید

ایسے ہی لوگ تھے جن کے حکم سے دریا بھی بہنا شروع کر دیتے تھے۔ اسلام سے پہلے

مصری ہر سال دریائے نیل کو ایک دوشیزہ کی قربانی پیش کیا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ

نیل کی روانی کے لیے انسانی قربانی لازمی ہے، ورنہ نیل بہنا بند ہو جائیگا۔ فتح مصر کے بعد

مسلمانوں نے اس قربانی کو روک دیا۔ اتفاق سے ایک دفعہ دریائے نیل بہنا بند ہو گیا۔

مصریوں نے شور مچایا کہ قربانی نہ دینے کی وجہ سے دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔ انہوں نے حکومت کے لیے مسئلہ کھڑا کر دیا کہ دریا انسانی جان کی قربانی مانگتا ہے۔ گورنر نے یہ سارا ماجرا حکومت کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ انہوں نے دریائے نیل کے نام حکمنامہ جاری کیا کہ اگر تو اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو بہنا شروع کر دے اور اگر تو کسی اور کے حکم سے بہتا ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں۔ یہ خط قاصد کے حوالے کیا اور اسے حکم دیا کہ اس کو جا کر دریائے نیل میں ڈال دے۔ جب یہ خط نیل میں ڈالا گیا تو دریا نے بہنا شروع کر دیا، اور آج تک پوری روانی سے بہ رہا ہے۔ (ضعیف: مسند الفاروق: ۱/ ۲۲۳-۲۲۴۔ یہ روایت ابن لہیعہ مدلس راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

یہ واقعہ اور اس طرح کے اور بہت سے واقعات جو مختلف لوگوں سے منسوب ہیں۔ ان میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے تو اللہ بھی اس کی لاج رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث قدسی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: ”جس نے میرے دوست سے دشمنی کی، اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر میرا بندہ فرض کی ادائیگی کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے تو مجھے اس سے محبوب اور کوئی ذریعہ نہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ کسی سے پناہ چاہے تو اسے پناہ بھی ضرور دیتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: ۶۵۰۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ جب خود کو کلیتاً اللہ کے حوالے کر دیتا ہے تو اسے اللہ

کی تائید و نصرت حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے موقعہ پر جب نبی ﷺ نے مٹھی بھر ریت کفار کی طرف پھینکی تو یہ ریت سب کفار کی آنکھوں میں پڑی، حالانکہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ پورے میدانِ جنگ میں بکھرے ہوئے تھے۔ اسی بات کو اللہ نے سورہ انفال میں یوں فرمایا:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (الانفال: ۱۷)

”ریت کی مٹھی جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہیں پھینکی، بلکہ وہ اللہ نے پھینکی۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کے قرب کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور ان کی اطاعت۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

اللہ پر ایمان اور اس سے محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل طور پر اطاعت کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

(ال عمران: ۳۱)

”اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا“

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی چاہئے جس کے نتیجے میں انہیں اللہ کی محبت اور مغفرت حاصل ہوگی۔ فی الواقع دنیا اور آخرت کی کامیابی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی میں مضمر ہے، جیسا کہ سورہ احزاب میں فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۱)

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، اس نے بڑی کامیابی

حاصل کی۔“

کامیابی کا مفہوم

بعض لوگ شاید محسوس کریں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت آخرت میں کامیابی کی ضمانت تو ہو سکتی ہے لیکن دنیا میں تو نہیں۔ ہم نے تو بے شمار ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اچھے مسلمان ہونے کے باوجود غربت کا شکار ہوتے ہیں۔

ان لوگوں کے نزدیک دنیاوی آسائشوں کی بہتات کا نام کامیاب زندگی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جن لوگوں کے پاس دولت کی فراوانی ہے وہ فی الواقع کامیاب اور خوش بھی ہوں۔ آپ کے مشاہدے میں بھی کئی ایسے لوگ آئے ہونگے جو دولت مند ہونے کے باوجود خوش نہیں۔ وہ ہر وقت مضطرب رہتے ہیں، انہیں اطمینان اور سکون حاصل نہیں۔ وہ اکثر پریشان رہتے ہیں۔

یہ تو جانچنے کا مادی پیمانہ ہے، اور مادے کا انسان کی خوشی اور سکون سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ خوشی اور سکون کا تعلق تو روح سے ہے جو کہ غیر مادی شے ہے، اور روح کو اطمینان اور خوشی تو اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت ہی سے ملتی ہے۔ درج ذیل آیت میں اسی بات کا اظہار کیا گیا ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸) ”خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔“ سکونِ قلب اور اطمینان صرف اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ کی بادشاہت کا انحصار ہماری اطاعت پر نہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہماری اطاعت یا نافرمانی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمام جن و انس اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں تو اس کی بادشاہی میں ذرہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے اور اگر سب ملکر اس کا انکار کر دیں تو اس کی بادشاہی میں ذرہ بھر کمی نہیں کر سکتے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی خدائی اپنے بل بوتے پر قائم ہے۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر نہیں۔ سورہ اخلاص میں ”اللہ“

الصَّمدُ“ (اللہ بے نیاز ہے) کہہ کر اسی بات کا اظہار کیا گیا ہے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظَلَمَهُمُ بِالْغُدُوِّ
وَالْأَصَالِ ۗ﴾ (الرعد: ۱۵)

”وہ اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں“

اسی بات کی وضاحت نبی ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”بُری باتیں سن کر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد ثابت کرتے ہیں (حالانکہ اس کی کوئی اولاد نہیں) اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۰۹۹۔ صحیح مسلم: ۲۸۰۴)

پھر فرمایا: ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے۔ اس کی غلامی کی معترف ہے۔ اس کے لیے اخلاص کرنے والی ہے۔ اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں عبادت گزار ہے۔ جس چیز کو کہے یوں ہو، اس طرح بن جا، وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے۔ اس طرح ہر ایک اس کے سامنے پست اور مطیع ہے۔ کفار بھی گو نہ چاہیں، لیکن ان کے سائے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

یہی بات سورہ آل عمران میں یوں فرمائی:

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَ لَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا
وَ كَرْهًا وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۗ﴾ (آل عمران: ۸۳)

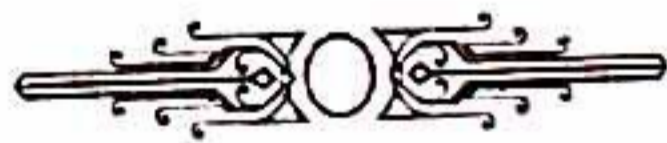
”کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ (اللہ کی بندگی کے علاوہ کسی اور کی بندگی کرنا چاہتے ہیں) حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں

چارونا چار اللہ ہی کی طابع فرمان ہیں، اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔“

انسان کی بھلائی اطاعت ہی میں ہے

انسان کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ وہ بھی اس کائنات کا حصہ ہے۔ جب کائنات کی ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کر رہی ہے تو انسان کے لیے بھی فطری راستہ یہی ہے کہ وہ بھی اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرے۔ یہی اس کی فطرت کا تقاضا ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ انسان جب بھی اس راستے سے انحراف کرتا ہے تو گویا وہ اپنی فطرت سے بغاوت کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی اشیاء کے درمیان کش مکش شروع ہو جاتی ہے۔ جو اس کے اندر کی دنیا میں بے چینی اور باہر کی دنیا میں فساد برپا کر دیتی ہے۔

اس کے برعکس جب انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اندر و باہر کی کشمکش ختم ہو جاتی ہے، اور اس کے اندر و باہر کی دنیا میں سکون ہو جاتا ہے۔ لہذا ایک اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت ہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا اور آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام ہی صحیح دین (راستہ) ہے، جو انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی ادیان (راستے) ہیں، گمراہی اور ناکامی پر منجھوتے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے انسانی رہنمائی کے لیے بھیجی گئی آخری کتاب ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں، توحید کے بارے میں اس کا کیا موقف ہے۔





قرآن مجید سے توحید کے دلائل

ہر نبی کی دعوت کا بنیادی نقطہ توحید ہے

قرآن مجید توحید کی تائید اور شرک کے ابطال کے دلائل سے بھرا پڑا ہے۔ ہر نبی کی دعوت کا بنیادی نقطہ توحید ہی تھا۔ سورہ انبیاء کی یہ آیت اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

✓ ”ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے، اس کو یہی وحی کی ہے، کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم میری ہی بندگی کرو۔“
سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)

✓ ”اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے، کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔“

توحید پر عمل کے ساتھ ہی شرک سے اجتناب کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ سورہ النحل میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

(النحل: ۳۶)

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو!“

سورہ نسا میں فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ (النساء: ۳۶)

”اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔“

صحیح مسلم میں ایک حدیثِ قدسی بیان کی گئی ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

”میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا، مگر شیطان نے انہیں دینِ حنیف سے ہٹا دیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۶۵)

ایک دوسری حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”مجھے ابنِ آدم جھٹلاتا ہے۔ اسے یہ لائق نہ تھا۔ مجھے وہ گالیاں دیتا ہے، اسے یہ نہیں چاہیے تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں، اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میرے لیے اولادِ ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو۔“

(صحیح بخاری: ۴۹۷۴)

اللہ کی خالقیت اور اس کا اقتدار

انسان اس بات پر گواہ ہے کہ خود اس کا اور زمین و آسمان کا خالق اللہ ہی ہے اور وہی ہے جس کا حکم اس کائنات کی ہر چیز پر چلتا ہے۔ درج ذیل آیات پر غور کیجئے۔

﴿أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ أَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۗ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ ؕ ؕ ؕ مَعَ اللَّهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ۗ ؕ ؕ ؕ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَ جَعَلَ خِلْفًا أَنْهَارًا وَ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ؕ ؕ مَعَ اللَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۗ ؕ ؕ ؕ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ ؕ مَعَ اللَّهِ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۗ ؕ ؕ ؕ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ مَنْ يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ ؕ مَعَ اللَّهِ ۗ تَعَلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۗ ؕ ؕ ؕ أَمَّنْ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَ مَنْ

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ ۗ ؕ ؕ ؕ عَالِمُ الْغَيْبِ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢٥﴾ ﴿النمل: ٦٠-٦٥﴾

”بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ وہ خوشنما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دئے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔

کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔ اور وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری دے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے؟ بہت بالا اور برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ (تمہارے معبود تو یہ

بھی) نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“

سورہ النمل کی ان آیات پر غور کیا جائے تو شرک کا کوئی جواز نہیں رہتا ان آیات میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اس پوری کائنات کا خالق اللہ ہے اور وہی اس کو کنٹرول کر رہا ہے۔ زمین و آسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں، انسان کو رزق وہی دیتا ہے وہی اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کی قسمت کے فیصلے بھی وہی کرتا ہے۔ وہی اقتدار بخشتا ہے اور وہی واپس بھی لیتا ہے۔ کل کیا ہونے والا ہے اس کا علم بھی صرف اسی کے پاس ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔

شرک کا کوئی جواز نہیں

جب ہر قسم کا اقتدار اور اختیار صرف اس کے پاس ہے تو دوسروں کو اس کے ساتھ

شریک کیوں کیا جائے؟

﴿وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (الزخرف: ۸۷) ✓

”اور اگر تم ان سے پوچھو، کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے، تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر کہاں سے یہ دھوکا کھا رہے ہیں۔“

﴿وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (۱۱) ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَاطِلٌ لِمَنْ شَاءَ عَلَيْهِ﴾ (۱۲) ﴿وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (العنكبوت: ۱۶-۶۳)

”اگر تم ان لوگوں سے پوچھو، کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے، اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے، تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر یہ کدھر سے دھوکا کھا رہے ہیں؟ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ یقیناً، اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اگر تم ان سے پوچھو کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا، تو وہ ضرور کہیں گے، اللہ نے۔ کہو، الْحَمْدُ لِلَّهِ، مگر ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔“

خدا انسان کے اندر موجود ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود کی شہادت تو انسان کے اپنے دل میں بھی موجود ہے۔ اسی لیے جب وہ کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، جہاں سارے رشتے اور سہارے ٹوٹ جاتے ہیں اور کہیں سے مدد کی کوئی امید نظر نہیں آتی، تو ایسے میں وہ صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے اور صرف اسی سے مدد مانگتا ہے۔ سورہ انعام کی درج ذیل آیات اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

﴿قُلْ اَرۡعٰیۡتَکُمۡ اِنۡ اَنۡدَکُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَکُمُ السَّاعَةُۙ اَغٰیۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ ؕ
اِنۡ کُنۡتُمْ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۰﴾ بَلۡ اِیَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فِیۡکَیۡفٍۭ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡهِ اِنۡ شِآءَ
وَ تَنۡسُوۡنَ مَا تَشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ (الانعام: ۴۰-۴۱)

”ان سے کہو، ذرا غور کر کے بتاؤ، اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آ جاتی ہے، یا آخری گھڑی آ پہنچتی ہے، تو کیا اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر اگر وہ چاہتا ہے، تو اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔“

سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت پر غور کیجئے:

﴿وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّۙ مَنْ تَدَّعُوۡنَ اِلَّا اِیَّاهُ ؕ فَلَمَّا نَجَّکُمۡ اِلَی الْبَرِّ اَعۡرَضۡتُمْ ۗ وَ کَانَ الْاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا ﴿۶۷﴾﴾ (بنی اسرائیل: ۶۷)

”جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب گم ہو جاتے ہیں، مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے، تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔ انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے۔“

کیا یہ آیات اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ خدا انسان کے اندر موجود ہے؟ جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی اسے اپنی ہستی کا شعور عطا کر دیا تھا اور پھر پے در پے

اپنی طرف سے انبیا اور رسول بھیج کر اس بات کی یاد دہانی کروا تا رہا کہ تمہارا خالق و مالک و رازق اللہ ہی ہے جو اس ساری کائنات کا بھی خالق و مالک ہے، اور جس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ اس لیے انسان کے لیے بہتر اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اور صرف اللہ کی بندگی اختیار کرے۔ سورہ اعراف کی درج ذیل آیات گواہ ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالم ارواح میں انسان کو اپنا تعارف کرایا اور اس سے یہ گواہی لی کہ وہی اس کا رب ہے:

عہدِ الست

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۗ شَهِدْنَا ۗ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غٰفِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۗ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْبٰطِلُونَ ۝ وَكَذٰلِكَ نَفْصَلُ الْآيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾ (الاعراف: ۷۲-۷۴)

”اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا، اور ان کو خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ضرور، آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس بات پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو: ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہنے لگو: شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد میں ان کی نسل سے پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟ دیکھو! اس طرح ہم واضح طور پر نشانیاں پیش کرتے ہیں، اور اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ پلٹ آئیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ انسان کے ان عذر ہائے لنگ سے آگاہ تھا جو کل قیامت کے دن یہ

پیش کرنے والا ہے۔ اسی لیے اس نے پیشگی شہادت قائم کر کے انسان کے خلاف حجت تمام کر دی ہے، تاکہ انسان اپنی گمراہی کا الزام دوسروں پر نہ رکھ سکے۔

انسانی اعضاء اور جوارح پر بھی اللہ کا اختیار ہے

انسان کی ساری قوتوں پر صرف اور صرف اللہ ہی کا اختیار ہے۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں۔ پھر بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کیا جائے؟ ملاحظہ ہو سورہ انعام کی یہ آیت:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَ أَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ مَّنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٣٦﴾﴾
(الانعام: ٣٦)

”اے نبی ﷺ! ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تمہاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا اور کونسا خدا ہے جو یہ قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہے؟ دیکھو! کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور پھر یہ کس طرح ان سے نظر چرا جاتے ہیں!“

مشرکین مکہ بھی اس بات کا اقرار کرتے تھے، کہ ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہی ہے، سورہ مومنون کی ان آیات پر غور کیجئے:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَ مَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۗ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۗ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُوَ يُجِيرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۗ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾﴾ (المؤمنون: ٨٤-٨٩)

”ان سے کہو! بتاؤ، اگر تم جانتے ہو، کہ یہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے، کس کا

ہے؟ یہ ضرور کہیں گے، اللہ کا ہے۔ کہو، پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھو، ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے، اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو۔ کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہو، پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟“

جو لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں، وہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں، کہ رزق دینے والا، زندگی اور موت دینے والا اور اس کائنات کا انتظام چلانے والا اللہ ہی ہے، اور وہ اس بات کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ سورہ یونس کی یہ آیت اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۗ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۗ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾﴾ (یونس: ۳۱)

”ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظامِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟“

تخلیق کی ابتدا کرنے والا، اس کا اعادہ کرنے والا، ہدایت دینے والا صرف اور صرف اللہ ہے، سورہ یونس کی درج ذیل آیات ملاحظہ کیجئے:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۗ قُلِ اللَّهُ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَإِنِّي تُوفِّكُونَ ﴿۱۰﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۗ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ يَتَّبِعِ الْأَمَّنْ

لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ فَبِأَلْسِنَةٍ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٥﴾ (یونس: ۳۴-۳۵)
 ”ان سے پوچھو، تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہو اور پھر اس کا اعادہ بھی کرے؟۔ کہو وہ صرف اللہ ہے، جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی، پھر تم یہ کس الٹی راہ پر چلائے جا رہے ہو؟۔ ان سے پوچھو، تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے، جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟۔ کہو وہ صرف اللہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ، جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو راہ نہیں پاتا الا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ کیسے اٹے فیصلے کرتے ہو؟“

شُرک کی تردید

شُرک کی نفی کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ مومنون میں فرمایا:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا الذَّهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿٩١﴾﴾

(المومنون: ۹۱)

”اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے، اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ ددرتے۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔“
 یہ آیت نہ صرف مشرکین بلکہ یہود و نصاریٰ کے عقائد کی بھی تردید کرتی ہے، اور ان کے عقائد کے خلاف دلیل قاطع ہے۔

معبودانِ باطل کی کمزوری

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ حج میں معبودانِ باطل کی کمزوری کی بڑی ہی پیاری مثال دی ہے، فرمایا:

﴿يَأْتِيهَا النَّاسُ ضُرْبَ مَثَلٍ فَاستَبَعُوا لَهُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَ لَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۗ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۗ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْهَاطِلُ ﴿٤٣﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّى قَدَرَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٤﴾﴾ (الحج: ٤٣-٤٤)

”لوگو، ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو! جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب ملکر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے، تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔“

انسان کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ سارے انسان ملکر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے، پیدا کرنا تو دور کی بات ہے، اگر مکھی کچھ چھین کر لے جائے، تو واپس نہیں لے سکتے۔

اللہ کی بے مثال صنای

اب اللہ کی بے مثال صنای کو دیکھنے کے لیے سورہ رعد کی ان آیات پر غور کیجئے:

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿١﴾ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَ جَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَ أَنْهَارًا ۗ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا رِجَالًا ثَمِينًا يُغْشَى الْبَيْلَ النَّهَارِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢﴾ وَ فِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّرَاتٌ وَ جَنَّتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَ زُرْعٌ وَ نَخِيلٌ صِنَوَانٌ وَ غَيْرُ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِهَاءٍ وَاحِدٍ ۗ وَ نُفِضِلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣﴾﴾ (الرعد: ٢-٣)

”وہ اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔ پھر وہ اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لیے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے نظام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے، اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں، اور دریا بہا دئے ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کئے، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے۔ ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں، جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“

انسان کو غور کرنا چاہیے کہ جب اللہ ہی اسے پیدا کرنے والا، اسے رزق دینے والا، رزق میں کمی یا اضافہ کرنے والا، بیماری اور شفا دینے والا، مصائب سے نجات دینے والا، انسان کے اعضا و جوارح پر اختیار رکھنے والا، زندگی اور موت دینے والا، ہدایت دینے والا، رہنمائی کرنے والا اور موت کے بعد جزا و سزا دینے والا ہے۔ تو پھر اس ایک معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر وہ دوسرے آستانوں پر کیوں جائے، اور اس کے سوا دوسروں کے سامنے کیوں سر جھکائے، خصوصاً جبکہ اللہ نے اس فعل سے منع بھی کیا ہو اور انسان کو یہ باور بھی کرایا ہو کہ وہ انسان سے بہت قریب ہے اور اس تک رسائی کے لیے انسان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں، صرف اپنے اندر جھانکنے کی ضرورت ہے۔

اللہ رگِ جاں سے بھی قریب ہے

اللہ تو رگِ جاں سے بھی قریب ہے۔ جیسا کہ سورہ ق میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلْمُ مَا تُوسُّوسُ بِهِ نَفْسُهُ ۗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ
مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝﴾ (ق: ۱۶)

”ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔“
اور سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۗ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۗ
فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۸۶)

”اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان کے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب بھی مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔“

معبودانِ باطل تک رسائی کے لیے تو انسان کو وسیلے تلاش کرنے پڑتے ہیں، نذرانے پیش کرنے پڑتے ہیں، بسا اوقات ان تک پہنچنے کے لیے تکالیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں، اور پھر بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس، اللہ تبارک و تعالیٰ تو ہماری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس تک پہنچنے یا اپنی بات پہنچانے کے لیے کسی وسیلے اور سہارے کی بھی ضرورت نہیں، وہ تو خود اس بات کا اعلان فرما رہا ہے کہ میں ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں اور اس کا جواب بھی دیتا ہوں۔ اس اعلان کے ساتھ اس نے کوئی ایسی شرط عائد نہیں کی کہ وہ صرف متقین کی پکار ہی سنتا ہے، گناہ گاروں کی نہیں سنتا۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق وہ تو ہر اس شخص کی سنتا ہے جو اسے یقین اور خلوصِ دل سے پکارے۔ بس اعتماد اور خلوص شرط ہے۔ ایسے رحیم اور مہربان رب کو

چھوڑ کر دوسروں کو پکارنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ لیکن انسان بڑا ہی جلد مایوس ہونے والا اور ناشکرا ہے۔

﴿إِنَّهُ لَيَعُوسٌ كَفُورٌ﴾ (ہود: ۹)

”بے شک وہ ناامید اور ناشکرا ہے۔“

اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی حاجت روا سمجھنا، خواہ وہ انبیا و رسل ہوں یا دیگر بزرگانِ دین، شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ کسی بزرگ کے مزار پر اس اعتقاد کے ساتھ جانا کہ وہاں دعاؤں کی قبولیت کا زیادہ احتمال ہے، اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ دراصل یہ بھی انسانی سوچ کی کمزوری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کمزوری سے پاک ہے کہ اس تک پہنچنے کے لیے بھی وسیلے کی ضرورت پڑے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ایک ہی وسیلہ ہے اور وہ ہے اسکی بے لوث اطاعت۔ اخلاص کے ساتھ بندگی ہی اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور راستہ ہے، رشوت اور سفارش کا اس کے ہاں چلن نہیں۔ اگر اللہ کے ہاں بھی یہی سکے چلتے، تو خالق اور مخلوق میں کیا فرق رہ جاتا اور پھر ان لوگوں کا کیا بنتا جو ان وسائل سے محروم ہیں؟

اگر اللہ تبارک و تعالیٰ پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوق کو دوسروں کے سہارے پر چھوڑ دیتا تو کیا یہ مخلوق کے ساتھ زیادتی نہ ہوتی؟ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو سب سے بڑا منصف ہے، ایسی ناانصافی کی توقع کی جاسکتی ہے؟ کیا وہ رحیم و کریم خالق یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ اس کی مخلوق دوسروں کے دروازوں پر ٹھوکریں کھاتی پھرے؟ یہ تو صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) بے انصاف ہو اور اسے اپنی مخلوق کی پرواہ نہ ہو، یا وہ اپنی مخلوق کی حاجت روائی پر قادر نہ ہو۔ یا پھر کچھ ہستیاں اتنی زور آور اور زبردست ہوں، کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے اختیارات ان کے سپرد کرنے پر مجبور ہو۔

سبحان اللہ! وہ تو ہر کمزوری سے پاک ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر اور نہایت زبردست ہے۔ کوئی اس کی دسترس سے باہر نہیں اور کوئی بھی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ عدل اس کا

قانون اور رحم و کرم اس کی صفت ہے۔

در اصل یہ انسانی کمزوری ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں سوچتے وقت اپنے ہاں مروجہ خیالات و نظریات کی سطح سے اوپر نہیں اٹھتا، اور اللہ تعالیٰ کو بھی انہیں کمزوریوں کا مرقع بنا دیتا جو وہ اپنے ارد گرد دیکھتا ہے۔ اسی طرح کے خیالات شرک کو جنم دیتے ہیں جو سب سے گھناؤنا جرم ہے۔ جب اللہ کے بارے میں یہ گمان ہو کہ اس کے ہاں بھی سفارش چلتی ہے۔ تو لامحالہ اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ انسان اللہ کے چہیتوں کو تلاش کرے اور ان کو خوش کرنے کے لیے انہیں نذر و نیاز پیش کرے۔ مشرکین مکہ اور دیگر مشرکین کا بھی تو یہی جرم تھا۔ کیا مشرکین کو اس بات کا ادراک نہیں ہوتا کہ شرک سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے؟ جس عمل میں ذرہ برابر بھی شرک کا شائبہ ہو وہ نامقبول ہے

کوئی ایسا کام، کوئی ایسا جذبہ، جس میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے، اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ أَبِي فَضَالَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ، نَادَى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدًا، فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ أَعْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ)) (صحیح مسند احمد: ۱۵۸۳۸)

”حضرت ابی سعید بن فضالہ سے مروی ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اللہ سب لوگوں کو جمع کر لے گا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، جس کسی نے اللہ کے لیے کئے گئے کسی عمل میں کسی دوسرے کو شریک کیا، وہ اس کا اجر اسی غیر اللہ سے طلب کرے (جس کو اس نے اس فعل میں شریک کیا تھا)۔ بے شک اللہ تمام شرکاء سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہے۔“

ذرا تصور کیجئے کہ جس دن ہر شخص بشمول انبیاء و اولیاء کے نفسی نفسی پکار رہا ہوگا، اور جس

دن ہر کسی کو صرف اپنی ہی فکر ہوگی، اور جس دن کسی کو بغیر اجازت لب کشائی کی جرات نہ ہو گی۔ اس دن کون ہے جو کسی کے اعمال کا بدلہ دے سکے؟

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي مُوسَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شُجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ حَبِيَّةً، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً، أَى ذَالِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَاتَلَ لِيَتَكُونَ كَلِمَةً لِلَّهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ))

”حضرت ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری سے مروی ہے، کہ نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بہادری (کی دھاک بٹھانے) کے لیے لڑتا ہے، اور جو (خاندانی) تعصب کے لیے لڑتا ہے، اور جو دکھاوے کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے کونسا اللہ کی راہ میں (شمار) ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا۔ صرف اسی شخص کا جہاد اللہ کی راہ میں شمار ہوگا، جو صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۷۴۵۸۔ صحیح مسلم: ۱۹۰۴)

ایک اور شخص کے سوال کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ أَرَأَيْتَ رَجُلًا عَزَا يَلْتَمِسُ الْأَجْرَ وَالذِّكْرَ، مَا لَهُ؟ قَالَ لَا شَيْءَ لَهُ، فَأَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، لَا شَيْءَ لَهُ۔ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُقْبَلُ مِنَ الْعَبْدِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتِغَى وَجْهَهُ))

”حضرت ابی امامہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ جو شخص اجر اور شہرت کے حصول کے لیے جہاد کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس

کے لیے کچھ نہیں (کوئی اجر نہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا، جو صرف اور صرف اس کی خوشنودی کے لیے نہ کیا گیا ہو۔“ (صحیح: سنن نسائی: ۳۱۴۰)

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کے ہاں صرف وہی عمل مقبول ہے، جو خالصتاً اللہ کے لیے کیا جائے اور جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی دوسرا جذبہ کارفرمانہ ہو۔ اگر کسی فعل میں اللہ کی رضا کے حصول کے ساتھ ساتھ کسی اور کی خوشنودی یا کسی اور جذبے کی تسکین بھی شامل ہو جائے، تو وہ عمل اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔

اس سلسلہ میں وہ حدیث بھی بڑی سبق آموز ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جن تین افراد کو جہنم میں جھونکا جائے گا ان میں سے ایک شہید ہے، دوسرا عالم دین ہے، اور تیسرا سخی ہے۔ یہ تینوں کام اللہ کے ہاں بڑے پسندیدہ اور اعلیٰ مرتبہ کے کام ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰۵)

قرآن و حدیث میں ان کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ ان اعمال کے حامل افراد کو محض اس لیے جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا، کہ یہ اعمال انہوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے نہیں کئے تھے، بلکہ ان میں نام و نمود کا جذبہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

یہاں رک کر ہمیں بھی اپنے اعمال کا اور خصوصاً اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں ہمارے اعمال اکارت تو نہیں جا رہے، یہ نہ ہو کہ اللہ کے ہاں پہنچیں تو پتہ چلے کہ ہمارا دامن تو خالی ہے۔ جو کچھ ہم نے کیا وہ تو محض دکھاوا تھا یا رسم و رواج کی پابندی تھی، اللہ بزرگ و برتر کی خوشنودی کا تو کہیں گزر ہی نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں ہمیں ہمیشہ اپنی نیت اور جذبات کو ٹٹولتے رہنا چاہیے اور ساتھ ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہماری نیتوں کو خالص کر دے۔ اس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا اور دلوں کے بارے میں تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس طرف چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۵۴)

نبی ﷺ خود بھی ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”اے اللہ مجھے اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔“ (صحیح: سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۲۔ جامع ترمذی: ۲۲۷۷)

ریاء اور مخفی شرک

درج بالا احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ شرک صرف یہی نہیں ہے کہ اس کائنات یا دنیا کے انتظام و انصرام میں اللہ کے ساتھ کچھ دوسری ہستیوں کو شریک سمجھا جائے یا اللہ کے سوا کچھ دوسری ہستیوں کو ان صفات سے متصف مانا جائے جو صرف اللہ کے لیے مخصوص ہیں، بلکہ انسان کے وہ اعمال جو دکھاوے کے لیے کئے جائیں یا جن میں اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کوئی اور غرض بھی شامل ہو، شرک ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ))

”حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا۔ اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا، اس نے شرک کیا۔“ (حسن: مسند احمد: ۱۷۱۳۰)

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے شرکِ خفی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ، فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ، فَقُلْنَا، بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: الشِّرْكَ الْخَفِيُّ، أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّي، فَيَزِيدُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ))

”حضرت ابی سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا ہم پر گزر ہوا اور ہم مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس فتنہ سے آگاہ نہ کروں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح الدجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ ہم نے عرض کیا، کیوں نہیں یا رسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: وہ شرکِ خفی ہے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو، اور وہ اس لیے اپنی نماز لمبی کر لے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔“

(حسن: سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۴)

دجال کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ہر نبی نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا اور اس سے پناہ مانگی ہے۔ نبی ﷺ نے خود بھی اس سے پناہ مانگی اور امت کو بھی اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔ ذرا سوچئے کہ جس فتنہ کو آپ ﷺ نے فتنہ دجال سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہو اس کی سنگینی کا کیا عالم ہوگا۔ نبی ﷺ نے شرکِ خفی کو امت کے لیے سب سے بڑا خطرہ اس لیے قرار دیا کہ یہ مخفی ہے اور بسا اوقات اس کا شکار محسوس بھی نہیں کرتا کہ وہ گھائل ہو چکا ہے۔ کوئی بھی شخص باسانی اس کا شکار ہو سکتا ہے، اس سے بچنے کے لیے بہت ہی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اس لیے جب بھی کوئی نیک عمل کریں تو اپنے احساسات و جذبات کا ضرور جائزہ لیں کہ اس کام کا محرک اللہ کی رضا کے علاوہ یا اس کے ساتھ کوئی دوسرا جذبہ تو نہیں، اگر صرف اللہ کی رضا مقصود ہو تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے اخلاص نیت کی توفیق بخشی اور اگر اللہ کی رضا کے سوا کچھ دوسرے محرکات بھی ہیں تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگئے۔ یہ یاد رکھئے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آپ کے اعمال کا اجر نہیں دے سکتا، یہ تصور کیجئے کہ آپ میدانِ محشر میں ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم نے میرے لیے تو کچھ کیا ہی نہیں، اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ یہ بات پلو سے باندھ لیجئے، کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

شرکِ خفی یا ریاکاری کا شکار عموماً نیک لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ریاکاری کے لیے نیک عمل کا ہونا ضروری ہے، عمل کیا جائے گا، تب ہی نظر آئے گا۔ چوری وہیں ہوتی ہے، جہاں مال

ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں اس فعل کی سنگینی کو واضح کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ اس کی تباہ کاریوں سے بچ سکیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ
مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ﴾ (البقرة: ۲۶۴)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر ضائع نہ کرو، اس شخص کی طرح جو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی آخرت پر۔“

اس آیت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی مالی امداد کرنے کے بعد اس پر احسان جتا کر اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو آپ کا صدقہ ضائع ہو گیا۔ اس صدقے کا اللہ کے ہاں کوئی اجر نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرنا، اللہ اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ واقعی صحیح ہے۔ انسان آج جو کچھ بھی کر رہا ہے، کل قیامت کے دن اس کا پورا پورا بدلہ اسے دیا جائے گا، اور یہ بدلہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی اسے دیں گے۔ اگر انسان کا اس بات پر کامل ایمان ہو، تو دکھاوے اور ریاکاری کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے، خصوصاً جبکہ انسان کو یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ کی خوشنودی کے سوا کسی دوسرے جذبے سے کیا گیا عمل اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوگا، اور کل قیامت کے دن ایسا عمل نہ صرف بے ثمر رہے گا، بلکہ الثابعت وبال بھی ہوگا۔ بھلا کون ایسا احمق ہوگا، جو مال خرچ کر کے اپنے لیے مصیبت مول لے۔ جس شخص کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہو، وہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ البتہ جس شخص کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہ ہو، وہ ضرور یہ چاہے گا کہ اس کے خرچ کئے ہوئے مال کا صلہ اسے دنیا ہی میں مل جائے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم تعریف ہی ہو جائے۔

ریاء کاری کی مذمت کرتے ہوئے سورہ الماعون میں فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۗ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۗ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ﴾ (الماعون: ۴-۶)

”پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں۔“

وویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، اور ویل کے معنی تباہی اور بربادی بھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا، کہ جو لوگ اپنی نمازوں میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، قیامت کے دن تباہی اور بربادی ان کا مقدر ہوگی اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

ریاء کاری کی سزا

ریاء کاری کی تباہ کاری کو سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کی اس حدیث پر غور کیجئے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعِ مِائَةِ مَرَّةٍ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَنْ يَدْخُلُهَا؟ قَالَ الْقَرَاءُونَ لُمَاءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ))

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب الحزن سے اللہ کی پناہ مانگو! صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! جب الحزن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اس میں کون لوگ داخل ہونگے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ایسے قرآن حضرات جو اپنے اعمال میں ریا کاری کرتے ہیں۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۲۳۸۳-سنن ابن

ماجہ: ۲۵۶-عمار بن سیف ضعیف اور ابو معاذ مجہول ہے۔)

اس حدیث سے ریا کاری کے گھناؤنے پن کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی برا ٹھکانا ہو سکتا ہے جس سے خود جہنم بھی دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہو؟ ہر صاحب

شعور انسان کو اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا بھی کرنے چاہی کہ وہ ہمیں ریاء کاری سے محفوظ رکھے۔ لیکن توحید کی مکمل سمجھ اور اس پر کامل یقین کے بغیر یہ ممکن نہیں۔

خواہشات کی بے قید غلامی شرک ہے

نظریات کی وضاحت عموماً اضداد سے بہتر طور پر ہوتی ہے۔ توحید کو مکمل طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے شرک کو سمجھنا اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ شرک کی ایک قسم خواہشات کی غلامی بھی ہے جو آج کے دور میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے۔ مسلم ممالک اور مسلم معاشرے پوری طرح اس کی لپیٹ میں ہیں۔ ہر شخص خواہشات کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ حدود و قیود، جائز و ناجائز، حلال و حرام کی کسی کو پرواہ ہی نہیں۔ مادہ پرستی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ خدا پرستی کی کوئی قدر ہی نہیں۔ یہ نتیجہ ہے خواہشات کی بے قید غلامی کا۔ اسی بات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ الجاثیہ میں یوں فرمایا:

﴿ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَٓهُ هَوٰٓهُ وَاَضَلَّهٗ اللّٰهُ عَلٰٓى عِلْمِهٖ وَاَخْتَمَ عَلٰٓى سَمْعِهٖ وَاَقْلَمَ عَلٰٓى بَصَرِهٖ غِشُوٰٓةً ۗ فَاَنْ يَّهْدِيَهٗ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۳ ﴾ (الجاثیة: ۲۳)

”پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا، جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا۔ اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟“

بلا حیل و حجت اطاعت صرف اللہ ہی کی جائز ہے۔ انسان جب بغیر سوچے سمجھے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو گویا اس نے اپنی خواہشات کو خدا کا درجہ دے دیا۔ اور جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے تو پھر اس کا علم بھی اسے گمراہی سے نہیں بچا سکتا۔ اس کا دل حق بات کو قبول کرنے اور اس کے کان حق بات کو سننے سے گریز کرتے

ہیں، اس کی آنکھیں صرف وہی مناظر دیکھنا پسند کرتی ہیں جو اس کے نفس اور شیطان نے اس کے لیے خوشنما بنا دئے ہیں۔ ایسی حالت میں اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ اب اللہ ہی ہے جو اس کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لیے یہ آیت بڑی ہی سبق آموز ہے۔

انداد کا شرک

شرک کی ایک اور قسم انداد کا شرک ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی کو اللہ کا ہمسر ٹھہرانا۔ یہ بھی بہت ہی خطرناک قسم کا شرک ہے۔ یہ خطرناک اس لیے ہے کہ یہ بہت ہی مخفی ہے اور اس میں ملوث ہونے والے کو اکثر اس بات کا ادراک ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس میں ملوث ہو چکا ہے۔ توحید پر ایمان کی پختگی اور تکمیل کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: انداد کا شرک سیاہ چٹان پر تیرہ و تار یک رات میں چھوٹی چیونٹی سے بھی زیادہ مخفی شے ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے: ”خدا کی قسم، اور اے شخص تیری زندگی اور میری زندگی کی قسم۔“ یا یہ کہے: ”کتیا نہ ہوتی تو کل رات ہمارے گھر میں چور گھس آتے۔“ یا یہ کہے: ”گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آ جاتے۔“ یا کسی کا اپنے ساتھی سے کہنا: ”جو اللہ چاہے اور جو تم چاہو“ اور یوں کہنا: ”اگر اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا۔“ یہ سب اللہ کے ساتھ شرک ہے۔“

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ انداد کے شرک سے بچنے کے لیے انسان کو کس قدر محتاط اور زود جس ہونے کی ضرورت ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت بھی انسان کو شرک کے گڑھے میں دھکیل سکتی ہے۔ بسا اوقات انسان بلا سوچے سمجھے اس طرح کے جملے بول جاتا ہے اور اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ ان کے اثرات اس کے لیے کتنے بھیانک ہو سکتے ہیں۔ توحید کے بارے میں اسلام کتنا حساس ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ملاحظہ کیجئے درج ذیل حدیث:

((إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُ، قَالَ لَجَعَلْتَنِي لِلَّهِ نِدًّا))

”ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ”جو اللہ چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے مجھے اللہ کا ہمسر بنا دیا۔“

(صحیح: مسند احمد: ۷: ۳۲۳)

بظاہر یہ ایک بے ضرر سا جملہ ہے، لیکن نبی ﷺ نے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس شخص کو ٹوک دیا تا کہ کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ نبی ﷺ بھی اقتدار میں شریک ہیں اور وضاحت فرمادی کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ ہی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

اسی بات کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی شخص کو کوئی نفع پہنچانے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں تو ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی اگر اس نفع کو اس سے روکنا چاہیں تو نہیں روک سکتے۔ اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کا فیصلہ فرمادیں تو ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی اسے اس نقصان سے نہیں بچا سکتے۔

اس بات کی وضاحت سورہ فاطر اور سورہ الاحزاب کی درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے۔

﴿مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۗ وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۲﴾ (فاطر: ۲)

”اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں۔ وہ زبردست اور حکیم ہے۔“

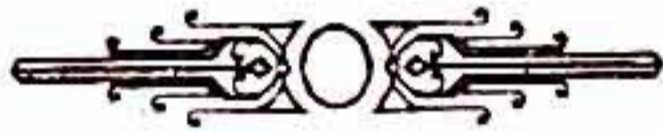
﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنْ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۱۷﴾

(الاحزاب: ۱۷)

”ان سے کہو، کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہو اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟ اور کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟ اللہ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی و مددگار نہیں پاسکتے۔“

ان آیات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ اس کی مشیت کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ ایک مومن کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس کی زندگی کو بنانے یا بگاڑنے کی ذرا سی بھی صلاحیت رکھتی ہو، اگر اس کا یقین اس بات پر پختہ ہوگا تو وہ اللہ کے سوا نہ تو کسی سے ڈرے گا نہ کسی کے سامنے جھکے گا۔

توحید کا یہی تصور اور اس پر پختہ ایمان تھا جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے دلوں سے ماسوا اللہ کے ہر قسم کا خوف نکال دیا تھا اور انہوں نے ایمان و یقین اور کردار کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بھی اپنی ذات پر ایسا بھروسہ اور یقین عطا فرمائے جو سوائے اس کی ذات کے ہر کسی سے بے نیاز کر دے، آمین



رسالت

رسول کے معنی ہیں۔ قاصد، پیغام بر، نمائندہ اور رسالت کے معنی ہیں۔ پیغام بری، نمائندگی۔ رسول، اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے پیغام بر اور اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے جو لوگوں کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغامات و ہدایات پہنچانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے پر مامور ہوتا ہے۔ رسول اپنی طرف سے یا اپنی مرضی سے لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا، بلکہ وہ اللہ کی مرضی سے اللہ کی ہدایت کے مطابق اللہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جیسا کہ سورہ النجم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۗ﴾ (النجم: ۳-۴)

”وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، بلکہ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف کی گئی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازمی ہے

چونکہ نبی یا رسول، اللہ کی طرف سے اس کا مقرر کردہ نمائندہ ہے اس لیے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں، نبی اور رسول کی اطاعت لازمی ہے۔ جیسا کہ سورہ النساء میں فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ﴾ (النساء: ۶۴)

”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا سوائے اس غرض کے کہ اللہ کے اذن سے اس

کی اطاعت کی جائے۔“

ظاہر ہے کہ اگر نمائندے کی بات ہی نہ مانی جائے تو وہ نمائندگی کس بات کی کرے گا۔ اس لیے نبی و رسول کی بات ماننا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ ں ہیں۔ رسول کوئی عام قسم کا نمائندہ نہیں کہ جس کو نہ ماننے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ اس کی بات نہ ماننا اس

ہدایت کا انکار ہے جس کا اہتمام اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لیے کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

رسول ﷺ کی اطاعت فی الواقع اللہ ہی کی اطاعت ہے جیسا کہ سورہ نسا میں فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۗ وَ مَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ

حَفِظْنَا ۗ﴾ (النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی، اور جس

نے منہ موڑا (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) ہم نے تمہیں ان لوگوں پر نگہبان بنا کر

تو نہیں بھیجا۔“

رسول کی ذمہ داری تو حق بات لوگوں تک پہنچا دینا ہے، اس حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا

لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے۔ جو رسول کی اطاعت نہیں کرے گا وہ اللہ کی رہنمائی اور ہدایت

سے محروم رہے گا اور اس کا وبال اس کے اپنے سر ہوگا۔ کامیابی کا انحصار سراسر رسول کی

اطاعت پر ہے۔ جیسا کہ سورہ الاحزاب میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۗ﴾ (الاحزاب: ۷۱)

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس نے بڑی کامیابی حاصل

کی۔“

یہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں بڑی کامیابی کا ذکر کیا گیا

ہے اس سے مراد آخرت کی کامیابی ہے۔ دنیا کی کامیابیاں آخرت کے مقابلے میں بہت ہی

حقیر ہیں جیسا کہ سورہ النسا میں فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۗ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۗ﴾ (النساء: ۷۷)

”(اے نبی ﷺ ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے

اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرے۔“



اور سورہ توبہ میں فرمایا:

﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝﴾ (التوبة: ۳۸)

”معلوم ہونا چاہیے کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔“

دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس کی کامیابیاں اور ناکامیاں بھی عارضی ہیں۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ابدی ہے اور اس کی کامیابی یا ناکامی بھی ابدی۔ عقلمند تو وہی ہے جو ابدی کو عارضی پر ترجیح دے۔ آخرت کی کامیابی کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ضروری ہے جو رسول ﷺ سے محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل ہے

اسی بات کو سورہ الاحزاب میں یوں فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۝﴾ (الاحزاب: ۶)

”بلاشبہ نبی ﷺ تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔“ اور اسی بات کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا:

((عَنْ أَنَسٍ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ

أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص

اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (نبی ﷺ) اسے اس کے

باپ، اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

(صحیح بخاری: ۱۵- صحیح مسلم: ۴۴)

مسلم کی ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

((لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))

”بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (نبی ﷺ) اسے اس

کے اہل و عیال اور مال و دولت سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

(صحیح مسلم: ۴۴-۶۹)

کنز العمال میں مسند احمد، بخاری اور ابو یعلیٰ کے حوالہ سے یہ الفاظ آئے ہیں:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ النَّاسِ مِنْ وَالِدِيهِ وَوَالِدِيهِ))

”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں بشمول اس کے باپ اور بیٹے کے۔“

(صحیح بخاری: ۱۴- مسند احمد: ۱۸۹۶۱- مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۳۰۴۹- کنز العمال: ۱۳۸۶)

اور کنز الاعمال میں عبد اللہ بن ہشام کے حوالہ سے یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ))

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (نبی

صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (کنز العمال: ۹۲)

قرآن مجید کی اس آیت اور ان احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مومن کے لیے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہستی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہونی چاہیے۔ ورنہ اس کا ایمان ہی مشکوک ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا اظہار ان کی اطاعت ہی سے ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران کی ان آیات پر غور کیجئے:

﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ۝ ﴾ (آل عمران: ۳۱-۳۲)

”اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے

درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت قبول کرو، پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔“

اطاعت کے بغیر اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا دعویٰ باطل ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ سے محبت کا اظہار رسول ﷺ کی اطاعت سے ہوتا ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بدلے میں اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ ضمناً اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ طریقت کے وہ راستے جن میں سنت کا کامل اتباع نہ ہو اللہ تک نہیں پہنچاتے اور جو لوگ سنت کے کامل اتباع کے بغیر اللہ کی محبت اور خدا رسیدگی کے دعوے کرتے ہیں وہ اپنے دعوؤں میں سچے نہیں ہیں۔

رسول کی اطاعت اختیاری نہیں ہے کہ دل چاہے تو مان لو ورنہ رد کر دو۔ رسول کی کامل اطاعت کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ سورہ النسا کی اس آیت پر غور کیجئے۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ۶۵)

”نہیں، اے محمد ﷺ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔“

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قسم اٹھا کر کہا ہے کہ لوگ جب تک رسول ﷺ کے فیصلوں کو دل سے تسلیم نہ کریں وہ مومن ہی نہیں ہو سکتے۔ گویا رسولوں کی بات کو دل سے تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا ایمان کی علامت ہے اور اس کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ رسولوں کی بات سنی ان سنی کر دیتے ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک گونگے، بہرے اور چوپایوں کی مانند ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورہ الانفال کی یہ آیات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ تَسْبِعُونَ ۗ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَبِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۗ﴾ (الانفال: ۲۰-۲۲)
 ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد سرتابی نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“

انسانی رہنمائی کے دو راستے

انسان کی رہنمائی کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں۔ ایک اندرونی دوسرا بیرونی۔ اندرونی ذریعہ تو انسان کی اپنی عقل و فکر اور اس کا ضمیر ہے جو اکثر اس کے ماحول، حالات، واقعات اور اس کے زمانے کی سوچ سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے حق تک پہنچنے کے لیے یہ ذریعہ انسان کا زیادہ مددگار ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرا اور بیرونی ذریعہ وہ رہنمائی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء و رسل کی وساطت سے مہیا کی ہے۔ یہ رہنمائی ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے۔ لہذا انسان اگر واقعی حق تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس رہنمائی کو تسلیم کرے اور اس پر عمل کرے۔ اس لیے انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔

تمام انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا سچا نمائندہ مان کر ان کی طرف سے پیش کردہ تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ رسالت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ ادارہ ہے۔ اس لیے وہ تمام افراد جن کو مالک کائنات نے اس ادارے کی نمائندگی کے لیے وقتاً فوقتاً منتخب کیا ان سب کو سچا نبی اور رسول ماننا لازم ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی نفی گویا سب کی نفی ہے۔ البتہ ان کی اسناد کی جانچ پڑتال ضرور ہونی چاہیے تاکہ

کوئی جھوٹا دعویٰ اس گروہ میں داخل نہ ہو سکے۔

رسولوں کی تعظیم اور ان کا احترام لازم ہے، اس لیے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے منتخب نمائندے اور انسانیت کے محسن ہیں۔ انسانیت کی بھلائی کے لیے جو کام انہوں نے کیا وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو انسان آج بھی وحشی ہوتا۔ آج جو بھی تہذیب و تمدن نظر آتا ہے وہ انہی سعید روحوں کی بدولت ہے۔ جو جتنا بھی ان کی تعلیمات پر عامل ہے اتنا ہی مہذب اور اچھا انسان شمار ہوتا ہے اور جتنا ان کی تعلیمات سے دور ہے اتنا ہی غیر مہذب اور بُرا انسان ہے۔

الہامی تعلیمات نہ ہوتیں تو انسان آج بھی وحشی ہوتا

ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ بہت سارے لوگ تو کسی الہامی تعلیم کے قائل ہی نہیں لیکن اس کے باوجود بڑے مہذب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الہامی تعلیمات کا بڑا حصہ انسانی افکار و نظریات میں سمویا ہوا ہے اور انکا مستقل حصہ بن چکا ہے اور بڑے بڑے دہرے جو اللہ اور اس کے رسولوں کے وجود کے ہی منکر ہیں ان تعلیمات پر یہ سمجھ کر عمل کر رہے ہیں کہ یہ ان کی اپنی یا انسانی فکر کا نتیجہ ہیں، حالانکہ یہ سراسر ان کی غلط فہمی ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ لوگ مہذب نظر آتے ہیں ہوتے نہیں ہیں۔ محض پینٹ کوٹ پہننا اور ٹائی لگانا اگر تہذیب کی علامت ہے۔ پھر تو مغرب میں رہنے والا ہر شخص مہذب ہے اور یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کوئی مہذب نہیں اور اگر یہی تہذیب ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

کیا یہ تہذیب ہے کہ قاتل کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ تو جتنے مرضی ہے قتل کر لے، تجھے پھانسی نہیں دی جائے گی؟ کیا یہ تہذیب ہے کہ نکاح تو صرف ایک عورت سے جائز ہو لیکن بغیر نکاح کے ازدواجی تعلقات جس سے اور جتنی سے چاہو قائم کر لو؟ کیا یہ تہذیب ہے کہ مرد اور عورت بغیر نکاح کے میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں؟ کیا یہ تہذیب ہے کہ مرد، مرد

سے شادی کرے اور عملِ قومِ لوط کا مرتکب ہو جس پر اس قوم کو تباہ کر دیا گیا تھا؟
اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو صنفی تعلق کو نسلِ انسانی کی بقا کا ذریعہ اور ضامن بنایا تھا لیکن
تہذیب کے یہ رکھوالے اس تعلق کو نسلِ انسانی کی تباہی کے لیے استعمال کرنے پر مصر ہیں۔
ایسے لوگوں کو مہذب سمجھنے والوں کی عقل پر بھی ماتم کرنا چاہیے۔

یہ سارے کام اس انسانی فطرت کے خلاف ہیں جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے
اور انسانی فطرت کو مسخ کرنے والے ہیں۔ جو کام انسانی فطرت کے خلاف اور اسے مسخ
کرنے والے ہوں وہ انسانی تہذیب تو نہیں حیوانی تہذیب کا حصہ ہو سکتے ہیں۔ یہ کہاں کی
تہذیب ہے کہ انبیاء و رسل جیسی مقدس ہستیوں کا مذاق اڑایا جائے، ان کے خاکے بنائے
جائیں، ان کی خیالی تصاویر شائع کی جائیں، ان پر فلمیں بنا کر ان کی تذلیل کی جائے اور
یوں کروڑوں نہیں اربوں انسانوں کے جذبات کو مجروح کیا جائے اور یہ سارا کام انجامے میں
نہیں بلکہ جان بوجھ کر کیا جائے اور بار بار کیا جائے؟

کیا یہ کسی مہذب قوم کا کام ہو سکتا ہے؟ شاید کوئی یہ سوچے کہ یہ کام تو چند افراد کرتے
ہیں، پھر ساری قوم کو کیوں اس میں ملوث کیا جائے؟ یقیناً کرنے والے تو چند افراد ہی ہوتے
ہیں مگر ساری قوم ان کے پیچھے کھڑی ہوتی ہے۔ اسی لیے تو ان ممالک سے ان کے خلاف کبھی
کوئی آواز نہیں اٹھتی اور آزادیِ تحریر و تقریر و آزادیِ صحافت کے نام پر اس جرم کا ارتقاب
بار بار ہوتا ہے۔

چند مسلم ممالک کے بیچارے عوام اگر ان مجرموں کے خلاف آواز اٹھانے کی کوئی
کوشش کرتے بھی ہیں تو ان کی اپنی حکومتیں ہی اس کو دبانے میں لگ جاتی ہیں اور نتیجتاً ان
مجرم افراد یا اقوام تک یہ پیغام پہنچ ہی نہیں پاتا کہ دنیا میں اب بھی کچھ لوگ ہیں جنہیں انبیاء و
رسل کی عزت اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔

یہ کام تو فی الواقع مسلم حکومتوں کے کرنے کا تھا کہ وہ سرکاری سطح پر ان اقوام تک یہ
واضح پیغام بھجواتیں کہ یہ دوا رب عوام کی عزت و ناموس کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ ان مجرموں کو

سزا نہیں دیگے تو نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہونگے۔ مگر مسلم حکمرانوں کو تو اپنے ہی پیدا کردہ مسائل سے فرصت نہیں، ایسا کارِ خیر بھلا وہ کیسے کر سکتے ہیں؟

جو دہشتگردی، امریکہ دہشتگردی کو روکنے کے نام پر کر رہا ہے، کیا اس سے بڑھ کر دہشت گردی بھی کبھی ہو سکتی ہے؟ لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کی بھینٹ چڑھا دینا اور بے گھر کر دینا، نہتے لوگوں پر کارپٹ بمبارنگ کرنا، ملکوں کے ملک تباہ کر دینا صرف یہ کہہ کر کہ ان سے خطرے کی بو آتی ہے۔ کیا یہی تہذیب ہے؟ ایسی تہذیب سے تو انسان غیر مہذب ہی بھلا!

ہر قوم کی طرف نبی بھیجا گیا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع کر دیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ انسان جس کو اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے اور شیطان کے جال میں پھنس کر جہنم کا ایندھن بن جائے۔ چنانچہ اس نے پہلے انسان، حضرت آدم علیہ السلام کو شرفِ نبوت سے سرفراز فرمایا اور نبوت و رسالت کے اس سلسلہ کو محمد ﷺ کی رسالت پر ختم کیا:

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے انبیاء و مرسلین کی تعداد دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا: ایک لاکھ بیس ہزار نبی ہیں اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔“

یہ بات طے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر قوم کی رہنمائی کا انتظام فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں قرآن مجید کی درج ذیل آیات۔ مثلاً:

سورہ یونس میں فرمایا:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (یونس: ۴۷)

”ہر امت کے لیے ایک رسولؐ ہے پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسولؐ آ

جاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔“

سورہ رعد میں فرمایا:

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد: ۷)

”بے شک آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔“

سورہ النحل میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ﴾ (النحل: ۳۶)

”ہم نے ہر امت کی طرف رسول بھیجا کہ لوگو اللہ کی عبادت کرو۔“

اسی بات کو سورہ فاطر میں بھی ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا

نَذِيرٌ﴾ (فاطر: ۲۴)

”ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا بنا

کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔“

ان آیات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہر گروہ، قوم یا امت کے لیے

کوئی نہ کوئی نبی یا رسول مبعوث کیا گیا جس نے اپنے لوگوں کو یہ پیغام پہنچایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبِّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ

مُسْتَقِيمٌ ۝﴾ (آل عمران: ۵۰-۵۱)

”اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی،

لہذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔“

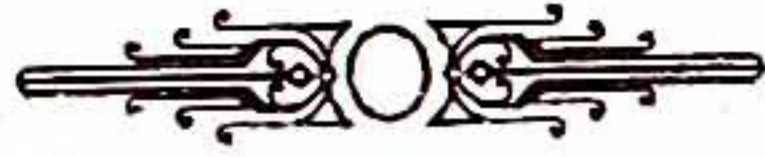
﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ﴾ (آل عمران: ۱۹)

”اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“ صحیح راستہ صرف اللہ کی اطاعت ہی

کا راستہ ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ
الْخَسِرِينَ ﴿٨٥﴾﴾ (آل عمران: ۸۵)

”جو شخص اسلام (اللہ کی اطاعت) کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے
اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد
رہے گا۔“





محمد ﷺ کی رسالت

محمد ﷺ کی رسالت عالمی و ابدی ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے گئے وہ محدود علاقے اور مختصر مدت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی تعلیمات یا تو معدوم ہو چکی ہیں یا جزوی طور پر تحریف شدہ شکل میں موجود ہیں جو کہ انسان کی عملی رہنمائی میں چنداں مفید نہیں۔ ان کی حفاظت کا نہ تو انتظام کیا گیا نہ اس کی ضرورت تھی، اس لیے کہ نبوت کا سلسلہ جاری تھا، جب ایک نبی کی تعلیمات مٹ جاتیں تو دوسرا نبی بھیج دیا جاتا جو ان کی تجدید کر دیتا۔

اس کے برعکس محمد ﷺ کی رسالت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ نہ تو محدود ہے نہ مختصر۔ یہ ساری دنیا کے جن و انس کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ آپ اللہ کے آخری رسول ہیں اور آپ کے آنے کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ الاعراف میں فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۗ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ
الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٨﴾﴾

(الاعراف: ۱۵۸)

”اے نبی ﷺ، کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی ﷺ امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی

اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پا لو گے۔“

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محمد ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اب سورہ الجن کی یہ آیات ملاحظہ کیجئے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن بھی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے، آپ سے قرآن سنا اور اپنی قوم میں توحید کی تبلیغ کی:

﴿قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝
يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۗ وَ لَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ وَ أَنَّهُ تَعَلَّىٰ جَدُّ
رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝﴾ (الجن: ۱-۳)

”اے نبی ﷺ، کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سنا، پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا: ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے، اس نے کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا ہے۔“

محمد ﷺ نہ صرف جن و انس کے لیے رسول ہیں بلکہ تمام جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ الفرقان کی یہ آیت:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُوْنُ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝﴾

(الفرقان: ۱)

”نہایت با برکت ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی کسوٹی) اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ تمام جہانوں کے لیے خبردار کرنے والا ہو۔“

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں، میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے، میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں، میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے، میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۵۲۱۔ جامع ترمذی: ۱۵۵۳)

محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں

درج بالا حدیث میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمی رسول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ عالمی رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے آخری نبی و رسول بھی ہیں، آپ کے بعد کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے قائم ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الاحزاب کی یہ آیت:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۴۰)

”محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس بات کی وضاحت درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنْ مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبْنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وَضَعَتْ هَذِهِ اللَّبْنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبْنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری

اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور اس میں ہر طرح کی زینت پیدا کی لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم کر دیکھتے ہیں اور تعجب میں پڑ جاتے ہیں اور یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“

(صحیح بخاری: ۳۵۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک محل بنایا نہایت عمدہ اور خوبصورت، لوگ اس کے گرد پھرنے لگے اور کہنے لگے: ہم نے اس سے بہتر عمارت نہیں دیکھی مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے اور میں وہی اینٹ ہوں (جس سے قصر نبوت مکمل ہو گیا، اب میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہوگا)۔ (صحیح مسلم: ۲۲۸۶)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اضافہ ہے:

”میں آیا اور پیغمبروں کو ختم کر دیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۲۸۷)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قصر نبوت مکمل ہو چکا ہے۔ اس محل کی آخری اینٹ محمد ﷺ تھے، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لیے باقی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں، میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے، میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں، میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے، میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا

ہے۔“ (صحیح مسلم: ۵۲۱۔ جامع ترمذی: ۱۵۵۳)



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سلسلہ رسالت و نبوت منقطع ہو چکا۔ چنانچہ میرے بعد کوئی رسول ہے نہ نبی۔“

(صحیح: مسند احمد: ۲۲۳۹۵۔ جامع ترمذی: ۲۲۱۹)

ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتا، ایک دوسری حدیث میں یہی بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی فرمائی۔

محمد ﷺ کی تعلیمات محفوظ ہیں

آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ کی تعلیمات بھی قیامت تک باقی رہیں اور ان کی حفاظت کا خصوصی انتظام ہونا چاہئے۔ اسی لیے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ چنانچہ سورہ الحجر میں فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر: ۹)

”ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔“

اور سورہ خم السجدہ میں فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿۱﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

خَلْفِهِ ﴿۲﴾ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۳﴾﴾ (خم السجدہ: ۱-۳)

”حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آ

سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔“

آپ کی تعلیمات کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کرنا ایک طرح سے اس بات کا ثبوت

ہے کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اسی لیے آپ کی طرف بھیجی گئی وحی کی حفاظت کا خصوصی

انتظام کیا گیا ورنہ آپ سے پہلے کسی نبی کی طرف بھیجی گئی وحی کی حفاظت کا کوئی ربانی انتظام

نہیں کیا گیا۔

اسی ربانی حفاظت کا نتیجہ ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج تک قرآن مجید کا ایک شوشہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوا۔ حالانکہ اس اثنا میں اسلام کو مٹانے اور اس کو باطل مذہب ثابت کرنے کی بے شمار کوششیں ہوئیں جو آج بھی جاری ہیں۔ باطل قوتیں قرآن مجید سے خائف ہیں اور ہمیشہ اس کے افکار و نظریات پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ان کا بس چلتا تو قرآن مجید کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتیں یا کم از کم اس میں ایسی تحریف کر دیتیں کہ حق اور باطل کا امتیاز مٹ جاتا اور اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو دوسری الہامی کتابوں کا ہوا ہے۔

لیکن ایسا نہ آج تک ہوا ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ اللہ جو اپنی مخلوق کے لیے ستر ماؤں سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہے کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی مخلوق اندھیروں میں بھٹکتی رہے اور ان کے لیے کوئی ہادی اور کوئی ہدایت نامہ نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید آج تک اسی شکل میں محفوظ ہے جس میں یہ محمد ﷺ پر اتارا گیا تھا۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کا دعویٰ ہے بلکہ اس کا اعتراف اسلام کے مخالفین بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، قرآن کے علاوہ جتنی بھی الہامی کتابیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی تحریف سے محفوظ نہیں ہے، اور یہ بھی نہ صرف مسلمانوں کا کہنا ہے بلکہ دیگر اہل مذاہب خود بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں۔

ہدایت کے لیے صحیح تعلیم اور اس کا عملی نمونہ ہونا ضروری ہے

ہدایت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو تعلیم اور دوسرا اس تعلیم کا عملی نمونہ۔ تعلیم تو قرآن مجید کی صورت میں اور اس کا عملی نمونہ اسوہ رسول ﷺ یا آپ کی سنت کی صورت میں موجود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الاحزاب کی یہ آیت:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۱)

”در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے

ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد

کرے۔“

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ گویا چلتا پھرتا مجسم قرآن تھے۔ (صحیح: مسند احمد: ۲۴۶۰۱)

خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق کی گواہی ان الفاظ میں دی:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۴﴾﴾ (القلم: ۴)

”اور آپ بے شک اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔“

رسول ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی سنت میں آپ کا اسوۂ حسنہ مکمل شکل میں موجود ہے۔ اگر آج بھی کوئی شخص آپ کے اسوۂ حسنہ کو نمونہ بنانا چاہے تو اسے کوئی دقت نہیں ہوگی۔ آپ کی نجی اور معاشرتی زندگی کی اتنی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے کہ آج کے کسی زندہ لیڈر کے بارے میں بھی اس قدر معلومات مہیا نہیں ہو سکتیں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں..... اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت..... جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے، گمراہی سے محفوظ رہو گے۔“ (صحیح: مؤطا امام مالک: ۳۳۳۸)

نجات کے لیے محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل ناگزیر ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو سورہ سبا کی یہ آیت:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾﴾ (سبا: ۲۸)

”اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد کی بعثت کے بعد پچھلی تمام نبوتوں اور رسالتوں کا دور ختم ہوا، گزشتہ انبیاء و رسل کو نبی اور رسول تو تسلیم کیا جائے گا، ان کی عزت و تکریم بھی کی جائے گی،

لیکن عملی رہنمائی صرف اور صرف محمد ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات سے لی جائے گی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ بات کسی تعصب کی بنا پر نہیں کہی جا رہی بلکہ یہ تو ایک منطقی نتیجہ اور عقلی تقاضا ہے کہ جب رسولوں کو بھیجنے والا خود کسی شخص کو پوری دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجنے کا اعلان کر رہا ہو تو پھر کسی دوسرے کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے چند اوراق کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور ان اوراق کی تعلیمات پر عمل کے بارے میں پوچھا تو نبی ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے جلال کی کیفیت میں فرمایا: آج اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری لائی ہوئی شریعت پر عمل کے سوا چارہ نہ تھا۔ (ضعیف: مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۳۲۱۔ مجالد راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: انیس الساری: ۳۰۳۱)

اب تو خیر گزشتہ انبیاء کی تعلیمات اپنی اصلی حالت میں موجود ہی نہیں ہیں تو ان پر عمل کا کیا سوال؟ لیکن اگر وہ اپنی اصل حالت میں بھی موجود ہوتیں تو بھی محمد ﷺ کے اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ اصل مقصود تو نیکی اور اللہ تک رسائی ہے پھر محمد ﷺ پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع کرنا کیوں ضروری ہے وہ اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔

نیکی وہ ہے جس کی سند اللہ اور رسول ﷺ سے ملے

اس سلسلہ میں ایک بات یاد رکھئے کہ نیکی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ صرف وہی نیکی ہو سکتی ہے جس کی سند اللہ سے لی گئی ہو اور جس کو اللہ نے نیکی قرار دیا ہو اور جسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا ہو، ایسے کام کا یقینا اللہ کے ہاں اجر ہے۔

اگر کوئی شخص بظاہر کچھ اچھے کام کرتا ہے، لیکن ان کے پیچھے نہ تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہے اور نہ ہی اسے معلوم ہے کہ یہ کام اللہ کو پسند ہے یا ناپسند، وہ محض اپنی فطرت یا عقل کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے تو اس پر اللہ سے اجر کی توقع کیونکر

رکھی جاسکتی ہے؟

اللہ کے ہاں سے سند یافتہ نیکی تو وہی ہو سکتی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہو یا جسے انہوں نے نیکی قرار دیا ہو۔ چونکہ پچھلی شریعتیں مشکوک اور منسوخ ہو چکی ہیں اس لیے نیکی کا علم حاصل کرنے کے لیے بھی ہمیں شریعتِ محمدی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔ اب جو شخص بھی اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے محمد ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کا اتباع۔

صراطِ مستقیم ایک ہی ہے

یہ بھی بہت بڑا مغالطہ ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے متعدد راستے ہو سکتے ہیں۔ یہ مغالطہ کچھ تو ہندو جوگیوں، بدھ سادھوؤں، عیسائی راہبوں نے پھیلا یا اور کچھ اضافہ اس میں مسلم صوفیاء نے بھی کیا۔ انہوں نے بھی طریقت کے نام پر مختلف سلسلے قائم کئے۔ کوئی قادر یہ کہلایا، کوئی چشتیہ، کوئی نقشبندیہ، کوئی سہروردیہ۔ کوئی وحدت الوجود کا قائل ہوا کوئی وحدت الشہود کا۔ کسی نے کہا کہ اللہ ہر چیز میں موجود ہے اور صوفیاء کا سردار ٹھہرا اور کسی نے کہا، میں اللہ ہوں تو مجذوبین کا سر تاج بنا، کاش ان میں سے کوئی یہ نعرہ بھی لگاتا کہ اللہ ایک ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ بھی ایک ہی ہے جسے اس نے صراطِ مستقیم کا نام دیا ہے اور وہ ہے سلسلہ محمدیہ کا راستہ۔

ایک دفعہ محمد ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ریت پر ایک موٹی، لمبی اور سیدھی لکیر کھینچی اور پھر اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچیں۔ پھر فرمایا کہ یہ لمبی اور سیدھی لکیر تو صراطِ مستقیم ہے جو اللہ اور اس کی جنت تک پہنچاتی ہے اور اس کے دونوں طرف جو لکیریں ہیں وہ ٹیڑھے گمراہی کے راستے ہیں جن میں سے ہر ایک کے سرے پر شیطان بیٹھا ہے، یہ سارے راستے جہنم کی طرف جاتے ہیں۔ (صحیح: مسند احمد: ۴۱۴۲۰۔ متدرک حاکم: ۳۲۴۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیدھا راستہ جو اللہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ ایک ہی ہے، باقی جتنے بھی راستے ہیں وہ کسی نہ کسی گمراہی پر ہی منتج ہوتے ہیں۔

اللہ تک پہنچنے کا بھی ایک ہی مستند راستہ ہے جس کی طرف انبیاء نے رہنمائی کی ہے اور وہ ہے صراطِ مستقیم جس کے لیے ہم ہر نماز میں دعائے مانگتے ہیں:

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝﴾

(الفاتحہ: ۵-۶)

”ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔“

ان انعام یافتہ لوگوں کی تشریح سورہ النسا کی اس آیت میں کی گئی ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۖ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝﴾

(النساء: ۶۹)

”جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔“

یہ بات تو طے ہے کہ سیدھا راستہ ایک ہی ہے جو کہ انبیاء اور صلحا کا راستہ ہے اور اس کی طرف رہنمائی صرف محمد ﷺ کے اتباع ہی سے مل سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص محمد ﷺ کو رسول مان کر آپ ﷺ کی اتباع کرے گا تو اپنا ہی بھلا کرے گا، ورنہ محمد ﷺ کی رسالت میں تو اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لوگ نہ مانیں تب بھی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے، جیسا کہ سورہ النسا کی درج ذیل آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝﴾ (النساء: ۷۹)

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے تم کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ جب خود محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے تو کسی اور گواہی

کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اللہ نہ صرف آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے بلکہ آپ ﷺ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرنے کا اعلان بھی کرتا ہے جو آپ ﷺ سے محبت کی علامت ہے، اس کے ساتھ ہی وہ یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ اللہ کے فرشتے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ لہذا جو لوگ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں انہیں بھی چاہیے کہ آپ ﷺ سے محبت کریں اور آپ ﷺ پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کی دعا کرتے رہیں۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانتے، تو ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے اور آخرت میں تو انہیں نہایت سخت عذاب دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو سورہ الاحزاب کی یہ آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ٥١﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ٥٢﴾ (الاحزاب: ٥١-٥٢)

”اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔“

محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے

اہل کتاب اور دوسرے غیر مسلم جو محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذاہب کی تعلیمات پر عمل کریں تو یہ ان کی نجات کے لیے کافی ہے انہیں اپنی سوچ پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ اگر وہ واقعی اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر محمد ﷺ پر ایمان لانے میں کونسا امر مانع ہے خصوصاً جب کہ یہ بات واضح ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ ﷺ کی رسالت

تمام انسانوں کے لیے قیامِ قیامت تک باقی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ان کے اپنے مذاہب کی تعلیمات مسخ ہو چکی ہیں اور محمد ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات اپنی اصل شکل میں موجود ہیں۔

مسلمانوں میں سے بھی بعض جدید تعلیم یافتہ حضرات جو مغربی سوچ اور مغربی تہذیب سے متاثر اور مرعوب ہیں اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اصل چیز تو اللہ پر ایمان، آخرت کی جو ابد ہی کا احساس اور عمل صالح ہے اس لیے دوسرے اہل مذاہب کے لیے محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری نہیں، اگر وہ اپنے مذاہب پر عمل کر لیں تو ان کے لیے کافی ہے۔ جو لوگ اس طرح کی غلط فہمی کا شکار ہیں انہیں درج ذیل آیات پر غور کرنا چاہیے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾ (البقرہ: ۱۳۷)

”پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پر ہیں اور اگر اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔ لہذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے اور انہی کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ ان کے ہدایت پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ بھی اسی طرح محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت پر ایمان لائیں جس طرح تم لوگ لائے ہو۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ﴾

(ال عمران: ۱۱۰)

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر

ایمان رکھتے ہو۔ اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں اچھا ہوتا۔“
یہاں بھی اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو نبی ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگر اس کے بغیر ان کی نجات ممکن ہوتی تو انہیں نبی ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت پر ایمان لانے کی کبھی دعوت نہ دی جاتی کیونکہ اس صورت میں یہ ایک فضول کام ہوتا اور فضول کام اللہ سے بعید ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤثُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِنَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ نَطِيسَ وُجُوهاً فَتَرُدَّهَا عَلٰى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۗ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٢٥﴾﴾ (النساء: ٢٤)

”اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی، مان لو اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں یا ان کو اسی طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا اور یاد رکھو کہ اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔“

یہاں بھی اہل کتاب کو قرآن پر ایمان و عمل کی دعوت دی گئی ہے اور نہ ماننے کی صورت میں سزا کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ اگر قرآن اور اس کے لانے والے پر ایمان ضروری نہ ہوتا تو نہ ماننے والوں کو سزا کی وعید کیوں سنائی جاتی؟

ان آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی چاہتے ہیں ان کے لیے محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کے اسوہ کا اتباع کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔



اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

چلتا پھرتا قرآن

محمد ﷺ کی ذات گرامی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

اور آپ ﷺ کے اسوہ کی تشریح اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی کہ آپ ﷺ تو چلتا پھرتا قرآن تھے۔ (صحیح: مسند احمد: ۲۴۶۰۱) جسے خود قرآن کے بھیجنے والے نے کہہ دیا ہو کہ تو اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہے اس کی تعریف میں تو یہی کہا جا سکتا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اتنا مکمل اور اتنا مبسوط ہے کہ اس کا احاطہ کسی ایک کتاب میں نہیں کیا جا سکتا اور پھر یہ تو اس کتاب کا موضوع بھی نہیں ہے۔ یہاں صرف چند پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جو عملی رہنمائی کے لیے ناگزیر ہیں۔

اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد ﷺ اول و آخر اللہ کے رسول ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔

آپ کی یہ حیثیت آپ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ دعوت لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ نے اتنی محنت اور جانسوزی کی کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ

أَسْفَاً ۝﴾ (الکہف: ۶)

”اچھا، تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔“

اس آیت سے دعوت کے بارے میں نبی ﷺ کی فکر مندی اور تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے۔ سورہ الشعرا کی اس آیت سے بھی اسی بات کا اظہار ہوتا ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۲۵﴾﴾ (الشعراء: ۳)

”اے نبی ﷺ! شاید تم اس غم میں اپنی جان کھودو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“

آپ ﷺ خود فرماتے ہیں:

”میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب ارد گرد کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کو آگ میں گرنے سے روک رہا ہے لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوششوں کو ناکام بنائے دے رہے ہیں اور آگ میں گرتے جا رہے ہیں۔ (اسی طرح) میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں اور تم لوگ ہو کہ آگ میں گرے جا رہے ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۴۸۳۔ صحیح مسلم: ۲۲۸۵)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو لوگوں کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کتنی فکر تھی۔ اسی بات کو سورہ التوبہ کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾﴾ (التوبة: ۱۲۸)

”دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق و رحیم ہے۔“

لوگوں کی فلاح کا حریص ہونے کے بے شمار واقعات ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

مکہ کا واقعہ ہے، ایک دفعہ آپ ﷺ سارا دن لوگوں کو دعوت دینے میں مصروف رہے۔ جب گھر پہنچے تو سخت تھکاوٹ ہو رہی تھی، جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔ لیکن گھر پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ مکہ میں ایک قافلہ اتر رہا ہے۔ آپ ﷺ فوراً ان سے ملاقات کے لیے نکل پڑے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ابھی تھکے ماندے گھر پہنچے ہیں، آپ ﷺ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، آپ ﷺ اس وقت آرام فرمائیں، کل ان سے مل لیجئے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدیجہ! کیا پتہ وہ قافلہ کل تک ٹھہرتا ہے یا نہیں؟ اور ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔

مشرکین مکہ نے جب مسلمانوں کو ایذا میں دینا شروع کر دیں تو نبی ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ مشرکین کو جب اس کا علم ہوا تو ان کو واپس لانے کے لیے تحائف کے ساتھ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں وفد بھیجا اور مسلمانوں کی واپسی کے لیے کوششیں کیں لیکن ناکامی ہوئی۔ اب انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ یہ دعوت اگر اسی طرح پھیلتی رہی تو وہ دن دور نہیں جب محمد ﷺ اور ان کی دعوت غالب آ جائے گی۔

ترکِ دعوت کے لیے لالچ

چنانچہ انہوں نے لالچ کے ذریعے محمد ﷺ کو رام کرنے کی سکیم بنائی اور اپنے مشہور سردار اور سرمایہ دار عتبہ بن ربیعہ کو نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے نبی ﷺ سے کہا: اے بھتیجے! تم نے جو یہ دھندہ پھیلا رکھا ہے اگر اس کے ذریعے تم مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے اتنا کچھ جمع کر دیں گے کہ تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ اگر تم عزت و وقار چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں عرب کا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں، مگر تم اپنا یہ دھندہ چھوڑ دو۔ آپ نے عتبہ بن ربیعہ کے جواب میں فرمایا: نہ مجھے مال کی ضرورت ہے اور نہ میں عزت چاہتا ہوں، اگر تم میری حقیقت سمجھنا چاہتے ہو تو قرآن کی ان آیات پر غور کرو۔ پھر آپ نے سورہ حم السجدہ کی تلاوت شروع کر دی۔

﴿حَمِّ ۙ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرٰنًا عَرَبِیًّا

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٠﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ فَاعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهَمًّا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٣١﴾
 وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا
 وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّا نَحْنُ الْعَمَلُونَ ﴿١٣٢﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ
 إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَوَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا ۗ وَوَيْلٌ
 لِلْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٣٤﴾ إِنَّ
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿١٣٥﴾ قُلْ أَيُّكُمْ
 لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ إِندَادًا ۗ ذَٰلِكَ رَبُّ
 الْعَالَمِينَ ﴿١٣٦﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا
 أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٣٧﴾ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ
 دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۖ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١٣٨﴾
 فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَاعَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۗ وَزَيْنَا
 السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِصَابِئِحَ ۗ وَحِفْظًا ۗ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٣٩﴾ فَإِنْ
 أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٤٠﴾ ﴿١٣٩﴾

(خم السجده: ۱-۱۳)

”خ-م، یہ خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے، ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، بشارت دینے والا اور ڈرا دینے والا۔ مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں: ”جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے۔ تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کئے جائیں گے۔ اے نبی ﷺ ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا۔ مجھے وحی کے ذریعے

سے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے لہذا تم اسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو۔ تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے مان لیا اور نیک اعمال کئے، ان کے لیے یقیناً ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اے نبی ﷺ ان سے کہو، کیا تم اس خدا سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا؟ وہی تو سارے جہان والوں کا رب ہے۔ اس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اس پر پہاڑ جمادئے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا ”وجود میں آ جاؤ خواہ تم چاہو، یا نہ چاہو،“ دونوں نے کہا، ”ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح۔“

تب اس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دئے، اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا، اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک اسی طرح کے اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔“

جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے تو عتبہ نے بے اختیار آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ خدا کے لیے اپنی قوم پر رحم کرو۔

عتبہ کافر تھا پھر بھی ڈر گیا، ہم مسلمان ہونے کے باوجود بھی نہیں ڈرتے۔ میں نے یہ ساری آیات اور ان کا ترجمہ اسی لیے یہاں دیا ہے کہ شاید ان کو پڑھ کر کوئی ڈر جائے، شاید کسی کے دل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت کا احساس پیدا ہو جائے، شاید کوئی اس کی

عظمت کے سامنے جھک جائے، شاید کوئی اس بنا پر اس سے محبت کرنے لگے کہ اتنا زبردست اور طاقتور ہونے کے باوجود اس نے مجھے کتنی ڈھیل دے رکھی ہے!

ترکِ دعوت کے لیے دھمکی

جب لالچ دینے کی چال ناکام ہوئی تو مشرکین مکہ کے سارے سردار اکٹھے ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا:

”برداشت کی حد ہوگئی، اپنے بھتیجے کو ان حرکتوں سے روک لیں ورنہ ہم اسے ختم

کر دیں گے۔“

قریش کی مخالفت دیکھ کر ابوطالب نے نبی ﷺ کو بلایا اور نہایت پیار و دسوزی سے کہا:

”بھتیجے! مجھ بوڑھے پر ترس کھاؤ اور توحید کی اس دعوت سے باز آ جاؤ، میں

کمزور بوڑھا کب تک تمہاری حمایت کر سکوں گا۔“

اس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر

رکھ دیں تب بھی میں توحید کی دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ یا تو یہ دعوت کامیاب

ہو کر رہے گی یا میری جان اس میں چلی جائے گی۔“

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو اس دعوت کے ساتھ کتنا لگاؤ تھا۔ اور دعوت

حق کے معاملہ میں آپ کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے قائل نہ تھے۔

طائف میں دعوت

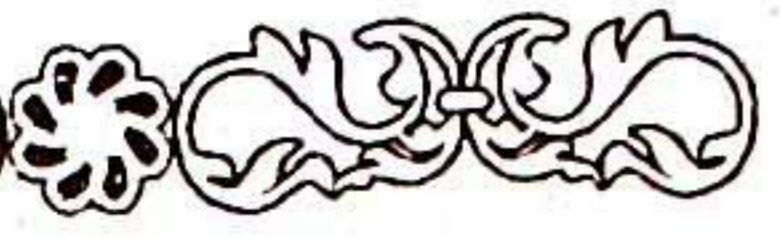
مکہ والوں سے مایوس ہو کر آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں

آپ ﷺ کی دعوت کو پذیرائی ملے۔ آپ ﷺ وہاں کے سرداروں سے ملے اور اپنی

دعوت پیش کی۔ لیکن انہوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا، آپ ﷺ سے بدتمیزی کی اور

آپ ﷺ کے ساتھ نہایت گھٹیا اور برا سلوک کیا اور جب آپ ﷺ وہاں سے نکل رہے

تھے تو غنڈوں اور بد معاشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو کر



آپ ﷺ پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کے آپ لہو لہان ہو گئے اور آپ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔

سراپا دعوت

اس مایوسی کے عالم میں جبریل امین پہاڑوں کے فرشتے کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہاڑوں کے اس فرشتے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ پہاڑوں کے فرشتے نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حکم فرمائیں تو میں ابوقبیس اور جبل احمر کو آپس میں ٹکرا دوں کہ یہ بد بخت ان کے بیچ پس کر اپنے انجام کو پہنچ جائیں۔ اس پر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

”نہیں، نہیں، مجھے اپنی قوم میں پیغام حق پہنچانے کا موقع دو، ہو سکتا ہے اللہ ان کے قلوب ہدایت کے لیے کھول دے۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہدایت قبول کر لیں۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کچھ نادار مجاہدین کو مجھ سے پیچھے رہ جانا گوارا نہ ہوگا، اور میرے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ ان کے لیے سواری وغیرہ کا انتظام کر سکوں، تو میں راہ خدا میں نکلنے والے کسی دستے سے پیچھے نہ رہتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔“ (صحیح بخاری: ۳۶)

ابوعمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں راہ خدا میں کام آ جاؤں، یہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ روئے زمین کے سارے لوگ میرے بن جائیں۔“

ان واقعات اور احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کا دین اور اس کی دعوت

آپ ﷺ کو کتنے عزیز تھے آپ کے اسی شغف اور دلسوزی کا نتیجہ تھا کہ تیس (23) سال کے مختصر عرصہ میں اللہ کا دین پورے عرب میں پھیل گیا، اسلام کا نظام عدل ایک غالب نظام کی حیثیت سے قائم ہو گیا اور نبی ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا اور وہ دن دور نہیں جب زیورات سے لدی ہوئی عورت صنعاء (یمن) سے مکہ تک اکیلی سفر کرے گی اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ یہ پیشین گوئی آپ ﷺ نے مکہ میں اس وقت کی تھی جب مسلمان بہت کمزور تھے اور انہیں جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس قلیل عرصہ میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک ایسی بے مثال جماعت تیار کی جس نے تھوڑی سی مدت میں اسلام کا پیغام پوری دنیا میں پہنچا دیا۔

اللہ کا بندہ

آپ کے اسوۂ حسنہ کا دوسرا پہلو جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق یا احساسِ بندگی۔ آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھا اور یہی آپ کا امتیازی وصف تھا۔ درحقیقت انسان کا خود کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندہ سمجھنا ہی اسے زیب دیتا ہے۔ انسانوں میں درجات کا تفاوت ہو سکتا ہے، جیسا کہ رسولوں کے بارے میں فرمایا:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (البقرہ: ۲۵۳)

”یہ رسول جنہیں ہم نے ایک دوسرے سے بڑھ کر مرتبے عطا کئے، ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دئے۔“ لیکن بندگی سے کوئی نہیں نکل سکتا، اس لیے کہ انسان کو پیدا ہی بندگی کے لیے کیا گیا ہے، جیسا کہ سورہ الذاریات میں فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ

وہ میری بندگی کریں۔“

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اپنی بندگی کے لیے کیا ہے تو انسان کا امتیازی وصف بھی رب کی بندگی ہی ہونا چاہیے۔ مقامِ بندگی انسانیت کی معراج ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

اسی بات کو سورہ النساء میں اس طرح بیان فرمایا گیا:

﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ
وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾

(النساء: ۱۷۲)

”مسیح نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔“

محمد ﷺ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب ترین بندے اور رسول ہیں اس لیے آپ ﷺ کا امتیازی وصف بھی بندگی ہی ہے۔ آئیے ان چند واقعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جن سے آپ کے اس وصف کا اظہار ہوتا ہے۔

بندگی کی مثالیں

ہجرت کا پرخطر سفر طے کر کے جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو تین روز تک قبا میں ٹھیر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتظار فرمایا، ہجرت کرتے وقت آپ ﷺ ان کو مکہ میں لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ قبا اس وقت مدینہ سے باہر ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اس تین روزہ عارضی قیام کے دوران آپ ﷺ نے اللہ کی بندگی کے لیے قبا میں مسجد تعمیر کرائی جس کا ذکر سورہ التوبہ میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۗ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝ ﴾ (التوبة: ۱۰۸)

”جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔“

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آپ کو اپنے گھر کی بجائے اللہ کے گھر کی فکر ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلا کام جو آپ ﷺ نے کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ مدینہ پہنچنے پر جس جگہ آپ ﷺ کی اونٹنی اللہ کے اذن سے بیٹھی تھی وہی جگہ آپ ﷺ نے مسجد کے لیے منتخب کی اور اس کو خرید کر اس پر مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ مسجد کی تعمیر میں آپ ﷺ خود بہ نفس نفیس شریک رہے اور صحابہ کرام کے ساتھ گارہ اور پتھر ڈھوتے رہے۔ جب مسجد مکمل ہو گئی تو اس کے ساتھ ملحقہ جگہ پر آپ ﷺ نے اپنے لیے دو کمرے تعمیر کروائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے مسجد سے لگاؤ ہے، تو گواہ بن جاؤ کہ وہ شخص صاحب

ایمان ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۳۰۹۳۔ سنن دارمی: ۱۲۵۹۔ مسند احمد: ۱۱۶۵۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی سورہ توبہ کی اس آیت میں یہی بات فرمائی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَ آتَى الزَّكَاةَ وَ لَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ ﴾

(التوبة: ۱۸)

”اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، انہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔“

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی سفر سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو پہلے

مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر گھر تشریف لے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۰۸۸۔ صحیح مسلم: ۲۷۶۹)

جب بھی ذرا سی آندھی چلتی تو آپ ﷺ گھبرا جاتے کہ یہ کہیں اللہ کا عذاب ہی نہ ہو۔ گھبرائے ہوئے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے اور گڑ گڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی خصوصی بات بتائیے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”آپ ﷺ کی ہر بات ہی عجیب تھی، کس کس بات کا تذکرہ کروں: ایک مرتبہ آپ ﷺ میرے ہاں آرام فرما رہے تھے، رات کچھ گزر چکی تھی کہ یکا یک آپ ﷺ اٹھے اور باہر نکل گئے۔ میں بھی پیچھے ہوئی۔ آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، کچھ دیر ٹھہر کر میں بھی اندر داخل ہو گئی اور میں نے عجیب و غریب رقت انگیز منظر دیکھا..... آپ ﷺ ایک عاجز بندے کی طرح اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں، ہچکی بندھی ہوئی ہے، آنسو بہہ رہے ہیں، ریش مبارک تر ہے اور سینے تک آنسو بہہ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم..... رکوع..... سجود..... پھر قیام میں بھی برابر روتے رہے۔ کسی طرح آپ کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ ستارے ڈوبنے لگے اور بلال نے آ کر فجر کی اذان دی۔ نماز سے فارغ ہو کر جب آپ ﷺ اندر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں سو جے ہوئے ہیں، پاؤں کے انگوٹھے پھٹ گئے ہیں اور ان سے پانی رس رہا ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ آپ کو سلامت رکھے، آپ ﷺ کیوں اپنے آپ کو ہلکان کر رہے ہیں۔ جب اللہ نے آپ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمادی ہیں تو پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میرے رب نے مجھ پر بے پایاں کرم کیا ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“

(صحیح بخاری: ۲۸۳۶۔ صحیح مسلم: ۲۸۲۰)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ فتح کی ان آیات میں نبی ﷺ کو یہ خوشخبری دی ہے کہ ہم نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمادی ہیں:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيمًا ۝ ﴾ (الفتح: ۱-۳)

”اے نبی، ﷺ ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کر دی، تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت بخشے۔“

نمازوں میں طوالت

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”رسول اللہ ﷺ رات (تہجد) میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کی یہی نماز (تہجد) تھی۔ لیکن اس کے سجدے اتنے لمبے ہوا کرتے کہ تم میں سے کوئی نبی ﷺ کے سر اٹھانے سے قبل پچاس آیتیں پڑھ سکتا تھا۔ (اور طلوع فجر پر) فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت سنت پڑھتے۔ اس کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ آخر موذن آپ کو نماز کے لیے بلانے آتا۔“

(صحیح بخاری: ۱۱۲۳)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی رات کی نماز کتنی لمبی ہوا کرتی تھی۔ (سورہ البقرہ کے پہلے پانچ رکوعوں میں جو کہ ربع پارہ بنتا ہے چھیالیس (۴۶) آیات ہیں۔) اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز تہجد میں آپ ﷺ کا ایک سجدہ بھی ہماری پوری نماز سے بہت لمبا ہوتا تھا۔ جب ایک رکعت کا ایک سجدہ اتنا لمبا ہو تو پھر گیارہ رکعت پڑھنے میں کتنا وقت لگتا ہوگا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ نے بندگی کا کیسا اونچا معیار قائم کیا۔ درج ذیل احادیث ملاحظہ کیجئے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”ایک رات مجھے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ حضور ﷺ نے سورہ البقرہ شروع کی۔ میں نے خیال کیا آپ ﷺ سو آیتوں تک پڑھیں

گے لیکن جب سو آیتیں پڑھ کر آپ ﷺ آگے بڑھے تو میں نے دل میں خیال کیا شاید آپ ﷺ پوری سورت ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا اب آپ ﷺ رکوع کریں گے لیکن آپ ﷺ نے فوراً سورۃ ال عمران شروع کر دی اور وہ بھی ختم ہو گئی تو آپ ﷺ نے سورہ النساء شروع کر دی۔ حضور ﷺ بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے قرأت فرما رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق درمیان میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے رکوع کیا۔ رکوع میں بھی قیام کے برابر توقف فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر دیر فرمائی۔“ (صحیح مسلم: ۷۷۲۔ سنن نسائی: ۱۶۶۴)

حضرت عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ حضور ﷺ نے مسواک کیا، وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ایک رکعت میں پوری سورہ البقرہ پڑھی۔ جہاں رحمت کی آیت آتی، ٹھہر جاتے اور دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے۔ سورہ کے آخر پر رکوع کیا اور اتنی دیر تک رکوع میں رہے جتنی دیر سورہ البقرہ کی قرأت میں لگی تھی اور رکوع میں ((سُبْحَانَ ذُو الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْعَظْمَةِ))... ”پڑھتے تھے رکوع کے بعد اتنا ہی طویل سجدہ کیا۔ دوسری رکعت میں سورۃ ال عمران پڑھی۔ اسی طرح ہر رکعت میں پوری ایک سورت پڑھتے رہے۔“ (صحیح: سنن ابی داؤد: ۸۷۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں:

”رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ اس میں بہت دیر تک سجدہ میں رہے یہاں تک کہ اس طویل سجدہ کی وجہ سے مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، میں دیکھنے کے لیے اٹھی اور

آپ ﷺ کے انگوٹھے کو ہلایا تو اس میں حرکت ہوئی اور میں لیٹ گئی۔ میں نے سنا آپ ﷺ سجدے میں کہہ رہے تھے۔

((اَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَ اَعُوذُ بِكَ مِنْكَ اِلَيْكَ لَا اَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ))

”خدا یا، میں تیری عقوبت سے بچنے کے لیے تیرے عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے غصے سے بچنے کے لیے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے بچنے کے لیے تجھی سے اور تیری ہی جانب پناہ لیتا ہوں۔ مجھ سے تیری حمد و ثناء کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثناء بیان فرمائی ہے۔“

(صحیح مسلم: ۴۸۶۔ سنن ابی داؤد: ۸۷۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر قیام کرتے کہ ہم لوگ سمجھتے کہ آپ ﷺ سجدے میں جانا بھول گئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے غزوہ بدر کی رات میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے ہر شخص سوتا رہا مگر حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے رات بھر نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ آپ ﷺ گڑ گڑا گڑ گڑا کر یہ دعا کرتے رہے: ”پرودگار! میں نے اپنی کل کائنات تیری رضا کے لیے بدر کے میدان میں لا ڈالی ہے۔ پرودگار! اگر یہ چند جانیں ضائع ہو گئیں تو پھر اس زمین پر کبھی تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔“ (صحیح مسلم: ۱۷۰۳ عن ابن عباس)

اللہ کے حضور عاجزی

اللہ کے برگزیدہ رسول اور محبوب بندے ہونے، اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے اس قدر محنت شاقہ کرنے، اس راستے میں بے شمار تکلیفیں اٹھانے اور اتنی زیادہ عبادت کرنے کے باوجود بھی آپ ﷺ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ وفات سے پہلے یہ کلمات کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوبُ اِلَيْكَ))

”اے اللہ تو پاک ہے، اور تیری تعریف کے ساتھ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔“

(صحیح مسلم: ۴۸۴۔ بسند الحق بن راہویہ: ۱۴۴۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتُّوبُوا إِلَى اللَّهِ وَاسْتَغْفِرُوا لَهُ فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))

”اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس سے استغفار کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ اس سے توبہ کرتا ہوں۔“ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲)

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَثِيرًا مَا يَدْعُو يَا

مُقَلِّبِ الْقُلُوبِ ثَبَّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَكْثَرَ مَا

تَدْعُوا بِهَذَا الدُّعَاءِ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنْ قَلْبٍ إِلَّا هُوَ بَيْنَ اصْبَعَيْنِ مِنْ

أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ، إِذَا شَاءَ أَنْ يُقَيِّمَهُ، أَقَامَهُ وَإِنْ شَاءَ أَنْ يُزَيِّغَهُ، أَزَاغَهُ))

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: اللہ کے رسول ﷺ

کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے

دل کو اپنے دین پر قائم رکھ، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

آپ کیوں یہ دعا اس کثرت سے مانگتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی دل

ایسا نہیں جو خدائے رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو، جب وہ اسے سیدھا

رکھنا چاہے سیدھا رکھتا ہے اور جب اسے ٹیڑھا کرنا چاہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔“

(صحیح: مسند احمد: ۲۴۶۰۴۔ سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۔ عن النواص)

یہ ہے وہ اسوہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ہمارے سامنے بطور نمونہ پیش فرمایا ہے۔ یہ

وہ ہستی ہے جو سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت کو سب سے

زیادہ جانتی اور پہچانتی ہے، اسی لیے اللہ کا خوف آپ ﷺ پر ہر وقت طاری رہتا ہے، آپ

راتوں کو طویل وقت اللہ کے سامنے رکوع و سجود اور قیام میں گڑ گڑانے اور رونے میں گزارتے

ہیں۔ دن میں بھی ہر وقت اللہ سے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ نے نہ کبھی اللہ کی نافرمانی کی، نہ کبھی کسی انسان کی دل آزاری کی اور آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے تمغہ حسن کارکردگی اور تمغہ بخشش بھی مل چکا تھا۔ (سورہ القلم، سورہ الفتح)

ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ کیا اس اسوہ حسنہ کا کوئی عکس ہم میں بھی ہے؟ کبھی ہمارے دل میں بھی اللہ کی عظمت کا احساس پیدا ہوا؟ کبھی ہماری بھی کوئی رات یا اس کا کچھ حصہ اللہ کے سامنے گڑ گڑاتے گزرا؟ کیا اللہ کا کلام اور اس کے رسول ﷺ کا اسوہ صرف بیان کرنے اور پڑھنے کے لیے ہیں اور عمل کے لیے ہمارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے؟

تواضع و مروت

سبحان اللہ! اتنا جلیل القدر پیغمبر اور انبیا کا سردار ہونے کے باوجود کس قدر عجز اور تواضع ہے۔ یہ تو اللہ کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ تھا۔ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ بھی ہمیشہ تواضع اور مروت سے پیش آتے تھے اس ضمن میں ملاحظہ ہو آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان۔ وہ فرماتے ہیں:

”میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت میں گزارے، میں نے اس طویل مدت میں نہیں دیکھا کہ:

✽ آپ ﷺ نے مجلس کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کی طرف اپنے پاؤں پھیلائے ہوں۔
✽ کسی نے آپ ﷺ سے مصافحہ کیا ہو اور آپ ﷺ نے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، آپ ﷺ برابر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دئے رہتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا۔

✽ کوئی شخص آپ ﷺ کو ملنے کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو اور آپ ﷺ اس کے پاس سے خود کبھی ہٹ گئے ہوں، آپ برابر کھڑے رہتے جب تک کہ وہ شخص خود ہی نہ ہٹ جاتا۔ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۳۷۱۶۔ زید العمی ضعیف راوی ہے، البتہ مصافحہ والا جملہ صحیح اور ثابت ہے۔)

* میں نے جو کام بھی کیا، ٹھیک ہو گیا ہو یا خراب، کبھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا اور ایسا کیوں کیا، نہ کبھی یہ فرمایا کہ ایسا اور ایسا کیوں نہیں کیا۔ (صحیح مسلم: ۲۳۰۹)

* کسی نے سرگوشی کے لیے آپ ﷺ کی طرف سر جھکایا ہو اور اس شخص کے سر ہٹانے سے پہلے آپ ﷺ نے کبھی اپنا سر ہٹایا ہو۔

اس آئینے میں ہمیں بھی اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے اور اس کسوٹی پر اپنے اخلاق و کردار کو پرکھنا چاہیے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ پسندیدہ اور مکمل نمونہ ہے جو بندوں کی رہنمائی کے لیے اس نے پیش فرمایا۔ جو اس معیار سے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اللہ کے قریب اور اس کا مقبول بندہ ہوگا اور جو اس معیار سے جتنا دور ہوگا اتنا ہی وہ اللہ سے دور اور اس کا ناپسندیدہ شخص ہوگا۔ یہاں نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر صرف اس پہلو سے گفتگو کی گئی ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے جو اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے پر مامور تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی اتنی بھرپور اور آپ کی شخصیت اتنی جامع اور دل آویز تھی کہ:

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

زندگی کے ہر پہلو پر خواہ وہ انفرادی پہلو ہو، خانگی پہلو ہو، معاشرتی پہلو ہو، معاشی پہلو ہو، سیاسی پہلو ہو، یا اخلاقی پہلو ہو، ہر شخص کے لیے، ایک عام نادار شخص سے لے کر ایک مطلق العنان بادشاہ تک انسان کی جتنی بھی حیثیتیں ہو سکتی ہیں، سب کے لیے کامل نمونہ ہیں۔ آپ کسی بھی حیثیت سے دیکھ لیں کہیں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو رحمتِ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، جیسا کہ سورہ الانبیا میں فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

”اے نبی، ﷺ ہم نے تم کو تمام جہانوں (تمام مخلوقات) کے لیے رحمت بنا

کر بھیجا ہے۔“

اسی رحمت کا نمونہ دیکھنے درج ذیل حدیث میں:

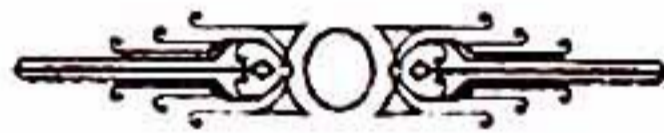
حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ایک رات میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں، عاجز بندے کی طرح ہاتھ باندھے اللہ کے حضور کھڑے ہیں، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور آپ ﷺ یہ آیت بڑی رقت سے پڑھ رہے ہیں:

﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبْدُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾^(۱۱۸)
(المائدہ: ۱۱۸)

”اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا ہیں۔“

یہی آیت پڑھتے پڑھتے آپ ﷺ نے ساری رات گزار دی، یہاں تک کہ صبح کے مؤذن نے صبح ہونے کا اعلان کیا۔ (مسند احمد: ۲۱۳۲۸۔ حسن۔ تنبیہ: اس میں صرف صبح کا ذکر ہے، مؤذن کی بات مذکور نہیں ہے۔)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ امت کے لیے کتنے مضطرب رہتے تھے اور یہ آپ کی رحمت ہی کا تقاضا تھا۔



آخرت

اسلامی اخلاقیات کا اہم ستون

توحید کی طرح آخرت پر ایمان بھی اسلامی عقائد میں نہایت اہم عقیدہ ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی ساری عمارت ہی توحید اور آخرت کے عقیدہ پر قائم ہے۔ صرف یہی احساس ہی انسان کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے سامنے جو ابدہ ہے جو ہر وقت اس کی نگرانی کر رہی ہے اور انسان کا کوئی فعل اس سے مخفی نہیں، نہ صرف اس کے اعمال بلکہ خیالات بھی پوری طرح اس پر عیاں ہیں۔ نیز ایک دن ایسا آنے والا ہے جب موت کے بعد اسے دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور اس سے اس کی پوری زندگی کا حساب لیا جائے گا اور اس کے عقائد اور اعمال کے مطابق اسے جزا یا سزا ملے گی۔

یہ عقیدہ جتنا پختہ اور اس پر ایمان جتنا قوی ہوگا، اتنا ہی انسان گمراہیوں سے بچنے اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی قوت اپنے اندر پائے گا۔ جس قدر یہ عقیدہ کمزور ہوگا، اسی قدر وہ گمراہیوں کا شکار اور صراطِ مستقیم سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ اسی لیے اسلام نے توحید کے بعد آخرت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

عقیدہ آخرت سے مراد یہ ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب کائنات کا موجودہ نظام لپیٹ دیا جائے گا۔ ہر چیز فنا کر دی جائے گی۔ دنیاوی زندگی اور دنیا کے اندر موجود ہر شے کا خاتمہ ہو جائے گا، تمام مخلوقات بشمول فرشتوں کے موت کے گھاٹ اتار دی جائیں گی۔ سوائے اللہ رب العزت کی ذاتِ گرامی کے کچھ باقی نہیں رہے گا، جیسا کہ سورہ رحمان میں فرمایا گیا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿١٦﴾ وَ يَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿١٧﴾﴾

(الرحمن: ۲۶-۲۷)

”ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور باقی رہنے والی صرف تیرے رب کی ذات گرامی ہے۔“

قرآن کے بیان کے مطابق اس دن پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے اور سمندروں کو آگ لگا دی جائے گی۔ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق بھی کائنات اپنے خاتمے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ قیامت یا آخرت کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ چاہیں گے، یہی حالت قائم رہے گی۔ پھر آخرت کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوگا۔ تمام جن و انس کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور انہیں میدان محشر میں جمع کیا جائے گا۔ پھر ان سب کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوگی جہاں ہر شخص سے اسکی دنیوی زندگی کا حساب لیا جائے گا۔ جن لوگوں نے درست عقائد کے ساتھ نیک اعمال کیے ہوں گے، انہیں انعام کے طور پر جنت میں داخل کیا جائے گا، جہاں وہ ایک نہایت شاندار زندگی گزاریں گے۔ جنت میں انہیں ہر قسم کی آسائشیں حاصل ہوں گی، جس چیز کی بھی خواہش کریں گے، انہیں مہیا کر دی جائے گی۔

جن لوگوں نے باطل عقائد کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی ہوں گی، انہیں سزا کے طور پر جہنم میں داخل کیا جائے گا جہاں وہ نہایت ہی بُری اور موت سے بدتر زندگی گزاریں گے۔ وہ موت کی آرزو کریں گے لیکن انہیں موت بھی نہیں آئے گی کہ اس زندگی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ عقیدہ آخرت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جنت اور جہنم کی زندگی کی جو تفصیلات قرآن و حدیث میں پیش کی گئی ہیں انہیں دل سے تسلیم کیا جائے۔

آخرت یا دوسری زندگی کا تصور تو کسی نہ کسی صورت میں ہر مذہب میں موجود ہے، لیکن آخرت میں جو ابدی کا تصور اس انداز میں نہیں پایا جاتا جیسا اسلام میں ہے۔ دوسرے مذاہب میں نجات کے لیے انسان کے اعمال کی وہ اہمیت نہیں جو اسلام میں ہے۔ انفرادی

ذمہ داری اور جوابدہی کا تصور یا تو سرے سے مفقود ہے یا اتنا کمزور کہ کردار سازی میں کسی طرح بھی مدد و معاون نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس اسلام میں اخلاق کی ساری عمارت ہی عقیدہ توحید اور آخرت پر کھڑی کی گئی ہے۔ یہ تصور کہ انسان آخرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے انفرادی طور پر اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے، اور اس کا کوئی عمل، جذبہ اور خیال اللہ سے مخفی نہیں، انسان کو سیدھا رکھنے کے لیے کافی مددگار ہے۔

انسان کی گمراہی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اخروی زندگی کے بارے میں اس کے نظریات صحیح نہیں۔ اکثریت تو اس کے وقوع ہی کی منکر ہے، ان کے نزدیک یہی زندگی حقیقت ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ قرآن ان کے اس باطل عقیدے کو سورہ الجاثیہ میں یوں بیان فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾

(الجاثیہ: ۲۴)

”یہ لوگ کہتے ہیں، کہ زندگی بس یہی ہماری زندگی ہے، یہیں ہمیں مرنا اور جینا ہے، اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔“
وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی صرف ایک ہی دفعہ ملتی ہے۔ اس لیے اس سے جیسے اور جتنا بھی ممکن ہو، لطف اندوز ہوا جائے۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یہ لوگ کسی قسم کی اخلاقی حدود و قیود کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک عیش و عشرت ہی زندگی کا مقصد ہے۔ ان کے خیال میں یہ دنیا ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ ایسے ہی رہے گی۔ یہ عالم ازلی اور ابدی ہے اور اسے کبھی فنا نہیں، حالانکہ عقلی اور نقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ عالم نہ تو ازلی ہے نہ ابدی۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب کچھ نہیں تھا سوائے ذات باری تعالیٰ کے، اور ایک وقت ایسا آئے گا جب کچھ بھی نہیں رہے گا سوائے اس ذات کے جو حئی و قیوم ہے۔

آخرت کا امکان

کائنات کی ہر چیز میں توڑ پھوڑ واقع ہو رہی ہے اور چیزیں فنا کے گھاٹ اتر رہی ہیں۔ وہ وقت یقیناً آ کر رہے گا جب ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ سائنسی تحقیقات بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ عالم رو بہ زوال ہے۔ ہمارا نظام شمسی آہستہ آہستہ فنا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سورج اپنی توانائی بتدریج کھور رہا ہے۔ یہ عمل اتنی آہستگی سے اور ایسے غیر محسوس طریقہ سے ہو رہا ہے کہ اس کے اثرات عام آدمی محسوس نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ اس عمل کی تکمیل میں صدیاں بیت جائیں، مگر یہ بات طے ہے کہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔ سورہ تکویر میں اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

قیامت کا منظر

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْعُشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝﴾
(التکویر: ۱-۶)

”جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی، اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دئے جائیں گے، اور جب سمندر بھڑکا دئے جائیں گے۔“ (دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں نزول قرآن کے وقت عربوں کے نزدیک بہت قیمتی سرمایہ تھیں اور ان کی بہت دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ ہر چیز سے غافل ہو جائیں گے۔)

سورہ الانفطار میں قیامت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝﴾
(الانفطار: ۱-۳)

”جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب سمندر

پھاڑ دئے جائیں گے۔“

قیامت کا منظر پیش کرتے ہوئے سورہ انشقاق میں فرمایا:

﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۙ وَ إِذْ نَتُّ لِرَبِّهَا وَ حُحَّتْ ۙ وَ إِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۙ
وَ أَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ وَ إِذْ نَتُّ لِرَبِّهَا وَ حُحَّتْ ۙ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ
كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا فَمُلِقِيهِ ۙ﴾ (الانشقاق: ۱-۶)

”جب آسمان پھٹ جائے گا، اور اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے)، اور جب زمین پھیلا دی جائے گی، اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اس کی تعمیل کرے)۔ اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، اور اس سے ملنے والا ہے۔“

سورہ مرسلات میں فرمایا:

﴿فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۙ وَ إِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۙ وَ إِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴾
(المرسلات: ۸-۱۰)

”پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے، اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا، اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے۔“

سورہ القارعة میں فرمایا:

﴿الْقَارِعَةُ ۙ مَا الْقَارِعَةُ ۙ وَ مَا أَدْرِيكَ مَا الْقَارِعَةُ ۙ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۙ وَ تَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۙ﴾
(القارعة: ۱-۵)

”عظیم حادثہ! کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہونگے، اور پہاڑ رنگ برنگ کے

دھتکے ہوئے اون کی طرح ہونگے۔“

سورہ الحج میں فرمایا:

﴿يَأْتِيهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝﴾

(الحج: ۱-۲)

”لوگو، اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہونگے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔“

سورہ الزلزال میں فرمایا:

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۖ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۖ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۖ﴾ (الزلزال: ۱-۳)

”جب زمین اپنی پوری شدت سے ہلا ڈالی جائے گی، اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی، اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے۔“

سورہ المزمل میں فرمایا:

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝﴾

(المزمل: ۱۴)

”یہ اس دن ہوگا، جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے، اور پہاڑوں کا حال ایسا ہوگا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔“

قیامت کا منظر بیان کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگ بازاروں میں ہونگے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے۔ پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی۔ بس پھر کیا جنات، کیا انسان، کیا جانور، اور جنگلی جانور، سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ وہ جانور بھی جو انسان سے بھاگتے ہیں انسان کے پاس آ جائیں گے۔ لوگوں کو اس قدر بد حواسی اور گھبراہٹ ہوگی کہ بہتر سے بہتر مال (اونٹنیاں جو بچے جننے والی ہونگی) کی بھی خبر نہ لیں گے۔ جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں کہ کیا ہو رہا ہے، لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندر میں بھی آگ لگ رہی ہے۔ اسی حال میں ایک دم زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگے گا، ساتوں زمینوں اور آسمانوں کا یہی حال ہوگا، ادھر سے ایک تندہوا چلے گی جس سے تمام جاندار مر جائیں گے۔“ (ابن ابی حاتم)

موجودہ دور میں منظر قیامت کو سمجھنا آسان ہے

قیامت کا منظر جو اس حدیث اور مندرجہ بالا قرآنی آیات میں پیش کیا گیا ہے، اس کی حقیقت کو سمجھنا اور اس پر یقین کرنا نزول قرآن کے وقت اتنا آسان نہیں تھا جتنا آج ہے۔ سمندروں کو آگ لگ جانا یا پہاڑوں کا روئی کے گالوں کی طرح اڑنا اس وقت شاید دیوانگی کی باتیں لگتی ہوں۔ لیکن آج ان باتوں کو سمجھنا اور ان پر یقین کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اگر کشتی نقل ختم ہو جائے تو کائنات کی ہر چیز بکھر کر رہ جائے گی اور اڑنا شروع کر دے گی، اور یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ایک حکم ”مُکِّن“ پر موقوف ہے۔

یہ کائنات اور اس کا پورا نظام زبردست قوانین کی بندش میں جکڑا ہوا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے ان قوانین کی بندش کو ختم

کر دیں گے اور یہ سارا نظام جو آج بڑا محکم لگ رہا ہے، بکھر کر رہ جائے گا۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ پانی جن دو گیسوں کا مرکب ہے ان میں سے ایک جلنے والی اور دوسری جلانے والی ہے۔ اگر پانی کو ان دو بنیادی اجزا میں تبدیل کر دیا جائے تو آگ بھڑک اٹھے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جب چاہیں گے سمندروں کو ان کے بنیادی اجزا میں تبدیل کر دیں گے اور سمندر بھڑک اٹھیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں۔ کسی چیز کا بنانا مشکل ہوتا ہے بگاڑنا نہیں۔ جس ہستی نے اتنا محکم اور مکمل نظام تخلیق کیا ہے، کیا اس کے لیے اسے ختم کرنا مشکل ہے؟

آخرت کی زندگی انسانی عقل کا تقاضا ہے

انسانی عقل و فکر نہ صرف اس نظام کے خاتمے کا تقاضا کرتی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ایک ایسے نظام اور ایسی زندگی کا بھی تقاضا کرتی ہے، جس میں انسان کے ساتھ موجودہ زندگی میں کی گئی زیادتیوں کا ازالہ ہو سکے اور اسے اس کی جانفشانیوں کا صلہ مل سکے۔

انسانی فطرت انصاف کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لیے انسان نے موجودہ عدالتی نظام وضع کیا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اس زندگی میں یا تو انصاف ملتا ہی نہیں یا جزوی طور پر ملتا ہے۔ مکمل انصاف ملنا بہت ہی مشکل ہے۔ بسا اوقات جزوی انصاف بھی نہیں ملتا۔

بعض صورتوں میں تو مکمل انصاف انسان کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً، ایک شخص اگر دس آدمیوں کو قتل کرتا ہے، تو اسے صرف ایک ہی باز پھانسی دی جاسکتی ہے جو ایک آدمی کو قتل کرنے کی سزا ہے، باقی نو آدمیوں کو قتل کرنے کی سزا تو اسے نہیں دی جاسکتی اور نو لوگوں کے ساتھ تو انصاف نہ ہوا۔ یا ایک شخص بیسیوں لوگوں کو لوٹتا ہے یا ان کی عزت سے کھیلتا ہے، تو موجودہ نظام کے تحت اسے ایک ہی دفعہ سزا دی جاسکتی ہے۔ جو لوگ لاکھوں انسانوں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں، انہیں بھی صرف ایک ہی دفعہ موت کے عمل سے گزارا جاسکتا ہے، جو نہ تو ان کے جرم کی مناسب سزا ہے اور نہ ان مظلوموں کی داد رسی جو ان کے ظلم کا نشانہ بنے۔

اسلام کا تصورِ آخرت انسانی فطرت کے تقاضوں کی تکمیل ہے
اسلام کا تصورِ آخرت ہی انسانی فطرت کے ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے، جہاں ہر کسی کو
اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ الزلزال میں فرمایا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۗ ﴿٨﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۗ ﴿٩﴾﴾ (الزلزال: ۷-۸)

”جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی
کی ہوگی اسے دیکھ لے گا۔“

دنیا میں انسان کو ایک حد تک عذاب دیا جاسکتا ہے، جب تکلیف حد سے بڑھ جاتی ہے
تو موت واقع ہو جاتی ہے اور انسان تکلیف سے نجات پا جاتا ہے۔ آخرت میں اسے مسلسل
عذاب ہوگا مگر موت نہیں آئے گی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر قادر ہیں جیسا کہ سورہ نسا میں
فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۖ كَلْبًا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ
بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝٥٦﴾
(النساء: ۵۶)

”جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، انہیں بالیقین ہم
آگ میں جھونکیں گے۔ جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ
دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بے شک اللہ بڑی
قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے“

لہذا ایک دوسری زندگی کا ہونا جس میں انسان کو مکمل انصاف مل سکے انسانی فطرت کے
عین مطابق ہے اور اس کا انکار انسانی فطرت سے انحراف ہے۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے
ہیں وہ کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بنیاد پر ایسا نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر ایسا
کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں بے مہار زندگی گزارنا چاہتے ہیں، اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں اور

آخرت کی جوابدہی سے بچنا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا حقیقت ان کی خواہشات میں ڈھل جائے گی؟ کیا آنکھیں بند کرنے سے کبوتر بلی سے بچ سکتا ہے؟ قیامت آتی ہے اور آ کر رہے گی! جو اسے مان کر اس کے لیے تیاری کرے گا، اپنا بھلا کرے گا، اور جو اس سے غافل رہے گا، اپنا نقصان کرے گا۔

روزمرہ کا مشاہدہ دوسری زندگی کی تائید کرتا ہے

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ بھی اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ موت کے بعد انسان کو زندہ کیا جائے گا۔ تخریب کے ساتھ تعمیر کا عمل بھی جاری ہے۔ چیزیں بگڑتی ہیں تو ساتھ ساتھ بنتی بھی ہیں۔ نباتات سوکھ کر چورا ہو جاتی ہیں۔ پھر جب موسم بہار آتا ہے اور بارش برسی ہے، تو اسی زمین میں روئیدگی شروع ہو جاتی ہے اور زمین پھر سے سرسبز ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اسی بات کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ سورہ الحدید میں فرمایا:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهُوَ وَ زِينَةٌ وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَ الْأَوْلَادِ ۚ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ فَتْرَهُ مُمْصَفًا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۚ وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ رِضْوَانٌ ۚ وَ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُونَ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ ۚ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝﴾ (الحديد: ۲۰-۲۱)

”خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی۔ پھر وہ بھس بن

کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔“

سورہ کہف میں دنیا کی زندگی کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتٌ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيۡمًا تَدْرُوۡهُ الرِّيۡحُ ؕ وَا كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْۡءٍ مُّقْتَدِرًاۙ﴾ (الکہف: ۴۵)

”اور اے نبی ﷺ! انہیں حیاتِ دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین کی پود خوب گھنی ہو گئی، اور کل وہی نباتات بھس بن کر رہ گئی جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

آخرت کا انکار دلیل کی بنیاد پر نہیں جو ابد ہی سے بچنے کی خواہش پر ہے کفار ہوں یا مشرکین یا دہریئے، موت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ تو سب کا روز کا مشاہدہ ہے۔ اصل نزاع موت کے بعد کی زندگی کا ہے۔ کیونکہ اس کا اقرار کرنے کے بعد پھر آخرت کی جو ابد ہی کا اقرار بھی کرنا پرتا ہے، اور اسی سے انسان بچنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ آخرت کی زندگی کو ناممکن قرار دیتے ہیں، سورہ نمل میں ان کے انکارِ آخرت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّاٰۤاۡوُنَا اِبۡنَاۡنًا لَمُخۡرَجُوۡنَ ﴿ۙ﴾ لَقَدۡ وُعِدْنَا

هَذَا نَحْنُ وَاَبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هَذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ﴿٢٨﴾

(النمل: ۶۷-۶۸)

”یہ منکرین کہتے ہیں، کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو چکے ہوں گے تو ہمیں واقعی قبروں سے نکالا جائے گا؟ یہ خبریں ہم کو بھی بہت دی گئی ہیں، اور پہلے ہمارے آبا و اجداد کو بھی دی جاتی رہی ہیں، مگر یہ بس افسانے ہی افسانے ہیں، جو اگلے وقتوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔“

سورہ السجدہ میں ان کے انکار کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَقَالُوا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۗ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٠﴾﴾ (السجدہ: ۱۰)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں: جب ہم مٹی میں رل مل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔“

سورہ واقعہ میں ان کے انکار کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَكَاٰنُوْا يٰقُوْلُوْنَ ۗ اِيْذًا مِّمَّنَّا وَاِنَّا لَبَعُوْثُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَوْ اٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَيَجْمَعُوْنَ ۗ اِلٰى مِيْقَاتٍ يَّوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٤٨﴾﴾ (الواقعه: ۴۷-۵۰)

”کہتے تھے: ”کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجرہ جائیں گے۔ تو پھر اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں سے کہو، یقیناً، ایک دن اگلے اور پچھلے سب ضرور جمع کیے جانے والے ہیں، جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔“

منکرینِ آخرت کے اعتراضات کا جواب

دوسری زندگی کے بارے میں کفار و مشرکین کا سب سے بڑا اعتراض یہی رہا ہے کہ جب ہم مر کر گل سڑ جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی خاک ہو جائیں گی تو پھر ہمیں کیسے جلا اٹھایا جائے گا۔ سورہ یس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا اعتراض اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی نقل فرمایا ہے:

﴿قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٨١﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٨٢﴾ ۚ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٣﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ ۚ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٨٥﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٦﴾﴾ (یسین: ۷۸-۸۳)

”کہتا ہے کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا، جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ اس سے کہو، انہیں وہی زندہ کرے گا، جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا، اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی جس نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی، جس سے تم اپنے چولھے روشن کرتے ہو۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جسموں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں، جب کہ وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا، اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے، اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔“

سورہ روم میں ان کے اعتراض کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ﴾ (الروم: ۲۷)

”اور وہی ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی اس کو پیدا کرے گا،



اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔“

سورہ فصلت میں فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ
وَرَبَّتْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾﴾

(فصلت: ۳۹)

”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے، کہ
سُنی پڑی ہوئی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی
ہے اور پھول جاتی ہے۔ یقیناً جو خدا اس مری ہوئی زمین کو جلا اٹھاتا ہے، وہ
مردوں کو بھی زندہ کرے گا۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

سورہ مومن میں منکرینِ آخرت کے اعتراض کا جواب یوں دیا گیا:

﴿لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾﴾ (المؤمن: ۵۷)

”آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسان کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا
کام ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

سورہ النازعات میں فرمایا:

﴿عَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۗ بَنَاهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَكِّهَا فَسَوَّاهَا ﴿۲۸﴾
وَاعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿۲۹﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ﴿۳۰﴾ أَخْرَجَ مِنْهَا
مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَكُمْ ۗ وَإِلَّا نَعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾﴾

(النازعات: ۲۷-۳۳)

”کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس
کی چھت کو اونچا کیا، پھر اس کا توازن قائم کیا، اور اس کی رات کو تاریک کیا اور
دن کو روشن کیا۔ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا اور اس کے اندر سے اس کا پانی اور

اس کا چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دئے۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے سامانِ زیست کے طور پر کیا۔“

ان آیات میں فرمایا گیا ہے: اے انسان! تو جس بات کو ناممکن قرار دے رہا ہے، اس کی مثالیں تو تمہارے روزمرہ کے مشاہدے میں ہیں، تخلیق کا عمل تو ہر آن جاری ہے۔ تمہارے سامنے مردہ زمین جی اٹھتی ہے، ہری بھری گھاس ہر طرف پھیل جاتی ہے، کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں۔ پھر یہی کھیتیاں بھس بن جاتی ہیں۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے زمین پھر سونی ہو جاتی اور کچھ عرصہ یونہی مردہ پڑی رہتی ہے۔ پھر جب موسمِ بہار آتا ہے، بارشیں ہوتی ہیں تو ہر طرف سبزہ نظر آنے لگتا ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ کسی چیز کو دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اور یہ تو عام فہم سی بات ہے کہ کسی بھی کاریگر کے لیے پہلی دفعہ کوئی چیز بنانا مشکل ہو سکتا ہے، مگر اس چیز کو دوبارہ بنانا تو اس کے لیے نہایت آسان ہوتا ہے۔ تو کیا اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہوگا؟ پھر بعث بعد الموت سے انکار کیوں؟

ان آیات میں انسان کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی گئی ہے کہ زمین، آسمان، سورج، چاند، ستاروں اور اس سارے نظامِ فلکی اور کائنات کی تخلیق تو انسان کی تخلیقِ اول یا تخلیقِ ثانی سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ جو خدا یہ ساری کائنات تخلیق کر سکتا ہے اور اسے ایک ایسے محکم نظام کا پابند بنا سکتا ہے، جس سے کوئی چیز سرِ مؤخراف نہیں کر سکتی، کیا وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے اور وہ ایسا ضرور کرے گا تاکہ انسان اپنے اعمال کا بدلہ پاسکے۔ اسی بات کے اظہار کے لیے سورۃ آل عمران میں فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَمَنْ

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ

الْعُرُورِ ﴿۱۸۵﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

”ہر شخص ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔“

سورہ یونس میں فرمایا:

﴿إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (یونس: ۴)

”تم سب نے لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ بے شک پیدائش کی ابتدا وہی کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے، اور جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہوگا، کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔“

سورہ تغابن میں فرمایا:

﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَّنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۗ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (التغابن: ۷)

”جو لوگ کافر ہیں، وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ (ان سے کہو) کیوں نہیں؟ میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے، تمہیں ضرور بتایا جائے گا، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔“

سورہ مومنون میں فرمایا:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنبَا خَلْقِكُمْ عَبَثًا وَأَنْكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۱۵)

”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے، کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے، اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹ کر نہیں آنا ہوگا؟“

اور سورہ قیامتہ میں فرمایا:

﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ ﴾ (القیامتہ: ۳۶)

”کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟“

زندگی آزمائش ہے

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس سے اس کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا، اور اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی؟ اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو یہ یقیناً اس کی غلط فہمی ہے۔ حقیقت تو بالکل اس کے برعکس ہے۔ یہ موت و حیات کا سلسلہ تو قائم ہی اس غرض سے کیا گیا ہے کہ انسان کی آزمائش کی جائے اور دیکھا جائے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے اور کون برے۔ جیسا کہ سورہ الملک میں فرمایا:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۱ بِالَّذِي خَلَقَ

الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عِبَادًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۱۲﴾

(الملک: ۱-۲)

”بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) بادشاہی ہے،

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری

آزمائش کرے کہ کون تم میں سے نیک عمل کرتا ہے۔“

دنیا انسان کے لیے دارالعمل، دارالامتحان اور آزمائش ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات

میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ آل عمران میں فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

وَيَعْلَمُ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۳۱﴾ (آل عمران: ۱۴۲)

”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے، کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے

یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے ہیں اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔“

سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَ زُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ ۗ الْآ إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾ (البقرہ: ۲۱۴)

”پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے۔ حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ) ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔“

سورہ البقرہ ہی میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿وَ لَنْبَلُوَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوعِ وَ نَقْصِ مِنَ الْأَمْوَالِ وَ الْأَنْفُسِ وَ الثَّرَاتِ ۗ وَ بَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۵۶﴾ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۖ وَ أُولَئِكَ هُمُ الْبُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾﴾ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

”اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر ہمیں جانا ہے، انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔“

﴿ أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۚ وَ لَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ لْيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ۝ ﴾

(العنکبوت: ۲-۳)

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔“

سورہ محمد ﷺ میں فرمایا:

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْجٰهِدِينَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِينَ ۚ وَ نَبْلُوَنَّكُمْ
أَخْبَارَكُمْ ۝ ﴾ (محمد: ۳۱)

”ہم ضرور تم کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کی زندگی آزمائش ہے۔ غور کیا جائے تو یہ آزمائش ضروری ہے اس لیے کہ آخرت کی زندگی تو جزایا سزا ہے ان اعمال کی جو انسان اس دنیا میں کرتا ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کا صلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا۔ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی سزا جہنم کی صورت میں دی جائے گی۔

آزمائش عدل کا تقاضا ہے

اگر بغیر آزمائش اور امتحان کے کسی کو جنت اور کسی کو جہنم میں داخل کر دیا جائے تو اہل جہنم یقیناً اعتراض کریں گے کہ ہمیں کس بات کی سزا دی جا رہی ہے اور اہل جنت کو کس بات کا انعام دیا جا رہا ہے؟ نیز نچلے درجے والے جنتی بھی اونچے درجے والے جنتیوں پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ ہمارے درجات میں یہ تفاوت کیوں؟

لہذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ لوگوں کو عمل کی مہلت دی جائے اور یہ اختیار بھی دیا جائے کہ ایمان و کفر اور نیکی اور برائی میں سے جو راستہ چاہیں اپنے لیے منتخب کر سکیں اور انہیں اصلاح احوال کا بھی پورا موقع دیا جائے تاکہ جنت یا جہنم میں سے جو بھی ان کا نصیب ہو ان کے اپنے انتخاب اور عمل کا نتیجہ ہو۔ اسی لیے توبہ کا دروازہ سکراتِ موت کا وقت شروع ہونے سے پہلے تک کھلا رکھا گیا، کہ جب بھی انسان اللہ کی طرف لوٹنا چاہے، لوٹ سके۔

زندگی آزمائش ہے اور دنیا دار العمل۔ عمل کا سلسلہ انسان کی موت تک جاری رہتا ہے لیکن اس کے اعمال کے اثرات اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں، اور ان کا ثواب یا گناہ انسان کے نامہ اعمال میں جمع ہوتا رہتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی اچھے کام کی ابتدا کرتا ہے اسے اس وقت تک اس کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک اس پر عمل ہوتا رہے اور جو شخص کسی برے کام کی ابتداء کرتا ہے اسے اس وقت تک اس کا گناہ ملتا رہتا ہے جب تک اس پر عمل ہوتا رہے۔ (صحیح مسلم: ۱۰۱۷)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں جب بھی کوئی قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی پہنچتا ہے جس نے دنیا میں قتل کی ابتداء کی تھی۔ (صحیح بخاری: ۷۳۲۱۔ صحیح مسلم: ۱۶۷۳)

موجودہ نظام کا ختم ہونا ضروری ہے تاکہ انسانی اعمال کے اثرات کا سلسلہ جو اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے ختم ہو جائے اور اس کی نیکی و بدی اور اس کے اعمال کے نیک و بد اثرات کا پورا پورا حساب کیا جاسکے اور اس کے اعمال کا بھرپور بدلہ دیا جاسکے۔ نیز اس کے لیے ایک دوسری زندگی بھی لازم ہے جو دارالعمل نہیں بلکہ دارالجزا ہو جس میں انسان اپنے اعمال کے انعام سے متمتع ہو سکے یا ان کی سزا بھگت سکے، انسانی عقل بھی اس کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی بذریعہ وحی اس کی نشاندہی کی ہے۔

موت اور اس کے بعد کے مراحل

قیامت کب واقع ہوگی اس کا صحیح علم تو سوائے اللہ کے کسی کے پاس بھی نہیں اور یہ

بات حدیث جبریل سے واضح ہے جس میں جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں ہے، البتہ اس کی کچھ نشانیاں بتا سکتا ہوں اور پھر آپ ﷺ نے قیامت کی کچھ نشانیاں بتائیں۔ مگر ایک فرد کی قیامت تو اسی وقت آ جاتی ہے جب اس کی موت واقع ہوتی ہے۔

موت فنا نہیں عالم برزخ میں منتقلی ہے

درحقیقت انفرادی جزا اور سزا کا سلسلہ تو موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ موت مکمل فنا تو نہیں کہ جس میں انسان کلیتاً مٹ جائے۔ یہ تو روح کی جسم سے علیحدگی ہے، جسم گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے لیکن روح تو زندہ رہتی ہے اور جسموں میں سے بھی جس کے جسم کو اللہ چاہے سلامت رکھے۔ جیسے شہدا کے بارے میں کہا گیا کہ انہیں مردہ نہ سمجھو۔ یہ زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ۚ وَ لَكِنَّ لَّا تَشْعُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵۴)

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔“
اور سورہ آل عمران میں شہداء کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (آل عمران: ۱۶۹)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”موت مومن کا تحفہ ہے۔“ (ضعیف: الزهد والرقائق لابن المبارک: ۵۹۹۔ شعب الایمان:

۹۴۱۸۔ مستدرک حاکم: ۷۹۰۰۔ عبدالرحمن بن زیاد الافریقی ضعیف راوی ہے۔)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے کہ موت مومن کا پھول ہے۔ حبان بن الاسود فرماتے ہیں کہ ”موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔“

اس طرح کی بے شمار مثالیں سامنے آچکی ہیں کہ صدیوں بعد بھی شہداء کے جسم صحیح و سلامت اور تروتازہ پائے گئے اور اگر انہیں کسی وجہ سے زخم لگا تو اس سے خون بہنے لگا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں جن کے جسم اللہ تبارک و تعالیٰ نے محفوظ رکھے ہوں اور انبیاء کے جسم تو مٹی پر حرام کر دئے گئے ہیں۔ ان کی برزخی زندگی تو یقیناً شہدا اور دیگر صلحا سے بہتر اور برتر ہے۔

برزخی زندگی کی نوعیت

موت کے بعد ایک دوسری زندگی کا آغاز ہوتا ہے جسے عالم برزخ یا برزخی زندگی کہتے ہیں۔ اس زندگی کا صحیح علم تو اس زندگی میں داخل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ برزخ کے معنی ہی پردہ، اوٹ، رکاوٹ یا وقفہ ہیں۔ گویا دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان یہ وہ وقفہ ہے جسے اوٹ میں رکھا گیا ہے اور جس کے بارے میں ہم چاہنے کے باوجود بھی زیادہ نہیں جانتے اور نہ ہی جان سکتے ہیں۔

برزخی زندگی نیند سے مشابہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نیند اور موت کو مشابہ قرار دیا ہے۔ موت، روح اور جسم کی علیحدگی کا نام ہے اور نیند میں بھی روح قبض کر لی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ انعام کی یہ آیت:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسْتَقَرٌّ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ٦٠﴾ (الانعام: ٦٠)

”وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو تم کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر

وہ تمہیں بتا دیگا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

اور سورہ الزمر میں فرمایا:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ
الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَمَيَّنٍّ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٢﴾﴾ (الزمر: ٢٢)

”وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روہیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روہیں ایک وقت مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔“

سورہ الانعام اور سورہ الزمر کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو نیند میں روہیں قبض کر لی جاتی ہیں اور جن کی زندگی باقی ہوتی ہے ان کی روہیں لوٹا دی جاتی ہیں۔ موت میں بھی روح قبض کر لی جاتی ہے لیکن لوٹائی نہیں جاتی۔ گویا نیند اور موت میں ایک طرح کی مشابہت ہے۔ نیند کے دوران خواب میں انسان مختلف مناظر دیکھتا ہے، مختلف حالات سے گزرتا ہے، جن سے اسے راحت، تکلیف، خوشی، غم، خوف اور دیگر احساسات بھی ہوتے ہیں ویسے ہی جیسے جاگتے میں ہوتے ہیں، لیکن جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا کہ یہ تو خواب تھا۔ اگر بُرا خواب ہو تو انسان شکر کرتا کہ خواب ہی تھا حقیقت نہیں تھی اور اگر اچھا خواب ہو تو خواہش کرتا ہے کہ کاش یہ حقیقت ہی ہوتی یا کم از کم کچھ دیر اور آنکھ نہ کھلتی۔

قبر کے لیے مرقد کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہی خواب گاہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قبر بھی ایک طرح کی خواب گاہ ہے، اور موت نیند سے مشابہ ایک حالت ہے۔ عالم برزخ (قبر) میں بھی ثواب اور عذاب یا خوشی اور غم کی کچھ ایسی ہی کیفیت ہو سکتی ہے جیسی کہ خواب میں ہوتی ہے۔ قرآن میں نیند کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح نیند ایک عارضی کیفیت ہے اسی طرح اس دوران پیش آنے والی کیفیات بھی عارضی ہیں۔ لیکن موت کی

حالت سے تو انسان دوبارہ پیدا کیے جانے پر ہی نکلے گا۔ اس لیے موت کے بعد انسان پر خوشی اور غم یا ثواب و عذاب کی جو بھی کیفیت طاری ہوگی وہ مستقل ہوگی اور دوبارہ اٹھائے جانے پر ہی انسان اس سے نکل سکے گا۔ البتہ اللہ جس کی کیفیت بدلنا چاہے وہ اس پر قادر ہے۔

موت کے ساتھ انسان کا ذاتی عمل تو منقطع ہو جاتا ہے، مگر اس کے اعمال کے نیک و بد اثرات موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں صدقہ جاریہ کے اچھے اثرات بھی جاری رہتے ہیں۔ لہذا اس بات کا امکان ہے کہ جو لوگ حدِ فاصل (بارڈر لائن) کے قریب ہیں انہیں عالم برزخ میں بھی ایک کیفیت سے نکال کر دوسری کیفیت میں مبتلا کر دیا جائے۔ (واللہ اعلم)

اللہ وقت کو روک دینے پر قادر ہے

عالم برزخ کا قیام انسان کو گھڑی دو گھڑی ہی محسوس ہوگا خواہ وہ صدیوں طویل رہا ہو۔ مرنے کے بعد جب صرف روح باقی رہ جائے گی تو وقت کا احساس اور شعور نہیں رہے گا، موت کے بعد وقت کا احساس نہیں رہے گا، اس کا ثبوت سورہ البقرہ میں دی گئی درج ذیل مثال سے بھی ملتا ہے:

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتُ مِائَةً عَامٍ فَأَنْظِرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحَبًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ (البقرة: ٢٥٩)

”یا پھر مثال کے طور پر اس شخص کو دیکھو جس کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی تھی۔ اس نے کہا: یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے، اس کو اللہ کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا۔ اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور

وہ سو برس تک مردہ پڑا رہا، پھر اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا: بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟ اس نے کہا ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا۔ فرمایا تم پر سو برس اسی حالت میں گزر چکے ہیں۔ اب ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو کہ اس میں ذرا تغیر نہیں آیا۔ دوسری طرف ذرا اپنے گدھے کو بھی دیکھو کہ اس کا پنجر تک بوسیدہ ہو رہا ہے اور یہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست اس پر چڑھاتے ہیں۔ اس طرح جب حقیقت اس کے سامنے نمایاں ہوگئی، تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

اس مثال سے دو باتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرنے کے بعد (عالم برزخ میں) وقت کا احساس نہیں ہوگا، دوسرے یہ کہ اللہ جب چاہے اور جس کے لیے چاہے وقت کو روک دے۔ دیکھئے پانی اور خصوصاً کھانا تو بہت جلدی خراب ہو جاتا ہے اور یہاں کھانا سو سال بعد بھی صحیح و سالم رہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے وقت کو روک دیا گیا۔ لیکن گدھے کے لیے وقت کو عام رفتار سے چلنے دیا گیا، اس لیے اس کا پنجر بھی بوسیدہ ہو گیا۔ شاید معراج کی رات بھی یہی ہوا ہوگا کہ اہل زمین کے لیے وقت کو روک دیا گیا، کہ آپ ﷺ نے مدینہ سے گزرتے ہوئے بیت المقدس میں انبیاء کو اپنی امامت میں نماز پڑھائی، پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کی، برگزیدہ انبیاء سے ملاقاتیں کیں جنت دوزخ کا معائنہ کیا، سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے آگے جہاں تک اللہ نے چاہا گئے۔ مگر جب واپس مکہ تشریف لائے تو ابھی رات ہی تھی۔ گویا یہاں پر وقت وہیں رکا ہوا تھا جہاں آپ ﷺ کے مکہ سے نکلنے وقت تھا۔ کسی پنجابی شاعر نے اس بات کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

کُنڈا ہلداریا، پانڑیں چلداریا، پایا بستر گرم تمام

(جب پیغمبر زمان ﷺ معراج سے واپس تشریف لائے تو دروازے کا کُنڈا ہل رہا تھا، جیسے آپ ﷺ باہر نکلتے ہی واپس آگئے ہوں۔ جس پانی سے آپ ﷺ نے وضو کیا

وہ ابھی تک اسی طرح بہہ رہا تھا جیسے آپ ﷺ نے ابھی وضو فرمایا ہو، اور بستر اسی طرح گرم تھا جیسے آپ ﷺ ابھی اس سے نکلے ہوں۔

عالم برزخ میں وقت کا شعور نہیں ہوگا

سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت سے بھی اسی بات کا اظہار ہو رہا ہے کہ عالم برزخ میں وقت کا احساس نہیں ہوگا

﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهَا وَتَذُنُونَ إِنَّ لَبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا﴾^{٥١}
 ”جس روز وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کے جواب میں نکل آؤ گے اور تمہارا گمان اس وقت یہ ہوگا کہ ہم بس تھوڑی دیر ہی اس حالت میں پڑے رہے ہیں۔“

قیامت کے روز جب انسان کو اٹھایا جائے گا تو اسے برزخی زندگی کا تو غالباً احساس ہی نہیں ہوگا اور دنیاوی زندگی کے متعلق بھی وہ یہی گمان کرے گا کہ چند لمحے ہی کی تھی جیسا کہ ان قرآنی آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ المؤمنون میں فرمایا:

﴿قُلْ كَمْ لَبِئْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ﴾^{١٣٧} ﴿قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلُ الْعَادِيْنَ﴾^{١٣٨}

”پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا: بتاؤ زمین میں تم کتنے سال رہے، وہ کہیں گے: ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہم وہاں ٹھیرے ہیں، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔“

سورہ الروم میں فرمایا:

﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِئْنَا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ﴾^{٥٥}

”اور جب وہ ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھیرے ہیں، اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا

کرتے تھے۔“

سورہ یونس میں فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ
بَيْنَهُمْ﴾

”اور جس دن اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو (دنیا کی زندگی انہیں ایسی محسوس ہوگی)

گو یا یہ محض ایک گھڑی بھر آ پس میں جان پہچان کرنے کو ٹھیرے تھے۔“

یہ زندگی جس کو انسان بڑی طویل سمجھتا ہے اور جس کو بنانے اور سنوارنے کے لیے اللہ اور آخرت

کو بھلا دیتا ہے، قیامت کے دن اسے چند لمحے کی محسوس ہوگی۔ کاش یہ بات اب سمجھ آ جائے!

موت کے وقت فرشتوں کا رویہ

آخرت کا سفر موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، لیکن موت کے بعد پیش آنے

والے مراحل کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس سوائے الہامی معلومات کے کوئی

ذریعہ نہیں۔ ہر مذہب نے اپنے تصورِ آخرت کے مطابق موت کے بعد کے مراحل کی کچھ

تفصیلات مہیا کی ہیں۔ لیکن موت کے بعد کے مراحل کی جو تفصیلات قرآن و حدیث میں دی

گئی ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتیں۔ ایمان و عمل صالح اور کفر و الحاد و بد عملی کے نتائج میں جو فرق

ہے وہ موت کے ساتھ ہی واضح طور پر نظر آنا شروع ہو جاتا ہے، اور یہ فرق موت کے بعد

کے تمام مراحل میں بہت نمایاں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

مومن کی جانکنی

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے، تو

آفتاب جیسے گورے چہروں والے ملائکہ جنتی کفن اور بہشتی خوشبو لے کر آتے ہیں اور حد نظر

کے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے:

اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف چل۔ فوراً جان بہہ کر اس طرح

باہر آ جاتی ہے جیسے مشکیزہ سے پانی کا قطرہ۔ ملک الموت اس کو لے لیتا ہے۔ مگر وہ ملائکہ لمحہ بھر بھی نفس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے اور خود اپنے قبضہ میں لے کر جنتی کفن اور بہشتی خوشبو میں رکھ دیتے ہیں اور اس سے پاکیزہ ترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔

(صحیح: مستدرک حاکم: ۱۰۷)

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نفس کو بدن سے کھینچا جاتا ہے اور کفن و حنوط (ایک خاص خوشبو) میں رکھ کر اوپر چڑھایا جاتا ہے اور نفسِ مومن کے لیے ساتویں آسمان تک سب آسمانوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے: میرے بندے کے اعمال نامے کو علیین میں رکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو، کیونکہ زمین سے ہی میں نے اس کو پیدا کیا، اور اسی کی طرف لوٹاؤں گا، اور اسی سے دوبارہ برآمد کروں گا۔

(صحیح: مسند احمد: ۱۸۵۳۴)

کافر کی جانکئی

اور کافر بندہ جب دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ رُوملائکہ ٹاٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور بقدر حدِ نظر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سر ہانے بیٹھ کر کہتا ہے:

”اے نفسِ خبیث! اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل۔ جانِ جسم کے اندر ڈرتی پھرتی ہے، مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جیسے خادارتار اون سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ آخر اس کو پکڑ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ملائکہ اس کو لمحہ بھر تاخیر کیے بغیر لے لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں، اور اس سے مردار کی بُو کی طرح بد بُو نکلتی ہے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ ملک الموت کافر کی جان کو رگوں سمیت کھینچتا ہے۔

(صحیح: مسند احمد: ۱۸۵۳۴)

امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے، کہ ملک الموت

کافر کی جان ہر بال اور ناخن اور قدموں کے تلووں کے نیچے سے کھینچتا ہے اور جسم کے اندر اس کو لوٹا دیتا ہے، پھر کھینچتا ہے یہاں تک کہ جب وہ نکلنے کے قریب آ جاتی ہے تو پھر بدن کے اندر لوٹا دیتا ہے۔ کافر کی جان کے ساتھ اس کا یہ عمل ہوتا ہے۔ مقاتلؒ نے کہا، ملک الموت اور اس کے مددگار کافر کی جان اس طرح کھینچتے ہیں جیسے بہت زیادہ شاخ دار تار اون میں سے کھینچا جاتا ہے۔ جانکی کفار کے لیے ایک مشکل مرحلہ ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کی سزا شروع ہو جاتی ہے۔ سورہ الانعام کی یہ آیت اسی بات پر دلالت کرتی ہے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوٓا۟ اَيْدِيهِمْ ؕ
اَخْرِجُوٓا۟ اَنْفُسَكُمْ ۗ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلٰى اللّٰهِ
غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ آيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾﴾ (الانعام: ٩٣)

”کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب کہ وہ سکراتِ موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے ہیں، اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ: لاؤ، نکالو اپنی جان، آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمت رکھ کر ناحق بکا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلہ میں سرکشی دکھاتے تھے۔“

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کافر کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، بلکہ اس کی روح کو زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔ اور اس کی چیخیں ہر شے سنتی ہے سوائے انسان کے۔

عَلِيِّينَ وَسَجِّينَ

بعض روایات میں ہے کہ علیین مومنین متقین کی ارواح کی جگہ ہے اور سجین کفار و فجار کی ارواح کا مستقر ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے طبقے میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت آسمان میں اور جہنم زمین میں

ہے۔ (تفسیر القرطبی: سورۃ المطففین) روحوں کے مستقر کی تصدیق قرآن سے بھی ہوتی ہے۔
ملاحظہ ہوں سورۃ المطففین کی یہ آیات:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝ وَيَلُوكُ يَوْمَئِذٍ اللَّيْلُ ۝﴾ (المطففین: ۷-۱۰)

”ہرگز نہیں، یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال قیدخانے کے دفتر (سجین) میں ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ کیا ہے وہ قیدخانے کا دفتر؟ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔
تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔“

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عَلِيَيْنَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عَلِيُونَ ۝ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝﴾ (المطففین: ۱۸-۲۱)

”ہرگز نہیں، بے شک نیک لوگوں کا نامہ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر (علیین) میں ہے اور تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے وہ بلند پایہ لوگوں کا دفتر؟ ایک لکھی ہوئی کتاب، جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں۔“

ان نصوص سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مومن و کافر اور نیک و بد کا فرق روح قبض ہونے کے مرحلہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہر مرحلہ میں یہ فرق نمایاں نظر آتا ہے۔

قبر کا ثواب اور عذاب

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مردہ کو دفن کر کے لوگ واپس چلے جاتے ہیں، تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے قبر میں بٹھا کر تین سوال پوچھتے ہیں، کہ تمہارا دین کیا ہے، تمہارا رب کون ہے اور نبی ﷺ کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ مومن ان سوالات کے صحیح جوابات دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، میرا رب اللہ ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جنہیں ہماری طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ پھر مومن کی قبر حد نظر تک وسیع کر دی جاتی ہے، اور جنت کی طرف ایک

دریچہ وا کر دیا جاتا ہے جہاں سے جنت کی خوشبوئیں اسے آتی رہتی ہیں اور وہ اپنے ابدی ٹھکانے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس کے بعد اسے آرام کی میٹھی نیند سلا دیا جاتا ہے۔

کافران سوالات کا جواب نہیں دے پاتا۔ پھر اس کی قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے اور قبر سے اس قدر پہنچتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں اور جہنم کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے، جہاں سے آگ کی لپٹیں اس تک پہنچتی رہتی ہیں۔ جہنم میں اس کا ٹھکانہ اسے دکھا دیا جاتا ہے اور عذاب کے فرشتے اس پر مسلط کر دئے جاتے ہیں جو اسے مسلسل عذاب دیتے رہتے ہیں۔ (صحیح: سنن ابی داؤد: ۴۷۵۳)

حدیث کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال قبر میں مجسم صورت میں ہمارے سامنے آئیں گے۔ اچھے اعمال ایک خوبصورت شخص کی صورت میں قبر میں ہمارے سامنے آئیں گے، جس کا ساتھ ہمارے لیے خوشگوار ہوگا۔ بُرے اعمال ایک بد صورت اور کریہہ المنظر شخص کی صورت میں ہمارے سامنے آئیں گے جس کا ساتھ ہمارے لیے نہایت ناگوار ہوگا، لیکن اس سے نجات ناممکن ہوگی کیونکہ ہمارے اعمال تو ہماری ذات کا حصہ ہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ (ضعیف: سنن ترمذی: ۲۴۶۰۔ عطیہ عوفی ضعیف مدلس راوی ہے۔)

قرآن مجید میں بھی عذابِ قبر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مثلاً سورہ المؤمن میں فرعون اور اس کے درباری مومن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَوَقَّهٗ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا وَاَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ ۝۱۵۱ النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۙ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۱۵۲﴾ (المؤمن: ۴۵-۴۶)

”آخر کار ان لوگوں نے جو بُری سے بُری چالیں اس مومن کے خلاف چلیں، اللہ نے ان سب سے اسے بچا لیا اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔ دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے وہ صبح و شام پیش کیے

کے ساتھیوں کو قیامت کے آنے سے پہلے تک انہیں یہ عذاب دیا جاتا رہے گا اور اب قبر کے متعلق حدیث میں فرمایا: ہے کہ قبر میں جب کافر سے اس کے ناسے: ہا ہا، مجھے نہیں معلوم، اس پر جھوٹ کہا۔ اس کے لیے آگ کا لیے اور آگ کی طرف اس کے لیے

س عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نام اس کی جگہ اس کے سامنے لائی جگہ اور دوزخی ہے تو دوزخ والوں کی ہے کہ یہ تیری جگہ ہے، یہاں تک کہ نئے گا۔“

صحیح بخاری: ۹۷۱۳ - صحیح مسلم: ۲۸۶۶

کو کہا جائے گا: جہنم میں تو اپنی جگہ دیکھ لے، اس کے بدلے میں اللہ نے تجھے جنت میں جگہ دی ہے۔ وہ دونوں جگہوں کو دیکھے گا۔ مگر منافق یا کافر کو جب کہیں گے کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا۔ جو لوگ کہتے تھے میں بھی کہہ دیتا تھا۔ جواب ملے گا: تو نے نہ عقل سے کام لیا اور نہ پڑھا۔ پھر لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائے گا، وہ چیخے گا اور جن وانس کے علاوہ ارد گرد کی باقی سب چیزیں اس کی (چیخوں کی) آواز سنیں گی۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۷۴-صحیح مسلم: ۲۸۷۰)



نبی ﷺ فرماتے:

”اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، پہلا صور پھونکا جانے والا ہے اور اس کے بعد دوسرا

پھونکا جائے گا، موت اپنی سختیاں لے کر آ پہنچی ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی:

۲۲۵۷۔ متدرک حاکم: ۳۸۹۴۔ المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۷۰۔ مسند احمد: ۲۱۲۴۲۔

عبد اللہ بن محمد بن عقیل متکلم فیہ راوی ہے اور سفیان ثوری کی تدلیس ہے۔)

قرآن مجید میں بھی دو دفعہ صور پھونکنے کا ذکر ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قیامت کے دو مرحلے ہوں گے، پہلا مرحلہ وہ ہوگا جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اور ذات باری تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا، مخلوق ختم ہو جائے گی اور خالق کی ذات گرامی باقی رہے گی۔ اور دوسرا مرحلہ وہ ہوگا جب ہر چیز دوبارہ پیدا کی جائے گی۔ ملاحظہ ہو سورہ الزمر کی یہ آیت:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿۶۸﴾ (الزمر: ۶۸)

”اور اس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین

میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور

یکا یک سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔“

منکرین حق کا ہمیشہ ہی سے یہ موقف رہا ہے کہ یہ دنیا ازلی وابدی ہے، ہمیشہ قائم رہے گی اور کبھی ختم نہیں ہوگی۔ دراصل یہ ان کی خواہش ہے، ان کے پاس اس موقف کے لیے کوئی عقلی و نقلی دلیل نہیں ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ نظام نہ ازلی ہے نہ ابدی اور یہ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

قیامت کے پہلے مرحلے کا منظر

قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیات ہیں جو اس نظام کے خاتمے کا اعلان کرتی ہیں، ان

میں سے چند ایک درج ذیل ہیں جو قیامت کے پہلے مرحلے کی تباہی کا منظر پیش کرتی ہیں:

سورہ القیامہ میں فرمایا:

﴿يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۗ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۗ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۗ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُجُ ۗ﴾

(القيامة: ۶-۱۰)

”پوچھتا ہے آخر کب آنا ہے وہ قیامت کا دن؟ پھر جب دیدے پتھرا جائیں گے اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند سورج ملا کر ایک کر دئے جائیں گے، اس وقت یہی انسان کہے گا، کہاں بھاگ کر جاؤں۔“

سورہ طور میں فرمایا:

﴿يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۗ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۗ﴾ (الطور: ۹-۱۰)

”وہ اس روز واقع ہو گا جب آسمان بڑی طرح ڈگمگائے گا اور پہاڑ اڑے اڑے پھریں گے۔“

سورہ الرحمن میں فرمایا:

﴿فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۗ﴾ (الرحمن: ۳۷)

”پھر جب آسمان پھٹے گا اور لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔“

سورہ الزمر میں فرمایا:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ﴾ (الزمر: ۶۸)

”اور اس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔“

سورہ النمل میں فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ وَكُلُّ أَتَوِّهٍ دُخْرَيْنَ ۗ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمْرٌ مَرٌّ السَّحَابُ ۗ صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۗ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ (النمل: ۸۷-۸۸)

”اور اس روز جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اس ہول سے بچانا چاہے گا..... آج تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جمے ہوئے ہیں، مگر اُس وقت یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے، یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہو گا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو۔“

سورہ طہ میں فرمایا:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾﴾ (طہ: ۱۰۵)

”یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر اس دن یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے؟ کہو کہ میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا۔“

سورہ الحاقہ میں فرمایا:

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾﴾ (الحاقہ: ۱۳-۱۶)

”پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، اُس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا۔ اس دن آسمان پھٹے گا اور اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے گی۔“

اور سورہ النازعات میں فرمایا:

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿١﴾ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٢﴾﴾ (النازعات: ۶-۷)

”جس روز ہلا مارے گا زلزلے کا جھٹکا، اور اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا پڑے گا۔“

اور سورہ الواقعہ میں فرمایا:

﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۗ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۖ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۗ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۗ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۗ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا ۗ﴾

(الواقعة: ۱-۶)

”جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا تو کوئی اس کے وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ وہ تہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی۔ زمین اس وقت یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے کہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔“

ان آیات میں قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہے جس میں ہر چیز تباہ کر دی جائے گی، دوسرا مرحلہ وہ ہے جب ہر چیز کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور انہیں میدان محشر میں جمع کیا جائے گا اور ربِّ کائنات کے دربار میں پیش کیا جائے گا جہاں ان کے بارے میں فیصلہ ہوگا کہ یہ انعام کے مستحق ہیں یا سزا کے۔ قرآن میں عموماً ان دونوں مرحلوں کا ذکر اکٹھا ہی ملتا ہے۔

قیامت کا دوسرا مرحلہ

منکرین قیامت عموماً یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب ہم مرکز گل سڑ جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی خاک ہو جائیں گی تو کیسے ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟ وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ خالق جو انہیں پہلی مرتبہ عدم سے وجود میں لایا وہ انہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ کسی چیز کا اعادہ کرنا نئی تخلیق کی نسبت آسان ہے۔ اور اللہ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے، جیسا کہ سورہ الانبیاء میں فرمایا:

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۖ وَعَدًّا عَلَيْنَا ۗ إِنَّآ كُنَّا فَعِلِينَ ۗ﴾

(الانبیاء: ۱۰۴)

”جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔“
(یہ) وعدہ ہمارے ذمہ ہے، یقیناً ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔“

سورہ یس میں ان کا اعتراض اور اس کا جواب ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

﴿ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٤٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٤٩﴾ ﴾ (یس: ۴۸-۴۹)

”کہتا ہے، کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ اس سے کہو، انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔“

دوسرا مرحلہ وہ ہو گا جب ہر چیز کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ ان دو مرحلوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوگا، اس کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔

تخلیق ثانی

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ:

”دو مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا فصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ (راوی) رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا۔ چالیس دن کا فصل ہوگا؟ فرمایا، مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا، چالیس ماہ ہوگا؟ فرمایا، مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا، چالیس برس ہوگا؟ کہنے لگے مجھے اس سے انکار ہے..... اس کے بعد آسمان سے پانی اترے گا، جس سے لوگ ایسے اگیں گے، جیسے سبزی اگتی ہے..... انسان کی ہر چیز سوائے ایک ہڈی کے فنا ہو جاتی ہے، وہ ہڈی دُم (پشت) کی ہڈی ہے۔

قیامت کے دن مخلوق اسی سے جوڑ کر اٹھائی جائے گی۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۵۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے جانے کی درمیانی مدت کا تعین نہیں کیا جاسکتا اور غالباً اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ جب انسان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا تو اسے برزخی زندگی خواب ہی لگے گی۔

انسان کی دوبارہ تخلیق کو نبی ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان فرمایا:

ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی (ایک رائی کے دانے کے برابر) باقی رہ جاتی ہے، کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترتیب دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۱۲۳-۲۹۵۵)

صحیحین ہی کی ایک دوسری روایت میں دوبارہ پیدا کیے جانے کی مزید تفصیل یوں ہے:

”قیامت کے دن لوگ برہنہ پا، برہنہ بدن اور بغیر ختنہ کے اٹھیں گے۔ (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مرد اور عورتیں سب اکٹھے ہونگے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے۔ فرمایا: عائشہ، معاملہ اتنا سخت ہوگا، کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہیں ہوگا۔“

(صحیح بخاری: ۶۵۲۷-صحیح مسلم: ۲۸۵۹)

ایک دوسری حدیث میں یہی بات اس طرح بیان ہوئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا: لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ننگے پاؤں اور ننگے بدن۔ تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا: کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر ام المومنین افسوس کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج و غم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے ہیں یا نہیں۔ پوچھا: حضور ﷺ وہ کونسی آیت ہے؟ آپ ﷺ نے سورہ عبس کی یہ آیت پڑھی:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ (عبس: ۳۷)

”ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۳۳۳۲)

قیامت کے دوسرے مرحلے کا منظر

قرآن مجید میں دوبارہ تخلیق کا منظر بھی بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ آیات درج ذیل ہیں۔ سورہ یس میں فرمایا:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ﴾ ۵۱ ﴿قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۚ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ ۵۲ ﴿إِن

كَانَتْ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً فَاذَاهُمْ جَبِيحٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٢﴾

(یس: ۵۱-۵۳)

”اور صور میں پھونک مار دی جائے گی اور یکا یک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گھبرا کر کہیں گے: ارے، یہ کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھا کھڑا کیا؟ یہ وہی چیز ہے جس کا وعدہ خدائے رحمان نے کیا تھا اور رسولوں کی بات سچی تھی۔ ایک ہی زور کی آواز ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دئے جائیں گے۔“

سورہ الصافات میں فرمایا:

﴿فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَاذَاهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا يُؤَيِّنَا هَذَا يَوْمُ

الدِّينِ ﴿٢٠﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾﴾

(الصافات: ۱۹-۲۱)

”بس ایک ہی جھڑکی ہوگی، اور یکا یک یہ اپنی آنکھوں سے (وہ سب کچھ جس کی خبر دی جا رہی ہے) دیکھ رہے ہوں گے۔ اس وقت یہ کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی! یہ تو یوم الجزا ہے۔ یہ وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

سورہ ق میں فرمایا:

﴿وَاسْتَبِیحَ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ

بِالْحَقِّ ﴿٢٢﴾ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٢٣﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٢٤﴾ يَوْمَ

تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ﴿٢٥﴾ ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٢٦﴾﴾

(ق: ۲۱-۲۴)

”اور سنو! جس دن منادی کرنے والا (ہر شخص کے) قریب سے پکارے گا، اور جس روز سب لوگ اس چیخ کو سن لیں گے۔ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کا دن ہوگا۔ بلاشبہ ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہماری طرف

ہی اس دن سب کو پلٹنا ہے، جب زمین پھٹے گی اور لوگ اس کے اندر سے نکل کر تیز تیز بھاگے جا رہے ہوں گے، یہ جمع کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔“

سورہ قمر میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكْرٍ ۖ خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۖ مَّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۚ يَقُولُ الْكٰفِرُونَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۗ﴾ (قمر: ۶-۸)

”جس دن بلانے والا ان کو ایک سخت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، لوگ سہمی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے، گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں، پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے، اور کافر اس وقت کہیں گے: یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔“

سورہ المعارج میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصْبٍ يُؤَفِّضُونَ ۖ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذٰلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۗ﴾

(المعارج: ۲۳-۲۴)

”وہ اس دن قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے، گویا وہ کسی مقررہ نشانہ کی طرف دوڑتے ہیں۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُبْيًا ۚ وَبُكْمًا ۚ وَصُبًّا ۚ مَا لَهُمْ فِي جَهَنَّمَ ۚ كَلْبًا خَبَتْ زُدُنُهُمْ سَعِيرًا ۗ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۷)

”ان لوگوں کو ہم قیامت کے روز اوندھے منہ کھینچ لائیں گے، اندھے، گونگے اور بہرے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم

اسے اور بھڑکا دیں گے۔“

ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! (قیامت میں) کافر کو منہ کے بل کیونکر چلایا جائے گا؟“ فرمایا: ”جس ذاتِ پاک نے اس کو دو پاؤں پر چلایا، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے؟“ (صحیح بخاری: ۶۵۲۳-صحیح مسلم: ۲۸۰۶)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے روز انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا، جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے بوس نامی قید خانے میں ڈال دئے جائیں گے، جہاں کی آگ باقی تمام آگوں سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو اور پیپ انہیں پینے کے لیے دیا جائے گا۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۲۲۹۲-مسند احمد: ۶۶۷۷-سنن النسائی الکبریٰ: ۱۱۸۲۷)

یوم محشر کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا

اس دن کی سختی کو قرآن مجید میں مختلف انداز میں بیان کر کے انسان کو خبردار کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو اس سے محفوظ کرنے کا انتظام کر لے، مگر وقت آنے سے پہلے انسان کب ان باتوں پر دھیان دیتا ہے۔ کاش وہ اب سوچ لے اور اس دن کے لیے تیاری کر لے جس کے بارے میں سورہ عبس میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۚ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۚ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۚ﴾
(عبس: ۳۴-۳۶)

”اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔“

اور سورہ المعارج میں فرمایا:

﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۚ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۚ وَلَا يَسْأَلُ حَیْمٌ حَیْمًا ۚ يُبْصَرُونَهُمْ ۚ يَوْمَ الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ﴾

بِنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيِّهٖ ۝ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا لَنُؤْتِيَنَّهُ ۝ ﴿المعارج: ۸-۱۴﴾

”جس روز آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگ برنگ کے ڈھنکے ہوئے اون جیسے ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا، اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے، اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔“

اور سورہ القیامہ میں فرمایا:

﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُجُ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ
الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبِّئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝﴾

(القیامہ: ۱۰-۱۳)

”اس وقت انسان کہے گا: کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ہرگز نہیں، وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی، اس دن تیرے رب ہی کے پاس جا کر ٹھہرنا ہوگا۔ اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا۔“

اور سورہ الزخرف میں فرمایا:

﴿الْإِخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝﴾ (الزخرف: ۶۷)

”وہ دن جب آئے گا تو متقین کے سوا سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔“

اور سورہ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۝﴾ (الشوریٰ: ۴۴)

”اور تم دیکھو گے کہ یہ ظالم جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟“

اور سورہ الشعراء میں فرمایا:

﴿فَبَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۝ وَلَا صِدِّيقِي حَیْمٍ ۝ فَكَلُوْا اِنَّ لَنَا كِرَّةً فَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۱۰۰-۱۰۲)

”اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں۔“

لیکن یہ بات پہلے ہی سے قرآن و حدیث میں واضح کر دی گئی ہے کہ یہ موقع مرنے کے بعد نہیں ملے گا۔ ہاں اب موقع ہے جو چاہے اپنی زندگی کا رخ بدل سکتا ہے۔ موت سے پہلے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، جب چاہیں اللہ کی طرف لوٹ سکتے ہیں، البتہ اس میں اس امید پر تاخیر نہ کریں کہ ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے، اس لیے کہ آپ کو کیا معلوم کہ کتنا وقت باقی ہے؟ وہ وقت اگلا لمحہ بھی تو ہو سکتا ہے؟ کیا اس طرح کے واقعات روزانہ ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہوتے؟ بچے اور جوان چلے جاتے ہیں اور ان کے والدین ان کی موت کا غم سہنے کے لیے پیچھے رہ جاتے ہیں! پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اگر آپ لیت و لعل سے کام لیں تو توبہ کی توفیق ہی آپ سے سلب کر لی جائے!

دکتے چہرے اور خاک آلود چہرے

نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہاں (قیامت کے دن) لوگوں کے دو گروہ ہونگے۔ بعض تو وہ ہونگے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہونگے، دل خوشی سے مطمئن ہونگے، منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے، یہ جنتی گروہ ہے۔ دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہے، ان کے چہرے سیاہ اور گرد آلود ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸/۳۴۹)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہوگا (منہ تک پہنچا ہوا ہوگا)، پھر ان پر گرد و غبار پڑ رہا ہوگا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۹۱۲۸)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی۔

یہی بات سورہ عبس میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

﴿وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرَةُ الْفَجْرَةُ ۝﴾

(عبس: ۳۸-۴۲)

”کچھ چہرے اس دن دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے اور کچھ چہروں پر اس روز خاک اڑ رہی ہوگی اور کلونس چھائی ہوئی ہوگی، یہی کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔“

اور سورۃ ال عمران میں اسی حقیقت کا اظہار اس طرح فرمایا:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۚ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اٰيٰتِنَاۙ فَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۱۰۶ وَ اَمَّا الَّذِينَ اَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ ۖ فِى رَحْمَةِ اللّٰهِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷﴾

(ال عمران: ۱۰۶-۱۰۷)

”جس روز کچھ لوگ سرخرو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کفرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اس کفرانِ نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔ رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے، تو ان کو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔“

یومِ محشر کی سختی

مسلم کی ایک حدیث میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن آفتاب لوگوں سے اتنا قریب کر دیا جائے گا، کہ بقدر ایک میل کے رہ جائے گا، اور لوگ اپنے اعمال کے بموجب پسینہ میں ہونگے، کسی کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا، کسی کے گھٹنوں تک ہوگا، کسی کی کمر تک اور کسی کے منہ

میں پسینہ کی لگام ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے نبی ﷺ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۶۴)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ اس دن اللہ عزوجل کی عظمت کے سامنے سب کانپ رہے ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں روز محشر کے منظر کو یوں بیان کیا گیا کہ: ”قیامت کے دن سورج بندوں سے ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا۔ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہوگا۔ بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہوگا، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کی کمر تک، بعض کے لیے ان کا پسینہ لگام بنا ہوگا۔ (منہ تک ہوگا) دھوپ اس قدر تیز ہوگی کہ کھوپڑی بھٹنا اٹھے گی اور اس میں اس طرح جوش اٹھنے لگے گا جس طرح ہنڈیا میں کھد بھد ہوتی ہے۔“

(صحیح: مسند احمد: ۱۷۴۳۹)

بعض روایتوں میں ہے کہ لوگ ستر سال تک بغیر بولے کھڑے رہیں گے۔ بعض میں ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا۔ مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۹۸۷)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن واقعی قیامت کا دن ہوگا نہایت طویل اور ہولناک۔ لیکن اللہ جسے چاہے گا اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا جیسا کہ سورہ الانبیاء کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي

كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ (الانبیاء: ۱۰۳)

”وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا پریشان نہ کرے گا، اور ملائکہ بڑھ کر ان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

یوم محشر یقیناً بہت سخت اور بہت طویل دن ہوگا۔ لوگ سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے، کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، ہر کسی کو اپنی فکر ہوگی، ہر کوئی نفسی نفسی پکار رہا ہوگا،

انبیا تک نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ لوگ یہ جاننے کے لیے بے تاب ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس دن کی سختی اور طوالت سے تنگ آ کر لوگ یہ چاہیں گے کہ جو بھی ہونا ہے ہو لیکن کم از کم اس انتظار اور اس کے عذاب کی کیفیت سے تو جان چھوٹے۔

شفاعت کبریٰ

چنانچہ وہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک باری باری سب انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ جلّ ثلثہ سے یہ سفارش کریں کہ ان کا حساب لے لیا جائے اور ان کے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دیا جائے۔ مگر کوئی نبی بھی اس کام کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ ہر ایک کوئی نہ کوئی عذر پیش کرے گا اور کہے گا کہ میری جرات نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے منہ کھول سکوں۔ آخر میں لوگ محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے، اور عرض کریں گے کہ آپ ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں، آپ ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہمارے لیے سفارش کریں کہ ہمارا حساب لے لیا جائے۔ حضور ﷺ حامی بھر لیں گے اور اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ اسی طرح سجدہ کی حالت میں رہیں گے جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائیں گے، اے محمد ﷺ اٹھو اور مانگو جو مانگنا ہے۔ اس پر حضور ﷺ سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ یہ تیری مخلوق ہے، ان کا حساب لے لیا جائے۔ یہ شفاعت کبریٰ ہے جو صرف محمد ﷺ کا حصہ ہے۔ اس کے بعد محاسبہ ہوگا اور لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (صحیح بخاری: ۶۷۱۷-۶۷۱۸۔ صحیح مسلم: ۱۹۴)

یوم حساب

آخرت میں جو کچھ بھی انسان کو پیش آنے والا ہے، وہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

سورہ الزمر کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ
وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۹﴾ وَوَقَّيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ
هُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۷۰﴾﴾ (الزمر: ۶۹-۷۰)

”اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی، کتابِ اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، انبیا اور تمام گواہ حاضر کر دئے جائیں گے۔ لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا، اور ہر تنفس کو جو کچھ بھی اس نے عمل کیا تھا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔“

سورہ الکہف میں یہی بات اس طرح فرمائی گئی:

﴿وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْبُجْرَمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَبِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۴۹)

”اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو۔ جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔“

سورہ الزلزال میں فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۗ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۗ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۗ﴾ (الزلزال: ۶-۸)

”اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھائے جائیں۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

قیامت کے روز انسان کے سارے اعمال خواہ وہ اس نے دن کی روشنی میں کیے ہوں یا رات کے اندھیرے میں کیے ہوں، خواہ زمین پر کیے ہوں یا سمندر میں، ہوا میں کیے ہوں

یافضا میں اس کے سامنے آ جائیں گے۔

مال و اولاد، دوستی و سفارش کسی کام نہ آئیں گے

انسان کی قسمت کا فیصلہ اس کے اعمال کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ نہ مال کام آئے گا نہ

اولاد، نہ دوستی کام آئے گی نہ سفارش۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

سورہ الشعراء میں فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾﴾

(الشعراء: ۸۸-۸۹)

”وہ دن جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم

لے کر اللہ کے حضور حاضر ہوا ہو۔“

سورہ البقرہ آیت ۲۸ میں فرمایا:

﴿وَأَتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا

يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٢٨﴾﴾ (البقرہ: ۲۸)

”اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی کی طرف سے

سفارش قبول ہوگی، نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ (مجرموں کو) کہیں

سے مدد مل سکے گی۔“

اور سورہ البقرہ ہی کی آیت ۲۵۴ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ

فِيهِ وَلَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ﴿٢٥٤﴾﴾ (البقرہ: ۲۵۴)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں

سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ

دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔“

سورہ الممتحنہ میں فرمایا:

﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصَلُ بَيْنَكُمْ﴾

(الممتحنہ: ۳)

”قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی، نہ تمہاری اولاد۔ اس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔“

شفاعت کا غلط تصور

شفاعت کے بارے میں مسلم عوام میں کچھ غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں کوئی بنیاد نہیں ملتی۔ محمد ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ کے بارے میں جو تفصیل حدیث میں ملتی ہے اس کا خلاصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ قصیدہ گو اور نعت خوان حضرات کے کلام میں بعض چیزیں تو صریح شرک کے زمرے میں آتی ہیں اور جو اس زمرے میں نہیں آتیں ان میں سے بھی بعض ایسی ہیں جو اسلام کے تصورِ توحید کے منافی ہیں۔ مثلاً پنجابی زبان کی بڑی ہی مشہور اور مقبول قوالی کا ایک بول ہے:

مانواں نوں پیرا پچڑے دینڑاں ایں

کیا یہ صریح شرک نہیں ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اولاد دے سکتا ہے؟ یا ایک مشہور

نعت کا یہ مصرعہ.....

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد

محمد کے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا

اسلام کے تصورِ شفاعت میں اس طرح کی تعلیٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ کی مرضی اور اذن کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا

قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ کے اذن کے بغیر تو کسی مقرب ترین فرشتے یا رسول کو بھی لب کشائی کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہاں تو اپنی مرضی سے نہ کوئی بول سکے گا نہ اپنی مرضی سے کسی کی سفارش کر سکے گا۔ ہاں اللہ تبارک و تعالیٰ جس کو بولنے کی اجازت دے وہی بولے گا اور جس کی سفارش کی اجازت دے گا اسی کی سفارش کی جائے گی اور سفارش کی اجازت

بھی کسی کی مرضی یا سفارش پر نہیں دی جائے گی بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ خود جس کو بخشنا چاہیں گے اس کے متعلق اپنے کسی مقبول بندے کو سفارش کرنے کا اشارہ دے دیں گے، فیصلہ اپنا ہوگا، سفارش اپنے محبوب بندوں سے ان کی خدمتوں کا صلہ دینے کے لیے اور مخلوق کے سامنے ان کی عزت افزائی کے لیے کرائی جائے گی۔

انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے، دنیا میں تو اس نے اللہ کی قدر کما حقہ نہیں کی اور اس کے اقتدار و اختیار میں دوسروں کو شریک کرتا رہا، آخرت میں بھی شفاعت کے غلط عقاید گھڑ کر اللہ کے اختیار میں نقب لگانے کی اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ یہاں تو اس مقتدرِ اعلیٰ نے ڈھیل دے رکھی ہے اس لیے انسان اپنے آپ کو کچھ عرصہ کے لیے دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے مگر وہاں مہلت نہیں دی جائے گی، وہ تو فیصلے کا دن ہے۔ آئیے دیکھیں اللہ کی کتاب اس سلسلہ میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے:

روز محشر اقتدار صرف اللہ کے پاس ہوگا، ملاحظہ ہوں سورہ غافر کی یہ آیات:

﴿يَوْمَ هُمْ بَرْزُونَ ۗ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۗ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۗ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ (غافر: ۱۶-۱۷)

”وہ دن جب کہ سب لوگ بے پردہ ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ (اس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی۔ (کہا جائے گا) آج ہر تنفس کو اس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی، آج کسی پر ظلم نہ ہوگا۔“

شفاعت کے بارے میں سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۗ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

”زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں

اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟“

شفاعت کے بارے میں سورہ النبا میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا إِلَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَ
قَالَ صَوَابًا ۝﴾ (النباء: ۳۸)

”جس روز روح (روح الامین، جبریل) اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے۔“

شفاعت کے بارے میں سورہ یونس میں فرمایا:

﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۗ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ۝﴾ (یونس: ۳)

”کوئی شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں ہے الا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، لہذا تم اسی کی عبادت کرو، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟“

سورہ ہود میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ﴾ (ہود: ۱۰۵)

”جب وہ دن آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی، الا یہ کہ خدا کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔“

سورہ مریم میں فرمایا:

﴿لَا يَبْلُغُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝﴾ (مریم: ۸۷)

”اس وقت لوگ کوئی سفارش کرنے پر قادر نہ ہوں گے بجز اس کے جس نے رحمان کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا ہو۔“

سورہ طہ میں فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾^(۱۰۹)
(طہ: ۱۰۹)

”اس روز شفاعت کا رگ نہ ہوگی، الا یہ کہ رحمان کسی کو اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔“

سورہ الانبیاء میں فرمایا:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾^(۲۸)

(الانبیاء: ۲۸)

”وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔“

سورہ سبأ میں فرمایا:

﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾^(۲۳)

”اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے اجازت دی ہو۔“

سورہ مومن میں فرمایا:

﴿مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَیْمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾^(۱۸)

”ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔“

سورہ الزخرف میں فرمایا:

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ

هُمْ يَعْلَمُونَ﴾^(۸۶)

”اس (اللہ) کو چھوڑ کر یہ لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں

رکھتے، الا یہ کہ کوئی علم کی بنا پر حق کی شہادت دے۔“

سورہ النجم میں فرمایا:

﴿وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾ (النجم: ۲۶)

”آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آ سکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اس کی اجازت نہ دے جس کے لیے وہ کوئی عرضداشت سننا چاہے اور اس کو پسند کرے۔“

اور سورہ المدثر میں فرمایا:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعَاءِ﴾ (المدثر: ۴۸)

”اس وقت سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔“

درج بالا آیات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قیامت کے دن اختیار مکمل طور پر صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہوگا۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کسی کے حق میں نہ بولنے کی اجازت ہوگی نہ سفارش کی۔ اجازت کے بعد بھی صرف حق بات جسے اللہ پسند کرتا ہو کہی جاسکے گی۔ اس لیے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس کی رضا کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ اس کی رضا ہو تو سفارشیں بھی چلیں گی شفاعتیں بھی ہوں گی، ورنہ کس میں اتنا دم ہے کہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر کہہ سکے کہ حضور یہ میرا آدمی ہے اس پر ہاتھ ہلکا رکھیں۔ وہ خود کسی پر ہاتھ ہلکا رکھنا چاہے تو مالک ہے جو چاہے کرے، اور وہ یقیناً ہاتھ ہلکا ہی رکھے گا ورنہ کون اس کے عتاب سے بچ سکتا ہے۔

جس سے حساب لے لیا گیا وہ تو مارا گیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس شخص کا محاسبہ ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا: کیا اللہ نے نہیں فرمایا،

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِبَيِّنَاتٍ ۖ فَسَوْفَ يَحَاسِبُ حِسَابًا يَّسِيرًا ۗ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا﴾ (الانشقاق: ۷-۹)

”پھر جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا

جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یہ تو صرف پیشی ہوگی، مگر جس سے حساب میں جھگڑا کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے

گا۔“ (صحیح بخاری: ۱۰۳-صحیح مسلم: ۲۸۷۶)

بغیر حساب جنت میں جانے والے

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے میرے رب نے

وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا

اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اشخاص ہوں گے اور پھر میرے رب کے تین لپ بھر بھی (بلا

حساب) جنت میں داخل ہوں گے۔ (صحیح: مسند احمد: ۲۲۱۵۶-سنن ابن ماجہ: ۴۲۸۶)

اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد بغیر حساب کے بھی جنت میں جائے

گی، ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا ہونا بھی بڑی تعداد ہے اور پھر میرے رب

کے تین لپ! باقی کون بچا؟ اس میں تو شاید ہم جیسوں کی بھی گنجائش نکل آئے! سبحان اللہ!

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے

دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا، پھر ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا: کہاں ہیں وہ

لوگ جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے؟ کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے، مگر وہ

تھوڑے ہوں گے، ان کو جنت میں بلا حساب داخل کر دیا جائے گا۔ پھر باقی لوگوں کو حساب

کے لیے جانے کا حکم دیا جائے گا۔

(ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۲۹۷۴-شہر بن حوشب راوی ضعیف ہے۔)

دنیا میں اعمال کی کوئی شکل و صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کا وزن ہوتا ہے، صرف ان

کے اچھے یا برے اثرات ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ ان کو

شکل و صورت دے دے اور ان میں وزن پیدا کر دے۔ اس سے پہلے وہ حدیث گزر چکی

ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ قبر میں انسان کے اعمال اچھی یا بُری انسانی شکل میں مردے

کے پاس آتے ہیں۔

قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا

قیامت کے روز اللہ تبارک و تعالیٰ ان میں وزن پیدا کر دے گا اور ان کو باقاعدہ ترازو میں تولایا جائے گا۔ نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور بدیاں دوسرے پلڑے میں۔ جس کا نیکیوں والا پلڑا جھک گیا وہ کامیاب اور جس کا بدیوں والا پلڑا جھک گیا وہ ناکام ہو گیا۔

سورہ الانبیاء میں فرمایا:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۚ وَكَفَىٰ بِنَا حَسِيبِينَ ﴿۲۵﴾﴾

(الانبیاء: ۲۵)

”قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔“

سورہ الاعراف میں فرمایا:

﴿وَالْوِزْنَ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾﴾
 وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ ۚ بَايِتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿۹﴾﴾ (الاعراف: ۸-۹)

”اور وزن اس روز عین حق ہوگا، جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پانے والے ہوں گے، اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے۔“

سورہ المؤمنون میں فرمایا:

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۵﴾﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ

فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾

(المؤمنون: ۱۰۲-۱۰۳)

”اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔“

سورہ القارعہ میں فرمایا:

﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿١﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢﴾ وَ أَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿٣﴾ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿٤﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ﴿٥﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿٦﴾﴾

(القارعة: ۶-۱۱)

”پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا، اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار گہری کھائی ہے، اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ!“

ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ قیامت کے روز انسان کے اعمال ٹھیک تولنے والے ترازوؤں میں تولے جائیں گے، رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی نیکی یا بدی نظر انداز نہیں ہوگی، کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا، ہر کسی کے ساتھ مکمل انصاف ہوگا۔

روزِ قیامت ادائیگیاں اعمال کی صورت میں ہوں گی

جس کسی نے دنیا میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی ہوگی اس کی نیکیاں لے کر مظلوم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی۔ اگر ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوم کی برائیاں ظالم کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک شخص نیکیوں کا انبار لے کر آئے اور اس کی ساری نیکیاں اس کے ظلم کا شکار ہونے والوں کو دے دی جائیں اور دادخواہ ابھی باقی ہوں اور ان کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دئے جائیں اور وہ گناہوں کا انبار لے کر جہنم میں چلا جائے اور مظلوموں کا نیکی کا پلڑا جھک جائے اور وہ

جنت میں چلے جائیں۔ قیامت کے دن حقدار کو اس کا حق ضرور ملے گا، اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا لازماً ملے گی۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس مال و متاع نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری امت میں مفلس وہ ہوگا، جو نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر آئے گا۔ لیکن اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون کیا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ پھر ان لوگوں کو (جن کے ساتھ اس نے دنیا میں زیادتی کی) اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اور اگر اس کی نیکیاں اس کے گناہوں کا (کفارہ) ادا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن تم حق داروں کے حق ادا کرو گے۔ حتیٰ کہ بغیر سینگ والی بکری

کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۲)

جہاں تک لوگوں کے حقوق دلوانے یا ان کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کے ازالے کا تعلق ہے وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت عدل کا مکمل اظہار ہوگا، ہر کسی کو پورا پورا انصاف ملے گا، ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی زیادتی کا ازالہ ہوگا، بندوں کے حقوق دلوانے میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ قیامت کے دن یہ محاسبے کا ایک پہلو ہے جس میں اللہ کی صفت عدل کا بھرپور اظہار ہے۔

قیامت کے دن اللہ کی صفت رحمت کا اظہار

دوسری طرف قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت رحمت کا بھی اظہار ہوگا اور وہ

اس کے اپنے حقوق سے متعلق ہو گا۔ ظاہر ہے اس کے حقوق کما حقہ تو کوئی بھی پورے نہیں کر سکتا، ہر شخص سے کوتاہیاں ہوتی ہیں خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو۔ اگر وہ حساب لینے لگے تو بندے کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں مگر اس کی نعمتیں جو اس نے بندے کو دی ہیں ختم نہ ہوں۔ اعمال کے بل بوتے پر تو شاید کوئی بھی جنت میں نہ جاسکے۔ لیکن اس کے فضل کی بنا پر بہت لوگ جائیں گے۔ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے، ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے روز) اللہ مومن کو اتنا قریب کر لے گا، کہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے چھپالے گا اور فرمائے گا: کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب، بے شک مجھے اپنا گناہ یاد ہے۔ جب اللہ اس سے اقرار کر لے گا اور وہ خیال کرے گا کہ بس میں تو ہلاک ہو گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: دنیا میں تیرا یہ گناہ میں نے چھپایا تھا، (تجھے رسوا نہیں کیا تھا)، آج میں معاف کرتا ہوں اور اس کے بعد نیکیوں کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری: ۶۰۷۰۔ صحیح مسلم: ۲۷۶۸۔ مسند احمد: ۵۴۳۶)

کفار و منافقین کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی

رہے کافر اور منافق تو ان کے متعلق اعلان فرمایا جائے گا: ”یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھوٹ کہا، خبردار، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔“

(صحیح بخاری: ۲۴۴۱۔ صحیح مسلم: ۲۷۶۸)

مومنین کے ساتھ تو درگزر اور رحمت کا سلوک کیا جائے گا، نہ صرف ان کے گناہوں کو معاف کیا جائے گا بلکہ ان کو رسوائی سے بچانے کے لیے یہ سوال و جواب پردے کی حالت میں صرف اللہ اور بندے کے درمیان ہوں گے، کوئی دوسرا انہیں نہیں سن سکے گا۔ اس کے برعکس کافروں اور منافقوں کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی، انہیں سر عام رسوا کیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا۔

مجرم کو اپنے جرائم کا علم ہوتا ہے اسی لیے وہ عدالت میں پیش ہونے سے کتراتا ہے۔

روز محشر مجرمین اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے پیشی سے گھبرارہے ہوں گے، لیکن اس دن کوئی بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے بچ نہیں سکے گا۔ انہیں ہانک کر اللہ رب العزت کے دربار میں لایا جائے گا۔ ملاحظہ ہوں سورہ ق کی یہ آیات:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۗ ۝۲۰ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۗ ۝۲۱ لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكُمْ غِطَاءَكُمۡ فَبَصَرُكُمُ الْيَوْمَ حٰدِیدٌ ۗ ۝۲۲﴾ (ق: ۲۰-۲۲)

”اور پھر صور پھونکا گیا، یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اس حال میں آ گیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔ اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا، ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔“

مجرمین کے خلاف چار قسم کی گواہیاں

اس دن مجرمین اپنے جرائم کی پاداش سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر وہ اپنے جرائم کی صحت سے انکار کریں گے تو ان کے خلاف ایسی گواہیاں پیش کی جائیں گی جن کو وہ جھٹلا نہیں سکیں گے۔ ان کے خلاف پہلی گواہی تو ان کا نامہ اعمال ہے جو دنیا میں مرتب کیا جا رہا ہے، اسے دو معزز فرشتے لکھ رہے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں، ایک اس کی نیکیاں اور دوسرا اس کی برائیاں لکھنے پر مامور ہے۔ دوسری گواہی ان فرشتوں کی ہے جو اس کی نگرانی پر مامور ہیں۔ تیسری گواہی اس کے اعضا و جوارح دیں گے جنہیں اس نے ان کی مرضی کے خلاف اللہ کی نافرمانی میں استعمال کیا تھا۔ اور چوتھی گواہی زمین دے گی جس پر اس نے گناہ کا ارتقاب کیا تھا۔ یہ ریکارڈ مرتب کرتے وقت بھی اللہ کی رحمت نمایاں نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الانعام کی یہ آیت:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَاءٍ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۗ ۝۱۶۰﴾ (الانعام: ۱۶۰)

”جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے، اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔“

ریکارڈ مرتب کرنے والے فرشتوں کو حکم ہے کہ جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو کچھ نہ لکھو، اگر برائی کے ارادہ سے باز آ جائے تو ایک نیکی لکھ لو، اور اگر برائی کر لے تو ایک برائی لکھ لو۔ جب نیکی کا ارادہ کرے تو فوراً ایک نیکی لکھ لو بے شک بعد میں وہ اس کو انجام نہ بھی دے سکے، اور جب وہ اسے انجام دے دے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھو۔ اتنی چھوٹ کے بعد بھی اگر کوئی اپنے آپ کو نہ بچا سکے تو یقیناً وہ سخت سزا کا ہی مستحق ہے۔

جن گواہیوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں قرآن مجید کی یہ آیات:

سورہ الانفطار میں فرمایا:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝﴾

(الانفطار: ۱۰-۱۲)

”اور بے شک تم پر نگران مقرر ہیں، ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔“

سورہ ق میں فرمایا:

﴿إِذْ يَتَلَفَّى الْمُتَلَقِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ

إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝﴾ (ق: ۱۷-۱۸)

”دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں، کوئی لفظ اس کی

زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔“

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں جانب

والا بدیاں لکھتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۗ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا﴾ (۱۲) ﴿إِقْرَأْ كِتَابَكَ ۗ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ ﴿۱۳﴾

(بنی اسرائیل: ۱۳-۱۴)

”ہم نے ہر انسان کا نتیجہ (اعمال نامہ) اس کی گردن میں چپکا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا رجسٹر نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ (اس سے کہا جائے گا) اپنا یہ اعمال نامہ پڑھ لے، آج تو خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہے۔“

کیا بعید کہ انسان کی گردن میں بھی اللہ نے کوئی مائیکرو چپ لگا دی ہو جس میں ہر چیز ریکارڈ ہو رہی ہو۔

سورہ یس میں فرمایا:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿يَس: ۶۵﴾

”آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔“

سورہ خم السجدہ میں فرمایا:

﴿حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَبْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا جُلُودُهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۗ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۗ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَبْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ ۗ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ﴿۱۹﴾

(خم السجدہ: ۲۰-۲۳)



”پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی خدا نے گویائی دی ہے، جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے۔ اسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اسی کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو۔ تم دنیا میں جرائم کرتے وقت جب چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ کبھی تمہارے اپنے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے جسم کی کھالیں تم پر گواہی دیں گی۔ بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو بھی خبر نہیں ہے۔ تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا، تمہیں لے ڈوبا اور اسی کی بدولت تم خسارے میں پڑ گئے۔“

سورہ الزلزال میں فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۗ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۗ﴾ (الزلزال: ۴-۵)

”اس روز وہ (زمین) اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی۔ کیونکہ

تیرے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا۔“

موجودہ سائنسی ترقی کے دور میں جب کہ اس طرح کی بہت سی باتیں انسانی مشاہدے میں آچکی ہیں ان باتوں پر یقین کرنا کسی کے لیے بھی مشکل نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ جو کچھ بھی ماضی میں ہوا ہے یا اب ہو رہا ہے وہ فضا میں موجود رہتا ہے اور اگر ان لہروں کو قید کیا جاسکے تو دنیا میں ہونے والا ہر واقعہ دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔ آج دنیا کے ایک کونے میں ہونے والا واقعہ دنیا کے دوسرے کونے میں دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔ تو کیا اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے مشکل ہے کہ یہ سارا ریکارڈ ایک دن ہمارے سامنے لے آئے؟

مجرمین کے اعمال نامے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے
محاسبہ ختم ہونے کے بعد کفار و منافقین اور دیگر مجرمین کو ان کے اعمال نامے پیچھے سے

ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے کیونکہ یہ لوگ اپنا اعمال نامہ لینے سے کترارہے ہوں گے اور غالباً اپنا اعمال نامہ لینے سے بچنے کے لیے اپنے ہاتھ پیٹھ پیچھے کر لیں گے تو ان کے اعمال نامے پیٹھ کے پیچھے ہی سے ان کے ہاتھ میں دے دیے جائیں گے۔ (واللہ اعلم) اور ان کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

متقین کے اعمال نامے سامنے سے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے ان کے برعکس مومنین متقین کے اعمال نامے سامنے سے ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے یہ لوگ اپنے اعمال نامے خوشی خوشی دایاں ہاتھ آگے بڑھا کر لیں گے۔ جنت کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے گی، جیسا کہ سورہ الزمر کی ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَسَيُقَى الَّذِينَ اتَّقُوا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٤٣﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةَ ۖ وَأَوْثَقْنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُوا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٤٤﴾﴾ (الزمر: ٤٣-٤٤)

اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے، انہیں گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے پہلے ہی (ان کے لیے) کھولے جا چکے ہوں گے اور اس کے منتظمین ان سے کہیں گے: "سلام ہو تم پر، بہت اچھے رہے، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے۔ اور وہ کہیں گے: "شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا، اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔"

اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ نہ انہیں موت آئے گی اور نہ کبھی انہیں جنت سے نکالا جائے گا۔ اہل جہنم میں سے کفار و مشرکین اور منافقین تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، انہیں کبھی جہنم کے عذاب سے رہائی نہیں ملے گی۔

اہل ایمان گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں پہنچ جائیں گے

البتہ وہ لوگ جن کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان تھا جب اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرما دیں گے۔ کتب حدیث میں متعدد ایسی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا، اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بالآخر جنت میں پہنچ جائے گا۔

محمد ﷺ کی پہلی شفاعت (شفاعت کبریٰ) تو تمام انسانوں کے لیے ہے، اس میں سب امتیں شامل ہیں اور اس کے بعد محاسبہ شروع ہوگا۔ لیکن دوسری شفاعت خصوصاً اپنی امت کے گناہگاروں کے لیے ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قیامت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا، نہ جانے کب تک سجدہ میں پڑا رہوں گا، آخر آواز آئے گی: اے محمد! سر اٹھا، مانگ، دیا جائے گا۔ تب میں سر اٹھاؤں گا اور اس حمد سے جو اس وقت اللہ مجھے سکھائے گا اس کی حمد کروں گا اور سفارش کروں گا تو اللہ ایک حد مقرر فرمائے گا تو میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔ پھر لوٹ آؤں گا اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دے گا، اسی طرح تیسری بار پھر چوتھی بار کروں گا یہاں تک کہ دوزخ میں پھر وہی رہ جائے گا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۷۷۶-۳۳-صحیح مسلم: ۱۹۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”میری شفاعت سے کچھ ایسے لوگ بھی دوزخ سے نکلیں گے اور جنت میں داخل

ہوں گے جن کا نام جہنم والے ہوگا۔“ (صحیح جامع ترمذی: ۲۶۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے استفسار پر نبی ﷺ نے فرمایا:

”میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اس کو حاصل ہوگی جس نے

خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہوگا۔“ (صحیح بخاری: ۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہو گا اور چاہے گا کہ جن لوگوں نے اس کی توحید کی گواہی دی تھی انہیں دوزخ سے نکالے تو فرشتوں کو ان کے نکالنے کا حکم دے گا۔ فرشتے ان لوگوں کو اس علامت سے نکالیں گے کہ ان کی پیشانیوں میں سجدے کے نشان ہوں گے۔ اللہ نے اولادِ آدم علیہم السلام کی پیشانی کے نشان کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے، وہ ان کو جلا کر خاکستر نہیں کر سکے گی۔ فرشتے جب ان کو نکالیں گے تو وہ جلے اور جھلسے ہوئے ہوں گے۔ پھر ان پر آبِ حیات چھڑکا جائے گا تو وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے۔

جنت

جنت کے لفظی معنی باغ ہیں۔ باغ یا باغات وہ جگہیں ہیں جہاں ہم دنیا میں سیر و تفریح یا فارغ لمحات سے لطف اندوز ہونے کے لیے جاتے ہیں، جہاں ہم دنیاوی تفکرات سے آزاد ہو کر سکون کے ساتھ کچھ وقت گزار سکیں۔ دنیا میں جو لوگ آخرت سے بے نیاز ہو کر زندگی گزار رہے ہیں ان کی زندگی کا حاصل یہی لمحات ہوتے ہیں۔ وہ سارا سال محنت کر کے بچت کرتے ہیں کہ سال کے آخر میں چھٹیوں کے چند دن فراغت سے گزار سکیں۔

بہترین ٹھکانا

جنت ایسی ہی جگہ ہے جہاں اہل جنت کی رہائش گاہیں (محلّات) گھنے باغوں میں گھری ہوں گی، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو گا۔ اہل جنت کو سوائے اللہ کی حمد بیان کرنے کے کوئی کام نہ ہو گا اور یہ حمد بیان کرنا بھی کوئی فرض یا واجب نہ ہو گا بلکہ شوقیہ ہو گا وہ اپنے شوق اور خوشی سے ایسا کریں گے۔

نہ انہیں فکرِ معاش ہو گی نہ کوئی اور فکر، نہ کوئی بیماری ہو گی نہ کوئی اور دکھ یا درد، نہ گھر بنانے کی فکر نہ کھانا پکانے کی فکر، جو کھانا جب چاہو، جہاں چاہو، پکا پکا یا حاضر، نہ کمانے کی فکر نہ بچانے کی فکر، بازارِ اشیائے ضرورت سے بھرے ہوں گے جو چاہو بغیر بھاؤ تاؤ کیے اور بغیر دام دیئے اٹھا لو کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا۔

مشکل یا ناممکن کا لفظ اہل جنت کی ڈکٹری میں نہ ہوگا، جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو، جو چاہو کرو، جہاں چاہو جاؤ، جہاں چاہو رو۔ کوئی روک ٹوک نہ کوئی پابندی، ہر کام اپنی مرضی کے مطابق۔ بیماری، بڑھاپے اور موت کا داخلہ جنت میں ممنوع ہے، ہر شخص ہر وقت جوان، صحت مند، خوبصورت اور موت کے خوف سے بے خوف رہے گا۔ وہاں نہ کسی سے حسد ہوگا نہ دشمنی اور نہ ہی کسی کا خوف۔ وہاں آپ کو نہ کوئی بُرا منظر دکھائی دے گا نہ آپ کوئی بُری بات سنیں گے۔ وہ جگہ ہر قسم کے خطرات سے پاک ہے اور وہاں ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں قرآن و حدیث میں جنت اور جنتیوں کے بارے میں کیا فرمایا گیا ہے۔

جنت کی کہانی اللہ کی زبانی

سورہ الواقعة میں فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝۱۰ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝۱۱ فِي جَنَّةٍ النَّعِيمِ ۝۱۲ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَىٰ ۝۱۳ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝۱۴ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝۱۵ مُتَّكِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝۱۶ يُطَوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝۱۷ بَاكُوَابٍ وَّ أَبَارِيقٍ ۝۱۸ وَ كَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝۱۹ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَ لَا يُنزِفُونَ ۝۲۰ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝۲۱ وَ لَحْمٍ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝۲۲ وَ حُورٌ عِينٌ ۝۲۳ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝۲۴ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۲۵ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَ لَا تَأْتِيهَا إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝۲۶ وَ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝۲۷ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝۲۸ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝۲۹ وَ طَلْحٍ مَّنضُودٍ ۝۳۰ وَ ظِلِّ مَبْدُودٍ ۝۳۱ وَ مَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝۳۲ وَ فَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝۳۳ لَا مَقْطُوعَةٍ وَ لَا مَمْنُوعَةٍ ۝۳۴ وَ فُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝۳۵ إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنشَاءً ۝۳۶ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝۳۷ عُرْبًا أَتْرَابًا ۝۳۸ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝۳۹ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَىٰ ۝۴۰ وَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝۴۱﴾

(الواقعه: ۱۰-۴۰)

”اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں، وہی تو مقرب لوگ ہیں، نعمت بھری

جنتوں میں رہیں گے، اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔
 مرصع تختوں پر تکیے لگائے آئے سامنے بیٹھیں گے، ان کی مجلسوں میں ابدی
 لڑکے شرابِ چشمہ جاری سے لبریز پیالے اور کنٹر اور ساغر لیے دوڑتے پھرتے
 ہوں گے جسے پی کر نہ ان کا سر چکرائے گا نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا، اور وہ
 ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ پھل پیش کریں گے کہ جسے چاہیں چن
 لیں، اور پرندوں کے گوشت پیش کریں گے کہ جس پرندے کا چاہیں استعمال
 کریں۔ اور ان کے لیے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی، ایسی حسین
 جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ سب کچھ انہیں ان اعمال کی جزا کے طور پر
 ملے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ وہاں کوئی بیہودہ کلام یا گناہ کی بات نہ
 سنیں گے۔ جو بھی بات ہوگی ٹھیک ہوگی۔

اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا۔ وہ بے خار
 بیویوں اور تہ برتہ چڑھے ہوئے کیلوں اور دور تک پھیلی ہوئی چھاؤں اور ہر دم رواں پانی اور
 کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں اور اونچی نشست
 گاہوں میں ہوں گے۔ ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور
 انہیں باکرہ بنا دیں گے، اپنے شوہروں کی عاشق اور ہم سن۔ یہ کچھ دائیں بازو والوں کے لیے
 ہے۔ وہ اگلوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی بہت۔ "کیا دنیا میں ایسی
 زندگی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

سورہ ص میں فرمایا:

﴿وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتٍ عَدْنٍ مُمْتَعَةٍ لَّهُمُ الْآبَوابُ ﴿٥٠﴾
 مُتَّكِنِينَ فِيهَا يُدْعَوْنَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قَصْرٌ
 الظَّرْفِ الْأَيْسَرُ ﴿٥٢﴾ هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَذَا لِرِزْقِنَا مَا لَهُ
 مِنْ نَفَادٍ ﴿٥٤﴾﴾ (ص: ۴۹-۵۴)

”متقی لوگوں کے لیے یقیناً بہترین ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ رہنے والی جنتیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں وہ تکتے لگائے بیٹھے ہوں گے، خوب خوب پھل اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن بیویاں ہوں گی، یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔“

سورہ الرعد میں فرمایا:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ﴾ (الرعد: ۳۵)

”اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال۔ یہ انجام ہے متقی لوگوں کا۔“

سورہ یس میں فرمایا:

﴿إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهِونَ ۖ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَكِونُونَ ۖ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۖ وَ لَهُمْ مِمَّا يَدَّعُونَ ۖ سَلَامٌ ۖ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ۖ﴾ (یس: ۵۵-۵۸)

”آج جنتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے، ہر قسم کی لذیذ چیزیں کھانے پینے کو ان کے لیے وہاں موجود ہیں، جو کچھ وہ طلب کریں ان کے لیے حاضر ہے، رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے۔“

سورہ محمد میں فرمایا:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۚ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّآءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَيْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّرِبِينَ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّن

عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَ لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۗ

(محمد: ۱۵)

”پرہیزگار لوگوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہہ رہی ہوں گی نثرے ہوئے پانی کی، اور نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے دودھ کی جس کے مزے میں ذرا فرق نہ آیا ہوگا، اور نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی، اور نہریں بہہ رہی ہوں گی صاف شفاف شہد کی، اس میں ان کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش۔“

سورہ ق میں فرمایا:

﴿ وَ أُرِلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ۝ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ وَ جَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۗ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝﴾

(ق: ۳۱-۳۵)

”اور جنت متقین کے قریب لے آئی جائے گی، کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ ارشاد ہوگا: یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے والا اور بڑی نگہداشت کرنے والا تھا، جو بن دیکھے رحمن سے ڈرتا تھا اور جو دل گرویدہ لیے ہوئے آیا ہے۔ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ۔ وہ دن حیاتِ ابدی کا دن ہوگا۔ وہاں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے زیادہ بھی بہت کچھ ان کے لیے ہے۔“

سورہ الحاقہ میں فرمایا:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بَيِّنَاتٍ فَيَقُولُ هَآؤُمَا قُرْءَاوَا كِتَابِيَهٗ ۝ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلِقٌ حِسَابِيَهٗ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوفُهَا

دَانِيَةٌ ۝ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ ﴿۲۳﴾

(الحاقہ: ۱۹-۲۳)

”پس جس کا اعمالنامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: لو دیکھو، پڑھو میرا اعمالنامہ، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔ پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا، عالی مقام جنت میں، جس کے پھلوں کے گچھے جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ (ان لوگوں سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے ہیں۔“

سورہ الدھر میں فرمایا:

﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝ وَدَانِيَةٌ عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا تَذَلِيلًا ۝ وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنْيَةِ مِنْ فِضَّةٍ وَ الْكُؤَابُ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝ قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسْقَى سَلْسَبِيلًا ۝ وَ يُطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنثورًا ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ تَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَ مُلْكًا كَبِيرًا ۝ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَ إِسْتَبْرَقٌ ۚ وَ حُلُوءًا ۚ أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقِيمٌ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَ كَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا ۝﴾ (الدھر: ۱۲-۲۳)

”اور ان کے صبر کے بدلے میں (اللہ تعالیٰ) انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ جاڑے کی ٹھہر۔ جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی اور اس کے پھل ہر وقت ان کے بس میں ہوں گے (کہ جس وقت چاہیں انہیں توڑ لیں)۔ ان کے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے

گردش کرائے جا رہے ہوں گے، شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے اور ان کو (منظمین جنت نے) ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہوگا۔ ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ جنت کا ایک چشمہ ہوگا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھیر دئے گئے ہیں۔ وہاں جدھر بھی تم نگاہ ڈالو گے نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بڑی سلطنت کا سر و سامان تمہیں نظر آئے گا۔ ان کے اوپر باریک ریشم کا سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے، ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کارگزاری قابل قدر ٹھیری۔“

سورہ الغاشیہ میں فرمایا:

﴿وَجُوهٌ يُّومِنُ نَاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعِيهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لِاَغْيَةٍ ۝۱۱ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝۱۳ وَ اَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝۱۴ وَ نَبَارِقٌ مَّصْفُوفَةٌ ۝۱۵ وَ زَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝۱۶﴾

(الغاشیہ: ۸-۱۶)

”کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش ہوں گے، عالی مقام جنت میں ہوں گے، کوئی بیہودہ بات وہ وہاں نہ سنیں گے، اس میں چشمے رواں ہوں گے، اس کے اندر اونچی مسندیں ہوں گی، ساغر رکھے ہوئے ہوں گے، گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی اور نفیس فرش بچھے ہوں گے۔“

سورہ الرحمن میں فرمایا:

﴿وَلِيْنٌ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٍ ۝۱۱ ذَوَاتَا اَفْنَانٍ ۝۱۲﴾ ﴿فِيهَا عَيْنٌ تَجْرِيْنَ ۝۱۳﴾ ﴿فِيهَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجِنٌ ۝۱۴﴾ ﴿مُتَّكِنِينَ عَلٰی

فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۗ وَجَنَّاتٍ جَنَّاتٍ دَانٍ ﴿٥٧﴾ ﴿فِيهِنَّ قُصُورٌ
الطَّرِيفُ ۗ لَمْ يَطْبُئْهُنَّ أُنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٨﴾ ﴿كَانَتْهُنَّ أَلْيَاقُوتُ
وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٩﴾ ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ ﴿وَمِنْ
دُونِهَا جَنَّاتٌ ﴿٦١﴾ ﴿مُدْهَامَاتٍ ﴿٦٢﴾ ﴿فِيهَا عَيْنٌ نَضَّاجَاتٌ ﴿٦٣﴾ ﴿
﴿فِيهَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٤﴾ ﴿فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٦٥﴾ ﴿
﴿حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٦٦﴾ ﴿لَمْ يَطْبُئْهُنَّ أُنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا
جَانٌّ ﴿٦٧﴾ ﴿مُتَكَبِّرِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُضِرٍ وَعَبَقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٦٨﴾

(الرحمن: ۴۶-۷۶)

”اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو، دو باغ ہیں ہری بھری ڈالیوں سے بھر پور، دونوں باغوں میں دو چشمے رواں، دونوں باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں۔ جنتی لوگ ایسے فرشوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور باغوں کی ڈالیاں پھلوں سے جھکی پڑ رہی ہوں گی۔ ان نعمتوں کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جن نے نہ چھوا ہوگا، ایسی خوبصورت جیسے ہیرے اور موتی۔ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ ہوں گے، گھنے سرسبز و شاداب باغ۔ دونوں باغوں میں دو چشمے فواروں کی طرح ابلتے ہوئے۔ ان میں بکثرت پھل اور کھجوریں اور انار۔ ان نعمتوں کے درمیان خوب سیرت اور خوبصورت بیویاں۔ خیموں میں ٹھیرائی ہوئی حوریں، ان جنتیوں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جن نے ان کو نہ چھوا ہوگا۔ وہ جنتی سبز قالینوں اور نفیس و نادر فرشوں پر تکیے لگا کے بیٹھیں گے۔“

سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنْتُؤْتِيهِمْ مِثْلَهَا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾﴾

(البقرہ: ۲۵)

”اور اے پیغمبر جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کر لیں، انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔ جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے۔ ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔“

سورہ الرعد میں فرمایا:

﴿جَنَّاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾﴾ (الرعد: ۲۳)

”ایسے باغ جو ان کی ابدی قیام گاہ ہوں گے اور ان کے آبا و اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہیں وہ بھی ان کے ساتھ وہاں جائیں گے۔ فرشتے ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے۔“

سورہ الحجر میں فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٢٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٢٧﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا نَجْوًا وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٢٨﴾﴾ (الحجر: ۲۵-۲۸)

”متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔ ان کے دل میں جو تھوڑی بہت

کھوٹ کپٹ ہوگی اسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ انہیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔“

سورہ الحج میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ لُؤْلُؤًا ۖ وَ لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝﴾ (الحج: ۲۳)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔“

سورہ فاطر میں فرمایا:

﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝۳۴
الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمَقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۗ لَا يَسُنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَسُنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝۳۵﴾ (فاطر: ۳۴-۳۵)

”اور وہ (اہل جنت) کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا، یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھیرا دیا، اب ہمیں نہ کوئی مشقت پیش آتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے۔“

سورہ الصافات میں فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝۳۶ فَوَاكِهُ ۗ وَ هُمْ مُكْرَمُونَ ۝۳۷ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝۳۸ عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝۳۹ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۝۴۰ بِيضَاءَ لَدَّةٍ لِلسَّرْبِينِ ۝۴۱ لَا فِيهَا غَوْلٌ ۖ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۝۴۲ وَ عِنْدَهُمْ

قَصْرَتُ الظَّرْفِ عَيْنٌ ﴿٥٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٥٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٩﴾ (الصافات: ٢١-٥٠)

”ان (اہل جنت) کے لیے جانا پہچانا رزق ہے، ہر طرح کی لذیذ چیزیں اور نعمت بھری جنتیں جن میں وہ عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ شراب کے چشموں سے ساغر بھر بھر کر ان کے درمیان پھرائے جائیں گے۔ یہ چمکتی ہوئی شراب جو پینے والوں کے لیے لذت ہوگی، نہ ان کے جسم کو اس سے کوئی ضرر ہوگا اور نہ ان کی عقل اس سے خراب ہوگی۔ اور ان کے پاس نگاہیں بچانے والی، خوبصورت عورتیں ہوں گی، ایسی نازک جیسی انڈے کے چھلکے کے نیچے چھپی ہوئی جھلی۔ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے۔“

سورہ الدخان میں فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ أَمِينٍ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾﴾ (الدخان: ٥١-٥٦)

”بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے، باغوں اور چشموں میں، حریر و دیبا کے لباس پہنے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ ہوگی ان کی شان۔ اور ہم گوری گوری آہو چشم عورتیں ان سے بیاہ دیں گے۔ وہاں وہ اطمینان سے ہر طرح کی لذیذ چیزیں طلب کریں گے۔ وہاں موت کا مزہ کبھی نہ چکھیں گے۔ بس دنیا میں جو موت آچکی سو آچکی۔“

سورہ الطور میں فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٤﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمُ رَبُّهُمْ ؕ وَوَقُهُمْ

رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
 مُتَكِبِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا
 وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ
 عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ۝ وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَ
 لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْتِيمٌ ۝
 وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ
 بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ (الطور: ۱۷-۲۵)

”متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے، لطف لے رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کا رب انہیں دے گا اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔ (ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے ان کی اس اولاد کو بھی ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہ دیں گے۔ ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔ ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت، جس چیز کو بھی ان کا دل چاہے گا، خوب دئے چلے جائیں گے۔ وہ ایک دوسرے سے جامِ شراب لپک لپک کر لے رہے ہوں گے جس میں نہ یا وہ گوئی ہوگی نہ بد کرداری اور ان کی خدمت میں وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو انہی (کی خدمت) کے لیے مخصوص ہوں گے۔ ایسے خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے (دنیا میں گزرے ہوئے) حالات پوچھیں گے۔“

سورہ القمر میں فرمایا:

﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾ ﴾

(البقرہ: ۵۴-۵۵)

”نا فرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے، سچی

عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔“

اور سورہ النباء میں فرمایا:

﴿ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَاذًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا

دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْعَوْنَ فِيهَا لُغْوًا وَلَا يَكُذِّبًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً

حِسَابًا ﴿٣٦﴾ ﴾ (النباء: ۳۱-۳۶)

”یقیناً متقیوں کے لیے کامرانی کا ایک مقام ہے، باغ اور انگور اور نوخیز ہم سن

لڑکیاں، اور چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں کوئی لغو اور جھوٹی بات وہ نہ سنیں گے۔ جزا

اور کافی انعام تمہارے رب کی طرف سے۔“

قرآن مجید میں جنت اور اہل جنت کے بارے میں اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

یہاں صرف وہ آیات پیش کی گئی ہیں جن سے جنت اور اس کی نعمتوں اور اس کے باسیوں کی

زندگی کا ہلکا سا تصور قائم کیا جاسکے۔ وہاں کی نعمتوں کا صحیح اندازہ اس دنیا میں لگانا مشکل ہے،

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ السجدہ میں فرمایا:

﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً لِّبِمَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ ﴾ (السجدہ: ۱۷)

”پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے

لیے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی تنفس کو خبر نہیں ہے۔“

جنت کی کہانی رسول ﷺ کی زبانی

اسی بات کی توضیح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کی ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا۔“
(صحیح مسلم: ۲۸۲۳)

جنت اور وہاں کی زندگی کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سو برس تک سوار چلتا رہے تو بھی اس کو طے نہ کر سکے۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۲۷-۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”اللہ تعالیٰ جنتیوں کو مخاطب کر کے فرمائے گا: اے جنتیو! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب، ہم حاضر خدمت ہیں اور سب بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے ہم بھلا کیوں راضی نہ ہوں! آپ نے ہمیں اتنا دیا کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اتنا نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں تم کو اس سے بھی عمدہ کوئی چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے، اے پروردگار اس سے عمدہ کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم پر اپنی رضا مندی اتا رہی، اب اس کے بعد میں تم پر کبھی غصہ نہ ہوں گا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۲۹-۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جنت کے لوگ اپنے اوپر کے درجہ والوں کو دیکھیں گے، ایسے جیسے تم مشرق یا مغرب میں دور آسمان کے کنارے پر چمکتے ہوئے تارے کو دیکھتے ہو۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں درجوں کا فرق ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ درجے تو پیغمبروں کے ہوں گے، دوسرے لوگوں کو تو نہیں ملیں گے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان درجوں میں وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لائے اللہ پر اور سچا جانا انہوں نے پیغمبروں کو!۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں ایک بازار ہے، جس میں جنتی ہر جمعہ کے روز جمع ہوا کریں گے۔ پھر شمال سے ہوا چلے گی اور ان کے کپڑوں اور چہروں سے چھوئے گی تو ان کا حسن و جمال بڑھ جائے گا۔ (جب وہ لوٹ کر گھر آئیں گے تو) گھر والے ان سے کہیں گے: خدا کی قسم تمہارا حسن و جمال تو بہت بڑھ گیا ہے۔ پھر وہ جواب دیں گے: خدا کی قسم! تمہارا حسن و جمال بھی ہمارے بعد زیادہ ہو گیا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے پہلے جو گروہ جنت میں جائے گا وہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا، پھر جو گروہ ان کے بعد جائے گا وہ سب سے زیادہ چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہوگا۔ جنتی نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، نہ تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے۔ (انہیں یہ ضروریات لاحق نہیں ہوں گی) ان کے پسینے سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کی انگلیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا اور ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور ان کے اخلاق ایک جیسے ہوں گے، اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے، ساٹھ ہاتھ قد ہوگا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۳۴)

مسلم ہی کی ایک حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے برتن بھی سونے کے ہوں گے اور یہ کہ اہل جنت میں نہ کوئی اختلاف ہوگا نہ بغض، ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کریں گے۔“

(صحیح مسلم: ۲۸۳۴-۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”جو شخص جنت میں جائے گا چین سے رہے گا، بے غم رہے گا، نہ اس کے
 کپڑے کبھی بوسیدہ ہوں گے، نہ جوانی ختم ہوگی۔ (ہمیشہ جوان رہے گا، کبھی
 بوڑھا نہ ہوگا) (صحیح مسلم: ۲۸۳۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”جنت میں ایک کمان کے برابر جگہ یا ایک قدم کے فاصلہ کے برابر جگہ دنیا اور جو کچھ
 اس میں ہے سے بہتر ہے۔ اور اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی
 طرف جھانک کر دیکھ لے تو آسمان سے لے کر زمین تک منور کر دے اور ان تمام کو
 خوشبو سے بھر دے اور اس کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۵۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
 ”اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف
 ہوں گے، مسیں بھیگ رہی ہوں گی مگر ڈاڑھی نہ نکلی ہوگی، گورے چٹے ہوں
 گے، گٹھے ہوئے بدن ہوں گے، آنکھیں سرگیں ہوں گی۔ سب کی عمریں تینتیس
 (۳۳) سال کی ہوں گی۔“ (حسن: مسند احمد: ۹۳۳-۷۔ جامع ترمذی: ۲۵۳۹)

شمال ترمذی کی روایت ہے کہ ایک بڑھیا نے نبی ﷺ سے عرض کیا:
 ”میرے حق میں جنت کی دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے (ازراہ مذاق) فرمایا:
 جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہ ہوگی۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ ﷺ نے
 لوگوں سے فرمایا: اسے بتاؤ کہ وہ بڑھانپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہو
 گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم انہیں خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں
 گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے۔“ (ضعیف: شمال ترمذی: ۲۳۰-۲۲۱۔ یہ روایت
 مرسل ہے۔ نیز اس کا معنی صحیح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ سابقہ حدیث میں گزرا ہے۔ حدیث پر
 مفصل کلام سلسلہ الصحیحہ: ۲۹۸۷ میں دیکھیں)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہ چکے ہوں اور وہ سب جنت میں جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ملے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جسے چاہے چُن لے اور وہ اس شخص کو چُننے کی جوان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گی: اے رب! اس کا برتاؤ میرے ساتھ سب سے اچھا تھا، اس لیے مجھے اس کی بیوی بنا دے۔ اے ام سلمہ! حسنِ اخلاق دنیا اور آخرت کی ساری بھلائی لوٹ کر لے گیا ہے۔“ (ضعیف: معجم الکبیر للطبرانی ۲۳ / ۳۶۷، رقم: ۸۷۰۔ معجم الاوسط: ۳۱۴۱۔ اس کی سند میں سلیمان بن ابی کریمہ راوی ضعیف ہے۔)

جنت بڑی ہی پیاری جگہ ہے، ہمارے تصورات سے بھی زیادہ حسین۔ اس کا ذکر سن کر تو ہر شخص کو اس کی طرف لپکنا چاہیے لیکن اس کے حسن اور کشش کے باوجود بہت کم لوگ ہیں جو اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس کا جواب درج ذیل حدیث میں دیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت گھیری گئی ہے ان باتوں سے جو نفس کو ناگوار ہیں اور جہنم گھیری گئی ہے نفس کی خواہشوں سے۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۲۲)

جنت ایسی جگہ ہے جہاں ایک لمحہ گزارنے کے بعد انسان زندگی کی ساری کلفتیں اور محرومیاں بھول جائے گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا شخص جس کی ساری زندگی تنگ دستی، بیماری اور مصائب میں گزری لیکن بُرے سے بُرے حالات میں بھی اس نے اللہ کو یاد رکھا اور مصائب پر صبر کی بدولت اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ ایک لمحہ جنت میں گزارنے کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی کوئی دکھ اور مصیبت دیکھی ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ دکھ اور مصیبت کیا ہوتے ہیں۔

جہنم

حساب کا مرحلہ ختم ہونے کے بعد کفار و مشرکین و منافقین اور دیگر مجرمین کو جانوروں کی

طرح ہانک کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ مریم کی اس آیت میں فرمایا:

﴿وَأَسْوَقُ الْبُجْرَمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِدًّا﴾ (مریم: ۸۶)

”اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔“

اور سورہ الزمر کی درج ذیل آیات بھی اسی بات کی نشاندہی کر رہی ہیں:

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ

وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَىٰ

الْكَافِرِينَ ۖ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبُئْسَ مَثْوَىٰ

الْمُتَكَبِّرِينَ ۖ﴾ (الزمر: ۷۱-۷۲)

”(اس فیصلہ کے بعد) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا، جہنم کی طرف گروہ درگروہ

ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے

کھولے جائیں گے اور اس کے کارندے ان سے کہیں گے: ”کیا تمہارے پاس

تمہارے اپنے لوگوں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے، جنہوں نے تم کو

تمہارے رب کی آیات سنائی ہوں اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت

تمہیں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا؟ وہ جواب دیں گے: ”ہاں آئے تھے، مگر عذاب کا

فیصلہ کافروں پر چپک گیا۔ کہا جائے گا: داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں،

یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے یہ متکبروں کے لیے۔“

بدترین ٹھکانا

جہنم ایسی بری جگہ ہے اور اس میں ایسے ایسے عذاب ہیں کہ ان کا تصور بھی نہیں کیا جا

سکتا۔ یہ آگ اور لپکتے ہوئے شعلوں کا گھر ہے اور آگ بھی وہ جو ہماری دنیا کی آگ سے

سترگنا زیادہ تیز اور سخت ہے۔ شاید ایٹمی بھٹی یا اس سے بھی زیادہ گرم جس میں جو چیز بھی

ڈالی جائے ایک منٹ میں راکھ بنا دے۔

یہ تو اہل جہنم کی رہائش گاہ ہے، جیسا کہ سورہ الاعراف میں فرمایا:

﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ (الاعراف: ۴۱)

”ان کے لیے تو جہنم (آگ) کا بچھونا ہوگا اور جہنم (آگ) ہی کا اوڑھنا۔“

جس میں وہ مسلسل جلتے رہیں گے لیکن مریں گے نہیں۔ اس کے علاوہ بھی بڑے

عذاب ہیں۔ بچھو، سانپ، اژدھے اور پتہ نہیں کون کون سی بلائیں جو ہمارے

تصور میں بھی نہیں اور جن کی جسامت اتنی بڑی کہ ہمارے تصور سے بھی ماورا!

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہاں بچھو خچر کے سائز کے ہوں گے۔ ہم جس بچھو سے

واقف ہیں وہ تو ایک چھوٹا سا زہریلا کیڑا ہے جسے پاؤں سے مسلا جا سکتا ہے۔ اسی سے

اندازہ لگا لیجئے کہ وہاں دوسری بلاؤں کی کیا جسامت ہوگی۔

دیگر عذابوں کے علاوہ جہنمیوں کا کھانا پینا بھی بہت بڑا عذاب ہوگا۔ کھانے کے لیے بد

بودار، کڑوی اور کانٹے دار غذائیں ان کو دی جائیں گی اور پینے کے لیے زخموں کا دھوون،

پیپ اور ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ قرآن و حدیث میں جہنم اور اہل جہنم کی زندگی کو تفصیل

سے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ اپنے آپ کو اس سے بچا سکیں۔

جب تک انسان زندہ ہے جنت اور جہنم دونوں اس کے بس میں ہیں، جسے چاہے اپنے

لیے منتخب کر لے۔ دونوں راستے کھلے ہیں، ان کے فائدے اور نقصانات واضح ہیں، انسان کو

اختیار کی پوری آزادی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتا۔

﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (الکہف: ۲۹)

”جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔“

آئیے، دیکھتے ہیں قرآن و حدیث میں جہنم کے بارے میں کیا بیان فرمایا گیا ہے۔

جہنم کا بیان بزبان قرآن

سورہ التوبہ میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَ

ظُهُورُهُمْ ۚ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

(التوبہ: ۳۵)

”ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔“ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ ناجائز سمیٹی ہوئی دولت ایک زہریلے ناگ کی صورت میں اس شخص کے گلے کا طوق بن جائے گی جو ہر وقت اس کے جبرڑوں کو کاٹتا رہے گا۔ یہ ہے ناجائز دولت کا عذاب۔“ (صحیح بخاری: ۱۴۰۳)

سورہ ابراہیم میں فرمایا:

﴿مَنْ ذَرَأَهُ جَهَنَّمَ وَ يُسْقَى مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۖ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ ۖ وَيَأْتِيهِ الْبُوتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ۖ وَ مَا هُوَ بِسَيِّئٍ ۚ وَ مِنْ ذَرَأِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿١٥﴾﴾ (ابراہیم: ۱۶-۱۷)

”پھر اس کے بعد آگے اس کے لیے جہنم ہے وہاں اسے کچ لہو کا سا پانی پینے کے لیے دیا جائے گا، جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل ہی سے اتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کا لاگور ہے گا۔“ جب ایک عذاب ختم ہوگا تو دوسرا تیار ہوگا جو اس سے بھی سخت ہوگا۔ نجات کا کوئی لمحہ اسے میسر نہ ہوگا۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِّيًّا ۖ وَ بُكْمًا ۖ وَ صَبًّا ۖ مَا وَلَّهُمْ جَهَنَّمَ ۚ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿١٥﴾﴾ (بنی اسرائیل: ۹۷)

”ان لوگوں کو ہم قیامت کے روز اوندھے منہ کھینچ لائیں گے، اندھے، گونگے اور بہرے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم



اسے اور بھڑکا دیں گے۔“

جہنم کی آگ کبھی بجھنے نہ پائے گی۔

سورہ الحج میں فرمایا:

﴿فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَ لَهُمْ مَقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾﴾ (الحج: ۱۹-۲۲)

”جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے، اور ان کی خبر لینے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے۔ جب کبھی گھبرا کر وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے پھر اسی میں واپس دھکیل دئے جائیں گے کہ چکھو اب جلنے کی سزا کا مزہ۔“

جب وہ باہر نکلنے کی کوشش کریں گے تو لوہے کے گرزوں سے ان کی پٹائی ہوگی اور وہ واپس اسی آگ میں جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

سورہ العنکبوت میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَ يَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾﴾ (العنکبوت: ۵۵)

”اس روز عذاب انہیں اوپر سے بھی ڈھانک لے گا اور پاؤں کے نیچے سے بھی اور کہے گا کہ اب مزا چکھو ان کرتوتوں کا جو تم کرتے تھے۔“

گویا جہنم ان سے متکلم ہوگی اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو پتھروں

کو بھی زبان دے دے۔

سورہ السجدہ میں فرمایا:

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَبَأَوْ لَهُمُ النَّارُ ۗ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ تُكذِّبُونَ﴾ (السجده: ۲۰)

”اور جن لوگوں نے فسق اختیار کیا ہے ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب کبھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، اسی میں دھکیل دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو اب اسی آگ کے عذاب کا مزہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

سورہ فاطر میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۗ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفَ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كٰفِرٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا ۗ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صٰلِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۗ اَوْ لِمَ نُعٰذِرُكَ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ ۗ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۗ فَذُوقُوا فَبٰلٍ لِّلظٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾﴾ (فاطر: ۳۶-۳۷)

”اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کا قصہ پاک کر دیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ ان کے لیے جہنم کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر اس شخص کو جو کفر کرنے والا ہو۔ وہ وہاں چیخ چیخ کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں، ان اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے رہے تھے۔ (انہیں جواب دیا جائے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو لے سکتا تھا؟ اور تمہارے پاس متنبہ کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مزہ چکھو۔ ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔“

یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ عمل کے لیے یہی زندگی ہے اور اپنے آپ کو بچانے کا موقعہ صرف اس زندگی کی مہلت ختم ہونے تک ہے، یہ مہلت ختم

ہونے کے بعد کوئی دوسرا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

سورہ الصافات میں فرمایا:

﴿إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿٢٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٢٤﴾
 طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رِئَاسٌ الشَّيْطَانِ ﴿٢٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَأَكَلُونَ مِنْهَا فَأَبْكَاتُونَ مِنْهَا
 الْبُطُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَيْمٍ ﴿٢٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى
 الْجَحِيمِ ﴿٢٨﴾﴾ (الصافات: ۲۳-۲۸)

”ہم نے اس (زقوم کے درخت) کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے، اس کے شگو نے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔ جہنم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھرین گے، پھر اس پر پینے کے لیے ان کو کھولتا ہوا پانی ملے گا اور اس کے بعد ان کی واپسی اسی آتش دوزخ کی طرف ہوگی۔“

سورہ ص میں فرمایا:

﴿وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْبِهَادُ ﴿٥٦﴾ هَذَا
 فَلْيَذُوقُوهُ حَبِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخِرُ مِنْ سُكُلِهِ ۖ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾﴾ (ص: ۵۵-۵۸)
 ”اور سرکشوں کے لیے بدترین ٹھکانا ہے، جہنم جس میں وہ جھلسے جائیں گے، بہت ہی بری قیام گاہ۔ یہ ہے ان کے لیے، پس وہ مزا چکھیں کھولتے ہوئے پانی اور پیپ، لہو اور اسی قسم کی دوسری تلخیوں کا۔“

سورہ الزخرف میں فرمایا:

﴿إِنَّ الْجُرْمِينَ فِي عَذَابٍ مُّتَسَاوِينَ ﴿٤٤﴾ لَّا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ
 مُّبْلِسُونَ ﴿٤٥﴾﴾ (الزخرف: ۴۴-۴۵)

”بے شک مجرمین ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ کبھی ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔“

دائمی عذاب ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان نہیں لائے، رہے وہ مجرمین جنہوں نے اللہ کی نافرمانیاں تو کیں لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا وہ جب اپنے گناہوں کی سزا بھگت چکیں گے تو ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

سورہ الدخان میں فرمایا:

﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۳۳﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿۳۴﴾ كَالْهَيْلِ يُغْلَى فِي الْبُطُونِ ﴿۳۵﴾
كَغَلِيِّ الْحَمِيمِ ﴿۳۶﴾ خُدُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۳۷﴾ ثُمَّ صَبُّوا فَوْقَ
رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿۳۸﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿۳۹﴾﴾

(الدخان: ۲۳-۲۹)

”زقؤوم کا درخت گناہ گار کا کھانا ہوگا، تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں وہ اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ پکڑو اسے اور رگیدتے ہوئے لے جاؤ اس کو جہنم کے بیچوں بیچ اور انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب۔ چکھ اس کا مزا، بڑا زبردست آدمی ہے تو۔“

یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور بڑے عزت دار بنتے ہیں لیکن فی الواقع اللہ کے نافرمان ہوتے ہیں۔

سورہ الرحمن میں فرمایا:

﴿يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيئَتِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۲۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۲۲﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۲۳﴾ يُطَوَّفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ ﴿۲۴﴾﴾ (الرحمن: ۲۱-۲۴)

”مجرم وہاں اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں پکڑ کر گھسیٹا جائے گا (اس وقت ان سے کہا جائے گا) یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرمین جھوٹ قرار دیا کرتے تھے۔ اسی جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ گردش کرتے رہیں گے۔“

یہ آخرت اور اس کے عذاب و ثواب کا انکار کرنے والے لوگ ہیں۔

سورہ الواقعہ میں فرمایا:

﴿وَأَصْحَابُ الشَّيْءِ مَا أَصْحَابُ الشَّيْءِ ۗ فِي سَعِيرٍ وَحَمِيمٍ ۗ وَظِلٌّ
مِّنْ يَّحْمُومٍ ۗ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۗ
وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۗ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۗ أَإِنَّا مِثْنَا وَكُنَّا
تُرَابًا وَعِظَامًا ؕ إِنَّا لَنَبْعَثُوهُمْ ۗ أَوْ آبَاءُؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ
وَالْآخِرِينَ ۗ لَجَمْعُوعُونَ ۗ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۗ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا
الصَّالِحُونَ الْمُكَذِّبُونَ ۗ لَا تَكُونُوا مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُومٍ ۗ فَبَالِكُونَ مِنْهَا
الْبُطُونَ ۗ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۗ فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ ۗ
هَذَا نُزِّلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۗ﴾ (الواقعہ: ۳۱-۵۶)

”اور بائیں بازو والے، بائیں بازو والوں (کی بد نصیبی) کا کیا پوچھنا۔ وہ لو کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھوئیں کے سائے میں ہوں گے، جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ آرام دہ۔ (اے گمراہو!) تم زقوم کے درخت کی غذا کھانے والے ہو۔ اسی سے تم پیٹ بھرو گے اور اوپر سے کھولتا ہوا پانی تونس لگے ہوئے اونٹ کی طرح پیو گے۔ یہ ہے (بائیں بازو والوں) کی ضیافت روز جزا میں۔“

سورہ الملک میں فرمایا:

﴿وَاللَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ۗ إِذَا أُلْقُوا
فِيهَا سَبَعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۗ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۗ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا
فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۗ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۗ
فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ؕ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۗ﴾
(الملک: ۶-۹)

”جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ

بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی ہولناک آواز سنیں گے اور وہ جوش کھا رہی ہوگی، شدتِ غضب سے پھٹی جاتی ہوگی۔ ہر بار جب کوئی انبوه اس میں ڈالا جائے گا، اس کے کارندے ان لوگوں سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں خبردار کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا: اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے، تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔“

ان آیات سے تو یوں محسوس ہوتا کہ جہنم کوئی بے جان چیز نہیں بلکہ بہت ہی خوفناک قسم کا درندہ ہے جو اپنے شکار پر بہت ہی خوف ناک طریقے سے جھپٹے گا اور اسے تہس نہس کر دے گا۔

سورہ الحاقہ میں فرمایا:

﴿ خُدُوهُ فَغُلُّوهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَلَئِنَّ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَبِيمٌ ۝ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝ ﴾ (الحاقہ: ۳۰-۳۷)

”پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو، پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ لہذا آج نہ اس کا کوئی یارِ غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا، جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان کے بعد غربا و مساکین کی مدد کرنا اللہ کو

بہت پسند ہے۔

سورہ المعارج میں فرمایا:

﴿ كَلَّا إِنَّهَا لَأُظْفَىٰ ۖ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۖ تَدْعُوا مَن أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۖ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۖ ﴾ (المعارج: ۱۵-۱۸)

”ہرگز نہیں۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی، پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔“

ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مال جمع کرتے رہنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اللہ کو نہایت ناپسند ہے۔

سورہ الدھر میں فرمایا:

﴿ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِّلْكَافِرِينَ سَلَٰسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۖ ﴾ (الدھر: ۴)

”کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔“

سورہ النبا میں فرمایا:

﴿ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۖ لِّلطَّٰغِيْنَ مَا بَأْسًا ۖ لِبِئْسَ لِيْنَ فِيهَا أَحْقَابًا ۖ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۖ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۖ جَزَاءً وِّفَاقًا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۖ ﴾ (النبا: ۲۱-۲۷)

”بے شک جہنم ایک گھات ہے، سرکشوں کا ٹھکانا، جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ اس کے اندر کسی ٹھنڈک اور پینے کے قابل کسی چیز کا مزہ وہ نہ چکھیں گے۔ کچھ بے گاتو بس گرم پانی اور زخموں کا دھوون (ان کے کرتوتوں کا) بھر پور بدلہ۔ وہ کسی حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔“

سورہ الغاشیہ میں فرمایا:

﴿ وَجُوهٌ يُّوْمِنُ خَاشِعَةً ۖ ۖ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۖ تَصَلِيٰ نَارًا حَامِيَةً ۖ تُسْقٰى مِن عَيْنٍ اِنِّيَّةٍ ۖ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِّنْ صَرِيحٍ ۖ لَا يُسْبِنُ وَلَا يُغْنِيٰ



مِنْ جُوعٍ ۝ (الغاشیہ: ۲-۷)

”کچھ چہرے اس روز خوف زدہ ہوں گے، سخت مشقت کر رہے ہوں گے، تھکے جاتے ہوں گے، شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے، کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں دیا جائے گا، خاردار سوکھی گھاس کے سوا کوئی کھانا ان کے لیے نہ ہوگا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔“

جہنم کے کھانوں میں نہ مزہ ہوگا نہ غذا نیت

سورہ اہمزہ میں فرمایا:

﴿كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقَدَةُ ۝
الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِئَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوسَدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُّبَدَّدَةٍ ۝﴾
(الهمزة: ۴-۹)

”ہرگز نہیں، وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ؟ اللہ کی آگ، خوب بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی، (اس حالت میں کہ وہ آگ کے) اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے)۔“

قرآن مجید کے بعد آخرت کے علم کا دوسرا سرچشمہ حدیث ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں احادیث نبوی میں جہنم کے بارے میں کیا فرمایا گیا ہے۔

جہنم کا بیان بزبان حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس دن جہنم لائی جائے گی، اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر ایک باگ کو

ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوں گے۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۴۲)

سورہ الملک میں فرمایا گیا ہے کہ دوزخ نہایت غضب ناک ہوگی اور دھاڑے گی۔

سورہ المعارج میں فرمایا کہ دوزخ حق سے منہ موڑنے والوں کو اپنی طرف بلائے گی اور یہاں اس حدیث میں فرمایا کہ اس کی باگیں (یا لگائیں) ہوں گی جو بے شمار فرشتے اس کو قابو میں رکھنے کے لیے کھینچ رہے ہوں گے۔ اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ جہنم آگ کا کوئی بے جان گڑھا نہیں ہے بلکہ جیتی جاگتی آگ ہے جسے خصوصی طور پر اللہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہاری یہ آگ جس کو آدمی روشن کرتا ہے اس میں گرمی کا ایک حصہ ہے۔ جہنم کی آگ میں ایسے ستر حصے گرمی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! (جلانے کے لیے تو) یہی آگ کافی تھی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو اس سے انہتر حصے زیادہ گرم ہے، ہر حصہ میں اتنی گرمی ہے (جتنی اس آگ میں ہے)“ (صحیح مسلم: ۲۸۴۳)

اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے، آمین۔

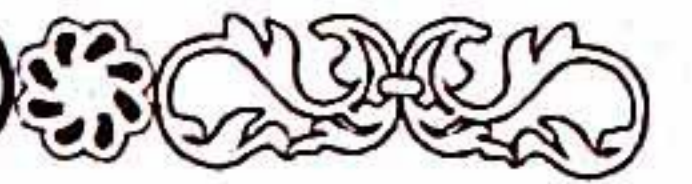
حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جہنم کی آگ بعض لوگوں کو ٹخنوں تک پکڑے گی، بعض کو گھٹنوں تک، بعض کو کمر بند تک اور بعض کو گردن تک پکڑے گی۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۴۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جنت اور دوزخ نے جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا، مجھ میں بڑے بڑے، زور آور اور مغرور لوگ آئیں گے۔ جنت نے کہا مجھ میں ناتواں اور مسکین لوگ آئیں گے۔ (اس پر) اللہ جل جلالہ نے دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے، میں جس کو چاہوں گا تجھ سے عذاب دوں گا اور جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، جس پر چاہوں گا تجھ سے رحم کروں گا اور تم دونوں بھری جاؤ گی۔“

(صحیح مسلم: ۲۸۴۶)



حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب جنت والے جنت اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے بیچ میں ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا۔ اے جنت والو! اب موت نہیں ہے، اور اے دوزخ والو! اب موت نہیں ہے۔ جنت والوں کو یہ سن کر خوشی پر خوشی حاصل ہوگی اور دوزخ والوں کو رنج پر رنج ہوگا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کافر کا دانت یا اس کی کچلی احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی راہ ہوگی۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان تیز روسوار کے تین دن کی راہ ہوگی۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۵۲)

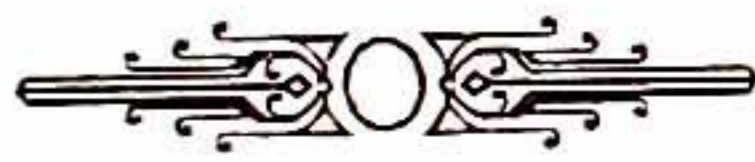
ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جہنم کی جسامت بہت زیادہ بڑھا دی جائے گی تاکہ انہیں بہت زیادہ اور بہت سخت عذاب دیا جاسکے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ سب سے کم عذاب پانے والے سے پوچھے گا، اگر تمہیں روئے زمین کی ساری چیزیں میسر ہوں تو کیا تم (اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے) ان کو فدیہ میں دے دو گے، وہ کہے گا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم سے اس سے آسان چیز کا مطالبہ اس وقت کیا تھا جب تم آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تم نے (توحید کا) انکار کیا اور نہ مانا اور شرک کیا۔“ (صحیح بخاری: ۶۵۵۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ”قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب اس شخص کا ہوگا جس کے دونوں قدموں
 کے نیچے آگ کا انگارہ رکھا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس کا دماغ گھول رہا
 ہوگا جس طرح ہانڈی اور کیتلی جوش کھاتی ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۵۶۲)

جہنم ایسا عذاب خانہ ہے جس میں مجرموں کو ان کے جرائم کے مطابق مختلف سزائیں دی
 جائیں گی جن میں سے ہلکی ترین سزا کا ذکر درج بالا حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ ایسی جگہ ہے
 کہ جس میں ایک لمحہ گزارنے کے بعد انسان زندگی کے سارے سکھ اور اس کی ساری خوشیاں
 بھول جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا شخص جس نے دنیا میں کبھی دکھ دیکھا ہی نہیں
 اور جس کی ساری زندگی عیش و آرام میں گزری اور جس نے نعمتیں پانے کے بعد اللہ کو بھلا دیا
 اور نتیجتاً جہنم میں پہنچ گیا، جہنم میں ایک غوطہ دینے کے بعد اس سے جب پوچھا جائے گا کہ کیا
 تم نے کبھی خوشی دیکھی ہے تو وہ کہے گا میں تو جانتا ہی نہیں کہ خوشی کیا ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ
 کیا جاسکتا ہے کہ جہنم کیسی خوفناک جگہ ہے کہ اس میں ایک لمحہ گزارنے کے بعد انسان ساری
 زندگی کے عیش و آرام کو بھول جائے گا۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔





چوتھا باب:

الہامی کتب پر ایمان

توحید، رسالت اور آخرت ایمان کے تین بنیادی ستون ہیں۔ ان کے ساتھ ایمان کے تین اور ستون بھی ہیں اور وہ ہیں الہامی کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان اور تقدیر پر ایمان۔ ان میں سے الہامی کتب پر ایمان تو رسالت پر ایمان ہی کا حصہ ہے۔ درحقیقت رسولوں پر ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لیے منتخب کیے گئے تھے اور انہیں اللہ کی طرف سے خصوصی رہنمائی ملتی تھی یہ رہنمائی الہامی کتب اور الہامی صحیفوں کے طور پر معروف ہے۔

ان صحیفوں میں سے بیشتر تو امتدادِ زمانہ کے ساتھ ناپید ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی انسانی دست برد سے محفوظ نہیں رہے۔ سوائے قرآن کے سب میں تحریف ہو چکی ہے۔ بہر حال الہامی تعلیمات کے تحریف شدہ جو نسخے اس وقت کتابی شکل میں موجود ہیں ان میں سے قدیم ترین زبور ہے جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے وارث چونکہ یہودی ہی تھے اس لیے یہ تورات ہی کا حصہ بن گئی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور دوسری قدیم ترین الہامی کتاب ہے۔ تورات کا یہ حصہ داؤد علیہ السلام کے ترانوں کے نام سے معروف ہے۔

تورات کے بعد انجیل نازل ہوئی۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔ انجیل کے چار مختلف نسخے ہیں جو چار مختلف اشخاص نے عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کی طرف اٹھائے جانے کے کافی عرصہ بعد لکھے ہیں۔ ان میں اختلافات ہونے کے باوجود بھی عیسائی ان چاروں کو مستند مانتے ہیں۔ ان چاروں کا مجموعہ انجیل کہلاتا ہے۔ ان چار کے علاوہ ایک پانچواں نسخہ بھی ہے جو سینٹ برناباس کی انجیل کے نام سے معروف ہے۔ لیکن عیسائی دنیا اس کو نہیں مانتی، حالانکہ انجیل کے مصنفین میں یہ واحد شخص ہے جس کا نام عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ملتا ہے۔

شروع میں متعدد اناجیل متداول تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا جو حصہ جس کے پاس موجود تھا وہ انجیل ہی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بعد میں جب رومن بادشاہ آگسٹائن نے عیسائیت قبول کی تو اس نے ایک انجیل پر لوگوں کو متحد کرنے کی خاطر عیسائی مذہبی رہنماؤں کی کانفرنس بلائی اور اناجیل کے متعدد نسخوں میں سے کسی ایک پر متحد ہونے کو کہا۔ یہ لوگ ایک لمبی مدت تک بحث و تمحیص میں مصروف رہے لیکن ان کا کسی پر اتفاق نہ ہو سکا۔ بادشاہ اور مذہبی رہنما بھی اس بحث و مباحثہ سے تنگ آ گئے اور انہوں نے کسی معجزے پر انحصار کا فیصلہ کیا۔

ساری اناجیل ایک کمرے میں اکٹھی کر دی گئیں اور کمرے کے اندر ایک میز رکھ دی گئی۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگلے دن صبح انجیل کا جو نسخہ میز کے اوپر ملے گا وہ سب کے لیے قابل قبول ہوگا۔ اس فیصلے کے بعد کمرہ مقفل کر کے چابی شاہی نگرانی میں دے دی گئی۔ اگلے دن یہ چاروں نسخے جو آج عیسائی دنیا میں متداول ہیں میز کے اوپر پائے گئے۔ اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ معجزہ اس کا اپنا تھا، بادشاہ کا تھا، نگران کا تھا یا پھر ان چار نسخوں کے حامیان کا؟

ان کے علاوہ صحف ابراہیم کا ذکر بھی قرآن میں ملتا ہے لیکن اس کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں ہے۔ ہندوؤں کے وید اور زرتشتیوں کی اوستا بھی ان کے نزدیک الہامی کتابیں ہیں لیکن ہمارے پاس ان کی تصدیق یا تردید کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ہم صرف انہیں کتابوں کو الہامی کتب میں شمار کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن یا حدیث میں موجود ہے اور وہ صرف زبور، تورات اور انجیل ہیں۔ اس لیے ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتابیں اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھیں اور ان پر ایمان اسلامی عقائد کا حصہ ہے۔

قرآن مجید کے نزول کے بعد ان پر عمل معطل ہو چکا ہے۔ اگر ان میں تحریف نہ ہوتی تو بھی نئے اڈیشن (قرآن) کے آنے کے بعد یہ پرانے اڈیشن (زبور، تورات، انجیل) منسوخ تھے، مگر اب تو ان کی تعلیمات ہی مشکوک ہیں، ان پر عمل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب عمل کے لیے مفید نہیں تو ماننا کیوں ضروری ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

تحریف شدہ الہامی کتب پر ایمان کیوں ضروری ہے

ان کتابوں پر ایمان دراصل اس بات کی تصدیق ہے کہ ان کتب کا سرچشمہ بھی وہی ہے جو قرآن کا سرچشمہ ہے اور ان کے لانے والے اللہ کی طرف سے بھیجے گئے سچے اور برگزیدہ رسول تھے۔ یہ قرآن کے اس حکم کی تعمیل ہے کہ ہم اللہ کی طرف سے بھیجے گئے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کو مانیں گے اور اس کو نہیں مانیں گے، ہمارا ماننا یا نہ ماننا ہماری خواہش کے تابع نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں اس سلسلے میں قرآن و حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمِنَ بِاللَّهِ
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نَفَرِقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَبِعْنَا
وَاطْعَنَّا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾﴾ (البقرہ: ۲۸۵)

”رسول ﷺ اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ: ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔ ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک، ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔“

سورہ نساء میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ
وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَكُتُبِهِ
وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾﴾ (النساء: ۱۳۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کی کتاب پر اور اس کے رسولوں پر جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر

جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے انکار کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔“

سورہ نساء ہی میں ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرُهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۵۰-۱۵۲)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہیں مانیں گے، اور کفر اور ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب بکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے وہ سزا مہیا کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل و خوار کر دینے والی ہوگی۔ بخلاف اس کے جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں، ان کو ہم ضرور ان کے اجر عطا کریں گے۔ اور اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

ان آیات میں اللہ، آخرت، تمام انبیاء، ان پر نازل ہونے والی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے اور اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ ان میں فرق نہ کیا جائے۔ فرق سے مراد یہ ہے کہ کسی کو مانا جائے اور کسی کا انکار کیا جائے، جیسے یہود و نصاریٰ نے کیا۔ ایسا کرنے والوں کو کافر قرار دیا گیا اور انہیں سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بات واقعی ایمان کے منافی ہے۔ ایمان میں اختیار نہیں ہے کہ جو جی چاہے مان لو اور جو نہ چاہے نہ مانو۔ اگر یہ اختیار دے دیا جائے تو پھر



ایمان کیسا؟ یہ تو خواہشات کی پیروی ہوئی، اور ایمان کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ انسان خواہشات کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں چلا جائے۔ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہشات کی بجائے اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے۔ اس لیے جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے ان سب کو ماننا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کی نفی ایمان کی نفی ہے۔

انسان کے لیے ایمان کا راستہ ہی بہتر راستہ ہے۔ ذرا سوچئے کہ اگر ہر کسی کو اس کی مرضی کے مطابق چلنے کا اختیار دے دیا جاتا تو دنیا میں کس قدر فساد برپا ہوتا۔ کوئی دو افراد ایسے نہیں ہوں گے جن کی خواہشات کہیں نہ کہیں آپس میں ٹکراتی نہ ہوں۔ اس صورت میں یہ دنیا کا نظام شاید ایک دن بھی نہ چل پاتا۔

ایمان کے چھ ارکان

حدیث کے مطابق ایمان کی بنیاد چھ (۶) چیزوں پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”ایک شخص آیا اور رسول اللہ ﷺ کے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور اس بات پر ایمان لائے کہ تو آخرت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ہر طرح کی تقدیر (اچھی اور بری) پر ایمان لائے۔ اس شخص نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔“

صحابہ کرام حیران ہوئے کہ یہ کیسا شخص ہے کہ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب کی تصدیق کرتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ادب و احترام کی بنا پر صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھتے تھے اور حتی الوسع سوال پوچھنے سے گریز کرتے تھے۔ بسا اوقات اس انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ کوئی سوال کرے اور انہیں ان کے سوال کا جواب مل جائے۔

(صحیح بخاری: ۵۰۔ صحیح مسلم: ۹)



فرشتوں پر ایمان

فرشتے بھی جنوں اور انسانوں کی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کی تخلیق نور (روشنی) سے ہوئی ہے، جبکہ جنوں کی تخلیق نار (آگ) سے اور انسانوں کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ لیکن مادہ تخلیق کی بنا پر کوئی کسی سے افضل نہیں ہے۔ شیطان کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی تھی کہ وہ انسان سے اس بنا پر افضل ہے کہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے، اور اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کر کے ربّ ذوالجلال کی نافرمانی کی اور راندہ درگاہ ہو گیا۔ افضل تو وہی ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ افضل قرار دے اور اس نے آدم علیہ السلام کو جنوں اور فرشتوں سے سجدہ کروا کر انسان کی افضلیت کا اعلان کر دیا۔

انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا

انسان کو فضیلت بخشنے کا اظہار سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ (الاسراء: ۷۰)

”یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔“

انسان کی فضیلت کی وجہ

انسان کی افضلیت کی بنا اس کا مادہ تخلیق نہیں ہے۔ اگر مادہ تخلیق وجہ فضیلت ہوتا تو یہ فضیلت شاید فرشتوں کو حاصل ہوتی کیونکہ وہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس فضیلت کی وجہ اللہ کے سامنے اس کا عجز و نیاز، اس کی بندگی، اللہ کی ناراضگی کا خوف، اللہ کے ساتھ شدید



محبت اور اس کی مخلوق کے ساتھ رحمت اور شفقت ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے بندگی میں انسانوں سے بہت آگے ہیں، مگر وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی جبلت کی بنا پر کرتے ہیں، محبت اور شوق کی وجہ سے نہیں کرتے۔ جذبات اور خواہشات کا ان کے ہاں وجود ہی نہیں۔ وہ جس کام پر لگا دئے گئے ہیں وہی کرتے ہیں۔ نافرمانی کی ان میں استطاعت ہی نہیں رکھی گئی۔

اس کے برعکس انسان تو خواہشات، جذبات اور ضروریات کا مرکب ہے۔ وہ اگر اللہ کی اطاعت اور بندگی کرتا ہے تو جبلی مجبوری کے تحت نہیں کرتا بلکہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے یا اس کے شوق اور محبت میں کرتا ہے۔ فرشتہ جو بھی کرتا ہے اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ انسان جو بھی کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ فرشتہ اللہ کے راستے میں کوئی قربانی نہیں دیتا، اس کے پاس نہ خواہشات ہیں نہ جذبات، نہ مال ہے نہ اولاد اور نہ اس سے اپنی جان دینے کا مطالبہ۔ اس کے برعکس انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اس کی محبت میں اپنے اختیار سے اپنی خواہشات و جذبات کی قربانی بھی دیتا ہے، اپنا مال و اولاد بھی قربان کرتا ہے، اپنی جان بھی قربان کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ.....

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بس یہی ہے اس کی فضیلت کا راز، یہ انسان واقعی فرشتوں سے افضل ہے۔

دوسری طرف یہی انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، جب خواہشات کی غلامی، اللہ کی نافرمانی، اور گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کی پستی کی بھی کوئی حد نہیں رہتی۔ جیسا کہ سورہ التین میں فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ

سَفَلِينَ ۝﴾ (التین: ۴-۵)

”ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب

نیچوں سے نچا کر دیا۔“

اور سورہ الفرقان میں فرمایا

﴿ اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۗ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكَيْلًا ۗ أَمْ تَحْسَبُ
أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۗ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ
سَبِيلًا ۗ ﴾ (الفرقان: ۲۳-۲۴)

”کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔“

ایسے ہی لوگوں کے لیے سورہ الاعراف میں فرمایا گیا:

﴿ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ۗ وَ لَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا ۗ وَ لَهُمْ
أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْغٰفِلُونَ ۗ ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

”ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔“

فرشتے، جنوں اور انسانوں کی طرح با اختیار مخلوق نہیں

فرشتے اس لحاظ سے جنوں اور انسانوں سے مختلف ہیں کہ انہیں انتخاب کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اسی لیے ان کے لیے نہ جزا ہے نہ سزا، نہ انعام و اکرام ہے نہ عتاب۔ نہ ان میں کسی قسم کی خواہشات ہیں نہ ضروریات۔ انہیں نافرمانی کا اختیار ہی نہیں اس لیے سب اچھے ہیں، سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمانبردار۔ ہر دم حکم بجالانے کو تیار۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی



سلطنت کے کارندے ہیں، اس لیے ان کی صلاحیتیں بھی ہم سے مختلف ہیں۔ ظاہر ہے اتنی وسیع کائنات کا نظام چلانے والے شہنشاہ کو جس قسم کے کارندے درکار تھے اسی طرح کی غیر معمولی صلاحیتیں بھی ان کو بخش دیں۔

فرشتوں کی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ان کی پرستش کی گئی
فرشتوں کی انہیں غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے لوگوں میں ان کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور انہیں دیوی، دیوتا کا درجہ دے دیا گیا، کسی نے کہا یہ اللہ کے چہیتے ہیں، کسی نے انہیں اللہ کی بیٹیاں بنا دیا۔ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ قرآن مجید میں فرشتوں کے بارے میں مشرکین کے خیالات کا اظہار مختلف مقامات پر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کی تردید بھی کر دی گئی ہے۔ مثلاً:

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ
قَوْلًا عَظِيمًا﴾ (بنی اسرائیل: ۴۰)

”کیسی عجیب بات ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹوں سے نوازا اور اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ بڑی جھوٹی بات ہے جو تم لوگ زبانوں سے نکالتے ہو۔“

سورہ الصافات میں یہی بات اس طرح بیان فرمائی:

﴿فَاسْتَفْتِهِمُ الرِّبَّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۱۳۹﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَ هُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۴۰﴾ أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْئِدَةٍ لَّكَاذِبِينَ ﴿۱۴۱﴾ وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَ هُمْ كَاذِبُونَ ﴿۱۴۲﴾﴾ (الصافات: ۱۳۹-۱۴۲)

”پھر ذرا ان لوگوں سے پوچھو، کیا (ان کے دل کو یہ بات لگتی ہے کہ) تمہارے رب کے لیے تو ہوں بیٹیاں اور ان کے لیے ہوں بیٹے۔ کیا واقعی ہم نے فرشتوں کو عورتیں ہی بنایا ہے اور یہ آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں؟ خوب سن

رکھو، دراصل یہ لوگ اپنی من گھڑت بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اور فی الواقع یہ جھوٹے ہیں۔“

سورہ الزخرف میں فرمایا:

﴿أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ۗ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝﴾

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا ۚ أَشْهَدُوا خَلْقَهُمْ ۗ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝﴾ (الزخرف: ۱۶، ۱۷، ۱۹)

”کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں انتخاب کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا؟ اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ خدائے رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے خاص بندے ہیں، عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کے جسم کی ساخت انہوں نے دیکھی ہے۔“

سورہ النجم میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَبُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْبِيَةً الْأُنثَى ۝﴾

(النجم: ۲۷)

”جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ فرشتوں کو دیویوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔“

عرب دور جاہلیت میں بیٹیوں کو باعثِ عار سمجھتے تھے، اور بعض لوگ انہیں پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے۔ قرآن میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لیے باعثِ شرم سمجھتے ہو اسے اللہ کے ساتھ کیوں منسوب کرتے ہو؟ فی الواقع یہ ان کے عقل و خرد کا ماتم ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لیے ناپسندیدہ قرار دیتے ہو وہ اللہ کے لیے پسندیدہ کیونکر ہو

گئی۔ اگر اس کی کوئی اولاد ہے تو تمہارے خیالات کے مطابق تو بیٹے ہونے چاہئیں تھے، وہ تو اولاد دینے والا ہے، اگر بیٹیاں واقعی باعث ننگ ہیں تو پھر وہ اپنے لیے بیٹیاں کیوں پسند کرے گا؟ گویا یہ ان کی دونوں باتوں کی تردید ہے کہ نہ تو فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور نہ بیٹیاں باعث عار۔

فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے

جس طرح الہامی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اور ان کا انکار کفر ہے۔ جن باتوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جس بات کی تصدیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کر دی ہو اس کا انکار کفر ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ
لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ: ۹۸)

”جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔“

اور سورہ النساء کی یہ آیت:

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ۱۳۶)

”جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کا انکار کیا، وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دُور نکل گیا۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرشتوں کا انکار کرنے والا کافر، اللہ کا دشمن اور گمراہ ہے۔

فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جس کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں لا تعداد ایسے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ کچھ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں، کچھ ہمیشہ

رکوع کی حالت میں رہتے ہیں، اور کچھ ہر وقت قیام کی حالت میں ہوتے ہیں۔ کچھ فرشتے وہ ہیں جو اللہ کے عرش کو تھامے ہوئے ہیں، یہ حاملین عرش کہلاتے ہیں۔

اللہ کے کارندے اور ان کے کام

بے شمار فرشتے ایسے ہیں جو مختلف کاموں پر مامور ہیں، ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے تعینات ہیں جو اس کی نیکیاں اور بدیاں لکھتے ہیں، یہ کراما کاتبین (محترم لکھنے والے) کہلاتے ہیں۔ منکر و نکیر وہ دو فرشتے ہیں جو قبر میں ہر شخص کے پاس اس کے اسلام یا کفر کی تصدیق کرنے کے لیے آتے ہیں۔

جہنم کے داروغہ کا نام مالک اور جنت کے نگران کا نام رضوان ہے۔ اسرائیل وہ فرشتہ جو قیامت کے انعقاد کے لیے صور پھونکنے پر مامور ہے۔ حدیث کے مطابق وہ صور منہ میں لیے کھڑا ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور میں پھونک مار دے۔ جس فرشتے کے ذمے جو کام ہے وہ اسے مستعدی سے کرتا ہے۔ میکائیل بارش کا فرشتہ ہے اور بارش سے متعلقہ تمام امور اس کی نگرانی میں طے پاتے ہیں۔ عزرائیل لوگوں کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں، انہیں ملک الموت یا موت کا فرشتہ بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث کے مطابق ان کے ساتھ فرشتوں کی ایک پوری جماعت ہے جو ان کی نگرانی میں کام کرتی ہے۔ یہ اپنے کام میں اتنے مستعد ہیں کہ جب کسی کی مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ایک لمحہ کی بھی ڈھیل نہیں دیتے۔

فرشتوں میں سب سے برگزیدہ اور ان کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں روح کا لقب دیا ہے، روح الامین بھی انہی کو کہا جاتا ہے۔ یہ انبیاء و رسل کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے پر مامور تھے۔ یہ اللہ کے مقرب ترین فرشتے ہیں۔ حدیث کے مطابق ان کے چہ سو پر ہیں اور ان کی جسامت بہت بڑی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دو دفعہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا، پہلی دفعہ مکہ میں غار حرا سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو پورے آسمان پر چھائے ہوئے نظر آئے، آپ ﷺ جدھر بھی دیکھتے ہر طرف آپ ﷺ کو

جبریل علیہ السلام ہی نظر آتے۔ دوسری دفعہ آپ ﷺ نے ان کو معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہی کے قریب دیکھا۔

بعض عقل پرست لوگ (اگر ان کو عقل کے مارے ہوئے کہا جائے تو شاید زیادہ مناسب ہو) فرشتوں کے وجود پر ہی یقین نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک حقائق بس وہی ہیں جو وہ دیکھ اور محسوس کر سکیں۔ درحقیقت یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ جب انسان اللہ بزرگ و برتر کو کما حقہ پہچان لے تو پھر کسی بھی بات کو جس کا تذکرہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کر دیا ہو یا اپنے رسول ﷺ کی زبان سے کہلوا دیا ہو، ماننے میں کیا مشکل اور کیسا تردد؟ جس نے اتنی وسیع اور منظم کائنات بنائی ہے، کیا وہ فرشتوں جیسی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟

﴿مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَزِيزٌ ﴿٥٠﴾﴾ (الحج: ۷۴)

”ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، بے شک اللہ بہت قوت والا اور عزت والا ہے۔“



تقدیر پر ایمان

تقدیر کے معنی

لفظ ”تقدیر“ کا مادہ قَدَرَ ہے جس کے معنی ہیں حکم دینا، فیصلہ کرنا، مقرر کرنا، قیمت مقرر کرنا، اندازہ لگانا، اور تقدیر کے معنی ہیں، فیصلہ، اندازہ، قیمت کا تعین۔ قرآن مجید میں یہ دونوں الفاظ (تقدیر، قدر) بہت جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں۔ آئیے دیکھتے ہیں قرآن مجید میں یہ کن معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

﴿ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (الانعام: ۹۶)

”یہ سب اسی زبردست قدرت و علم رکھنے والے کے اندازے ہیں۔“

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُهَا إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾

(الحجر: ۲۱)

”کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں، ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔“

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ (المومنون: ۱۸)

”اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا۔“

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ۲)

”جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔“

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾

(یس: ۳۸)



”اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔“

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۳۹﴾﴾ (القمر: ۳۹)

”ہم نے ہر چیز ایک تقدیر (اندازے) کے ساتھ پیدا کی ہے۔“

﴿فَقَضَيْنَ سَبْعَ سَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۗ وَزَيْنًا

السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِبَصَائِحَ ۗ وَحِفْظًا ۗ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۴۰﴾﴾

(خم السجدہ: ۱۲)

”تب اس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔“

﴿قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾﴾ (الطلاق: ۳)

”اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔“

﴿قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾﴾ (الدھر: ۱۶)

”شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے اور ان کو ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہوگا۔“

﴿خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ﴿۱۹﴾﴾ (عبس: ۱۹)

”اللہ نے اس کو پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔“

﴿وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ﴿۳﴾﴾ (الاعلیٰ: ۳)

”جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقدیر سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ اندازہ ہے جو اس نے ہر شے کے متعلق قائم کر دیا ہے، اب اس میں کوئی کمی یا زیادتی یا رد و بدل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ کا اندازہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ اللہ کے فیصلے ہیں جو ہر چیز کی پیدائش

سے پہلے ہی اس نے لوح محفوظ میں لکھ دئے ہیں۔ یہ صرف اللہ کا علم ہے، انسان کو چونکہ اس کا علم نہیں دیا گیا، اس لیے وہ اس کا پابند نہیں۔ وہ صرف قانون شریعت کا پابند ہے کیونکہ اسے شریعت کا علم دیا گیا ہے، جس میں اسے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رضا (یعنی اس کے فیصلوں) پر راضی ہونا انسان کی بہت بڑی خوبی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

آئیے دیکھتے ہیں حدیث میں تقدیر کے بارے میں کیا فرمایا گیا ہے:

اللہ نے مخلوقات کی تقدیر ان کی تخلیق سے بہت پہلے لکھ دی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا آسمان اور زمین کو بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ اس وقت پرودگار کا عرش پانی پر تھا۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۵۳)

”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا: لکھ! قلم نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ!“

(صحیح: جامع ترمذی: ۳۳۱۹۔ مسند احمد: ۲۲۷۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”آدمی مدت تک جنتیوں والے کام کرتا ہے پھر اس کا خاتمہ دوزخیوں کے کام پر ہوتا ہے۔ اور آدمی مدت تک جہنمیوں والے کام کرتا ہے پھر اس کا خاتمہ جنتیوں والے کام پر ہوتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی ستر سال تک نیک لوگوں کے اعمال کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر سال تک بد اعمالیاں کرتے رہتے ہیں، لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور ان کا انجام بخیر ہوتا ہے اس لیے وہ جنتی بن جاتے ہیں۔“

(ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۴۔ مسند احمد: ۷۷۴۲۔ فہر بن حوشب راوی ضعیف ہے۔)

یہ حدیث گویا درج بالا حدیث کی تشریح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سراٹھایا اور فرمایا:

”تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانا جنت یا جہنم میں معلوم نہ ہو (اللہ کے علم میں نہ ہو)۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم عمل کیوں کریں؟ تقدیر پر بھروسہ کیوں نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، عمل کرو، ہر ایک کو آسان کیا گیا وہ جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْرَهُ لِيُسْرَىٰ ۖ
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْرَهُ لِّلْعُسْرَىٰ ۖ﴾
(اللیل: ۵-۱۰)

”پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اللہ سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔“ (صحیح مسلم: ۷۲۶۳-صحیح بخاری: ۴۹۴۹)

اس آیت میں اسلام اور اللہ کی اطاعت کے راستے کو آسان راستہ اور کفر اور اللہ کی نافرمانی کے راستے کو سخت راستہ کہا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ جو جس راستے کا انتخاب کرے گا وہی اس کے لیے آسان بنا دیا جائے گا۔ نہ زبردستی کسی پر اسلام تھوپا جائے گا نہ کسی کو کفر کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ دونوں میں سے کسی بھی راستے کے انتخاب کے لیے انسان پوری طرح آزاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ عاجزی اور دانائی بھی۔“

(صحیح مسلم: ۲۶۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قوی مسلم، ضعیف مسلم سے بہتر ہے۔ حرص کر ان کاموں کی جو تجھ کو مفید ہیں، مدد مانگ اللہ سے اور ہمت مت ہار اور جب تم کو کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں ایسا کرتا، ایسا کرتا تو مصیبت نہ آتی، بلکہ یوں کہہ کہ اللہ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا، جو اس نے چاہا کیا، اگر مگر کرنا شیطان کی راہ کھولتا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۲۶۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نذر (منت) انسان کو کوئی چیز نہیں دیتی جو اللہ نے اس کی تقدیر میں نہ لکھی ہو، بلکہ وہ تقدیر دیتی ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہو۔ البتہ اس کے ذریعے اللہ بخیل کا مال نکلو لیتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۶۰۹)

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ انبیا میں سے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی دس سالہ غربت اور بھوک کی شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: کتنی مدت تک شکوہ کرتے رہو گے۔ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے میں نے تمہاری قسمت اس طرح لکھی تھی اور تمہارے متعلق میرا فیصلہ یہی ہے اور میں نے دنیا پیدا کرنے سے پہلے تمہارے لیے یہی لکھا تھا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے لیے دنیا کی پیدائش کو از سر نو لوٹاؤں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں نے جو تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے اسے تبدیل کر دوں؟ اور تمہاری پسند میری پسند پر فائق ہو؟ مجھے میری عزت و جلال کی قسم! اگر تمہارے دل میں آئندہ اس قسم کا کوئی خیال بھی آیا تو میں تمہارا نام انبیا کے دفتر سے مٹا دوں گا۔

تقدیر پر راضی ہونا اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے

زبور میں ہے: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ پل صراط سے کون



گزرے گا؟ وہ جو میرے فیصلے پر راضی ہیں اور جن کی زبانیں میرے ذکر سے تر رہتی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد! مجھے سب سے زیادہ خوش کرنے

والا اور تیرے بوجھ کو اتارنے والا کوئی عمل ایسا نہیں، جیسا کہ میری تقدیر پر خوش ہونا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی تقسیم

پر راضی کر دیتا ہے۔ (مرسل: الزهد لابن المبارک بروایۃ نعیم بن حماد: ۲/۳۲۰ یہ روایت مرسل ہونے

کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم کو غمگین دیکھا تو فرمایا: اے

عدی! کیا بات ہے، میں تجھے غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، تو انہوں نے کہا: میں کیوں

پریشان نہ ہوں؟ میرے دو بیٹے قتل ہو گئے ہیں اور میری آنکھ پھوٹ گئی ہے۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: اے عدی! جو اللہ کی تقدیر پر راضی ہو وہ اس پر جاری ہوگی اور اسے اجر ملے گا۔

اور جو تقدیر پر راضی نہ ہو، وہ اس پر بھی جاری ہوگی اور اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

لوح محفوظ

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کتاب (لوح محفوظ) بنی تو اللہ رب العزت نے قلم

کو حکم دیا کہ لکھ، تو قلم نے اللہ رب العزت کی طرف سے لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے

لکھا: ”میرے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ میرا رسول ہے۔“ پھر آگے لکھا: ”جس نے میرے

فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا اور میری آزمائش پر صبر نہ کیا اور میری نعمتوں پر شکر نہ کیا وہ

میرے سوا کوئی اور رب تلاش کر لے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ علیم وخبیر ہے، وہ غیب کے خزانوں کا مالک ہے، اسے معلوم ہے کہ

کب، کس کے ساتھ، کیا ہونے والا ہے۔ جو ہو چکا ہے، جو ہو رہا ہے اور جو مستقبل میں

ہونے والا ہے، اسے سب معلوم ہے۔ ازل سے لے کر ابد تک ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

کہیں کوئی پتا بھی گرتا ہے تو اس کا بھی اسے علم ہے۔ اپنے اسی علم کی بنا پر اللہ نے ہر چیز کو

ایک کتاب میں انسان کی پیدائش سے بھی بہت پہلے لکھ دیا۔ اس کتاب کو لوح محفوظ کہتے

ہیں۔ اسے لوح محفوظ اس لیے کہتے ہیں کہ اس تک کسی انسان، جن، یا فرشتے کی رسائی نہیں ہے۔ جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے وہ سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہر کسی کی دسترس سے محفوظ ہے۔

اسی لوح محفوظ کے نوشتے کو تقدیر کہتے ہیں، یہ ہر چیز کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا اندازہ ہے جو چیزوں کے وقوع پذیر ہونے سے بہت پہلے قائم کیا گیا ہے اور اللہ کا اندازہ انسانوں کی طرح محض تخمینہ نہیں ہے جس کے غلط ہونے کا بھی امکان ہو، یہ اندازہ اللہ کے علم کی بنا پر ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس میں لکھ دیا گیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، جیسا کہ سورہ الانعام کی اس آیت میں فرمایا:

﴿ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۗ وَ هُوَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾ (الانعام: ۱۱۵)

”اور تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے، اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

اس آیت سے دو باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام یا اس کے لکھے ہوئے کو بدل سکے اور دوسری یہ کہ اس کے فرامین سچائی اور انصاف پر مبنی ہیں۔ اور جو بات سچ اور عدل و انصاف پر مبنی ہو اسے اللہ تبارک و تعالیٰ کیوں بدلے گا۔ وہ تو سب سے بڑا عادل اور سب سچوں سے زیادہ سچا ہے، وہ خود حق ہے اور عدل اس کی خصوصی صفت ہے۔ جو کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے وہ سراسر حق ہے اور اس کا ایک شوشہ بھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔

عمل اور دعائیں بھی تقدیر کا حصہ ہیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کچھ بھی تبدیل نہیں ہو سکتا تو پھر اچھے اعمال، تگ و دو اور دعاؤں کا کیا فائدہ؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہے کہ کب کوئی

کیا کرے گا یا کسی کے ساتھ کیا واقع ہوگا اور وہ اس کو عمل میں لانے کے لیے یا اس کے تدارک کے لیے کیا ذرائع استعمال کرے گا۔ صرف اپنے ذرائع پر انحصار کرے گا یا مجھ سے دعائیں بھی مانگے گا، صرف دعاؤں پر انحصار کرے گا یا جو وسائل اسے حاصل ہیں وہ بھی استعمال کرے گا، یا اپنے وسائل بھی استعمال کرے گا اور ساتھ دعا بھی کرے گا، اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے مسئلے کا حل صرف اس کو مہیا کردہ وسائل میں ہے یا صرف دعا میں یا دونوں میں ہے اور یہ سب کچھ بھی اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ فی الواقع تک و دو کرنا اور دعائیں مانگنا بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کس کے حصہ میں کتنا رزق ہے اور یہ اسے کیسے حاصل ہوگا۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کس نے کب تک زندہ رہنا ہے اور اس کی موت کہاں واقع ہوگی۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کس نے دنیا میں کیسی زندگی گزارنی ہے۔ اچھی یا بری، سعادت کی یا شقاوت کی اور اس کا خاتمہ اچھائی پر ہوگا یا برائی پر، ایمان پر ہوگا یا کفر پر اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

انسان صرف اس علم کا پابند ہے جو اسے دیا گیا ہے

لیکن انسان اس لکھے ہوئے کا پابند نہیں اور نہ اس پر انحصار کر سکتا ہے، اس لیے کہ اسے تو اس کا علم ہی نہیں ہے۔ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کی پابندی اور اس پر انحصار صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ انسان کو اس کا علم ہوتا، مگر وہ تو ایسا علم ہے جس تک کسی انسان، جن یا فرشتے کی رسائی نہیں۔ انسان تو صرف اس علم کا پابند ہے جو اسے دیا گیا ہے اور وہ وحی کا علم ہے جو انبیاء و رسل کے ذریعے اس تک پہنچایا گیا ہے۔ وہ دین و شریعت کا علم ہے جس میں اسے بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کائنات کا واحد خالق و مالک مان کر اس کے احکامات کی پیروی کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو آخرت میں اسے انعام کے طور پر جنت میں رہائش ملے گی جو رہنے کے لیے بہت ہی خوبصورت جگہ ہے اور اگر اس حقیقت سے انکار کرے گا تو سزا کے طور پر جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اس لیے انسان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ تقدیر کے چکر میں نہ پڑے۔ وہ اللہ کا علم ہے جو اسے نہیں دیا گیا اور جو علم اسے نہیں دیا گیا اس کی کھوج کرید کیوں؟ اگر کچھ جاننا ہی چاہتا ہے تو وہ جاننے کی کوشش کرے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے علم دین، اسے حاصل کرے اور اس پر عمل کرے کہ.....

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرے اور پھر جو بھی نتائج برآمد ہوں ان پر راضی ہو جائے۔ وہ صرف صحیح سمت میں کوشش کرنے کا مکلف ہے، اگر پوری کوشش کے باوجود نتائج حسبِ خواہش نہ نکلیں تو رنج نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ اس کی تقدیر میں ایسا ہی تھا اور اسے اللہ کا فیصلہ سمجھ کر اس پر راضی ہو جائے۔ ان شاء اللہ اسے اللہ کی طرف سے اطمینان کی دولت ملے گی جو دنیا میں سب سے بڑی دولت ہے۔

اگر وہ ان نتائج کو دل سے قبول نہ کرے تو بھی ان کو بدل تو نہیں سکتا، البتہ بے اطمینانی اور کڑھن کا شکار ضرور ہوگا اور اللہ کی ناراضگی الگ مول لے گا۔ فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، چاہے تو تقدیر پر راضی ہو کر اللہ کی رضا اور دل کا اطمینان حاصل کرے اور چاہے تو قسمت کا شکوہ کر کے بے اطمینانی اور اللہ کی ناراضگی کا شکار ہو جائے۔

تقدیر سراسر خیر ہے

انسان کی تقدیر اس کے حق میں اللہ کے فیصلوں کا دوسرا نام ہے۔ اللہ سراسر خیر اور رؤوف و رحیم ہے اس لیے اس کے فیصلے بھی سراسر خیر اور رحم و کرم پر مبنی ہیں۔ جو ہستی سراسر خیر ہو اس سے شر کیسے صادر ہو سکتا ہے اور جو ہستی ستر ماؤں سے زیادہ رحیم و شفیق ہو وہ اپنی مخلوق پر ظلم و زیادتی کیوں کرے گی؟

انسان کو یہ بات پلے باندھ لینی چاہیے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ اس کے ساتھ ہوتا ہے وہی اس کے حق میں بہتر ہے اس لیے اگر اللہ کے فیصلوں کی حکمت نہ سمجھ آئے تب بھی

اسے یقین ہونا چاہیے کہ اس میں کوئی نہ کوئی بہتری ہے۔ بسا اوقات وقتی طور پر اللہ کے فیصلے انسان کی سمجھ میں نہیں آتے لیکن کچھ وقت کے بعد انکی حکمت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مثال دی جاتی جو اس فلسفہ کے سمجھنے میں بڑی مفید ہے۔

کہتے ہیں پرانے زمانے میں کسی بادشاہ کا ایک بڑا نیک اور باتدبیر وزیر تھا جو اللہ پر کامل بھروسا کرتا تھا۔ جب بھی بظاہر کوئی نقصان وہ کام ہو جاتا وہ کہتا تھا کہ اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ اس کی نیکی کی وجہ سے بادشاہ اس کی بڑی عزت کرتا تھا اس لیے دربار میں اس کے حاسدوں کا بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا۔

ایک دن بادشاہ کی انگلی کٹ گئی۔ حاسدوں کے درباہی ٹولہ نے بادشاہ کی موجودگی میں اس واقعہ کے بارے میں اس کی رائے پوچھی تو اس نے کہہ دیا کہ اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ حاسدوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ حضور دیکھئے۔ آپ کی انگلی کٹ گئی اور یہ شخص کہتا ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔

بادشاہ ان کی باتوں میں آ گیا اور وزیر کو جیل میں ڈال دیا۔ لوگوں نے وزیر کا مذاق اڑایا اور کہا اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن بادشاہ شکار کو گیا اور شکار کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے ملک کی حدود سے نکل کر دوسرے ملک کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے اس روز ان لوگوں کا مذہبی تہوار تھا جس میں ان کے ہاں انسانی قربانی دینے کا رواج تھا۔ وہاں کے لوگوں نے بادشاہ کو پکڑ کر اپنے پرہتوں کے سامنے قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ پرہتوں نے بادشاہ کا معائنہ کیا اور ایک انگلی کٹی ہونے کی وجہ سے کہا کہ اس کی قربانی نہیں ہو سکتی اور اسے چھوڑ دیا۔

رہائی ملنے پر بادشاہ کو انگلی کٹنے کی مصلحت سمجھ آ گئی۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس آ کر وزیر کو جیل سے رہا کیا۔ وزیر پر اس کا اعتماد پہلے سے بھی بڑھ گیا، اس کے اختیارات میں اضافہ کیا اور اس کی پہلے سے زیادہ عزت ہو گئی اور لوگوں کو اس کے جیل جانے کی حکمت سمجھ آ گئی۔

یہ تو بات سمجھانے کے لیے لوگوں کی بیان کردہ ایک کہانی تھی۔ آئیے اب قرآن کے

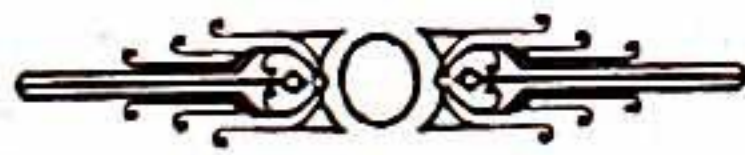
بیان کردہ چند سچے واقعات ملاحظہ فرمائیں جو اللہ نے اپنے فیصلوں کے پیچھے چھپی حکمتوں سے پردہ اٹھانے کے لیے بیان کیے ہیں۔ یہ واقعات سورہ الکہف کے آخر میں بیان کیے گئے ہیں۔

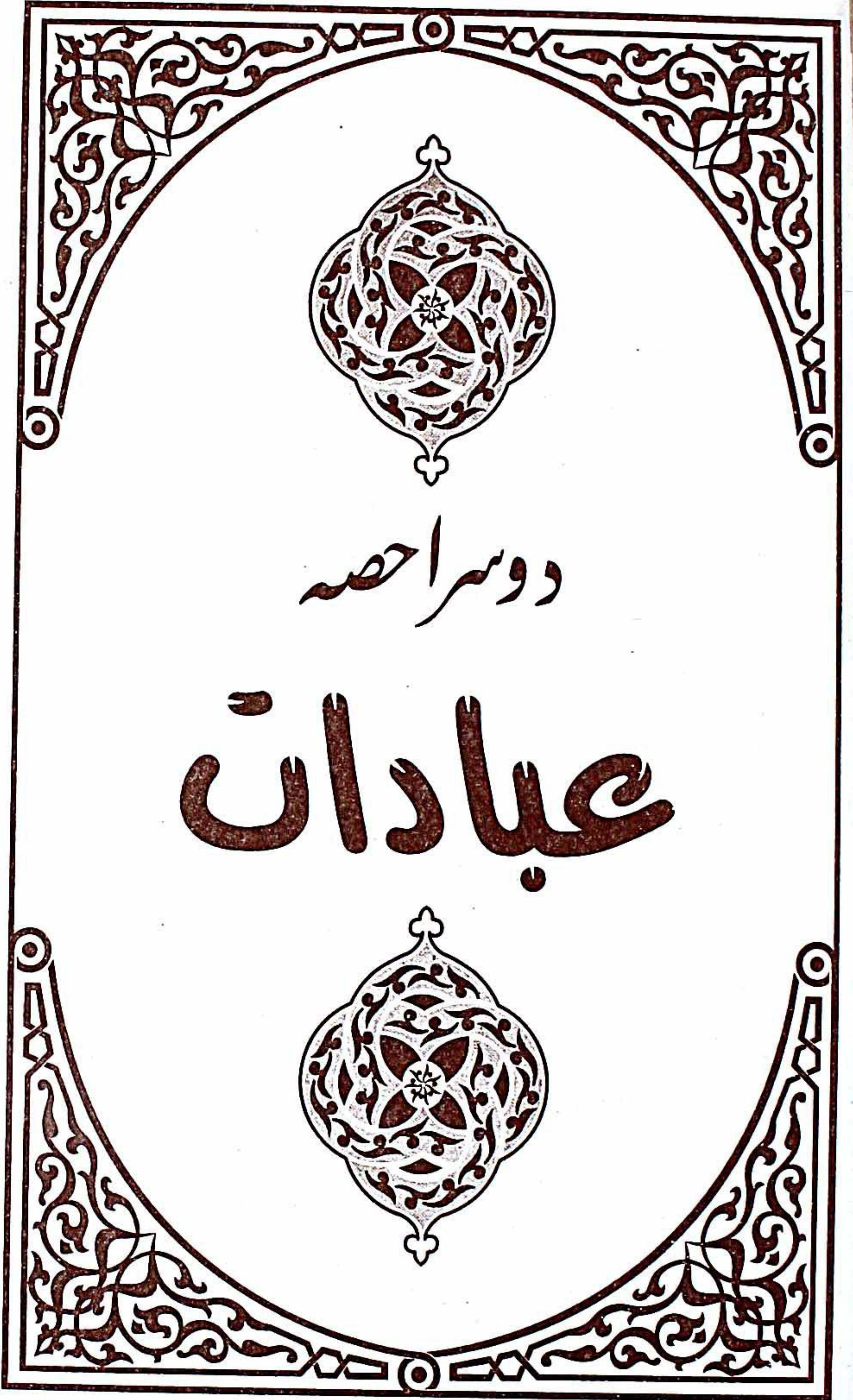
﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾ ۱۵ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ اتَّبَعَكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِنِّي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۖ ۱۶ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۗ ۱۷ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۗ ۱۸ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۗ ۱۹ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۗ ۲۰ فَانْطَلَقَا ۗ ۲۱ حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۗ قَالَ أَخَرَقْتُهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۗ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۗ ۲۲ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۗ ۲۳ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۗ ۲۴ فَانْطَلَقَا ۗ ۲۵ حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۗ قَالَ أَقْتَلْتَنِي نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۗ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۗ ۲۶ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۗ ۲۷ قَالَ إِنِ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ بَعْدِهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۗ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۗ ۲۸ فَانْطَلَقَا ۗ ۲۹ حَتَّىٰ إِذَا أَتِيَا آهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطَعَبَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ فَاقَامَهُ ۗ ۳۰ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۗ ۳۱ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۗ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۗ ۳۲ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۗ ۳۳ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۗ ۳۴ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَ أَقْرَبَ رُحْمًا ۗ ۳۵ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ

تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا
وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنَ رَبِّكَ ۗ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۗ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ
مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ (الكهف: ٦٥-٨٢)

”اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟ اس نے جواب دیا: آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے، اور جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو آخر آپ اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: اچھا، اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک کہ میں خود اُس کا آپ سے ذکر نہ کروں۔ اب وہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے تو اُس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا۔ موسیٰ نے کہا: آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی۔ اس نے کہا: میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟ موسیٰ نے کہا: ہول چوک پر مجھے نہ پکڑئے، میرے معاملے میں آپ سختی سے کام نہ لیں۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ان کو ایک لڑکا ملا اور اُس شخص نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اس نے کسی کا خون نہ کیا تھا؟ یہ کام تو آپ نے بہت ہی بڑا کیا۔ اُس نے کہا: میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟ موسیٰ نے کہا: اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ لیجئے، اب تو میری طرف سے آپ کو غدر مل گیا۔ پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں

بچے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ مگر انہوں نے ان دونوں کی ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ اُس شخص نے اس دیوار کو پھر قائم کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے۔ اُس نے کہا: بس میرا تمہارا ساتھ ختم ہوا۔ اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکتے۔ اُس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ ہے جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا ہے۔ رہا وہ لڑکا، تو اُس کے والدین مومن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے ان کو تنگ کرے گا، اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔ اور اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں، اس دیوار کے نیچے ان بچوں کے لیے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لیے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت کی بنا پر کیا گیا ہے، میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کر دیا ہے۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکتے۔“





دوسرا حصہ

عبادات

یہ حصہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ جب کوئی شخص اسلام کے عقائد کو تسلیم کر لیتا ہے تو اسے اپنے ایمان کا عملی ثبوت دینا پڑتا ہے جس کے لیے اس کے سامنے عبادات کا ایک مجموعہ پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو اپنا رب مان لے اس کی ساری زندگی عبادت سے ہی عبارت ہونی چاہیے۔ عبد کے معنی بندہ اور عبادت کے معنی بندگی ہیں۔ اللہ کی مخلوق ہونے کے ناطے انسان پیدائشی طور پر اللہ کا بندہ ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بندگی ہی اسے زیب دیتی ہے۔ اس کے پاس جو بھی صلاحیتیں ہیں سب اللہ ہی کے دین ہیں اس لیے وہ اللہ ہی کی مرضی کے مطابق استعمال ہونی چاہئیں۔ یہی عقل اور احسان شناسی کا تقاضا ہے اور یہی اس کی تخلیق کا مقصد۔ ”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔“ (الذاریات: ۵۶)

بلاشبہ انسان کی ہر ادا اور اس کی زندگی کے ہر پہلو سے بندگی کا اظہار ہونا چاہیے۔ اسی اظہارِ بندگی اور انسان کے مقصدِ تخلیق کے حصول کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے چند عبادات فرض کر دی ہیں جن کا تفصیلی تعارف اس حصہ میں پیش کیا جائے گا۔ ان میں سب سے اہم نماز ہے جسے دین کا ستون کہا گیا ہے۔ اس کے بعد زکاۃ ہے جو اسلام کے نظامِ تکافل کی بنیاد ہے۔ پھر روزہ ہے جو تقویٰ کی اساس ہے۔ پھر حج ہے جو عبادات کا مجموعہ اور مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے اور پھر جہاد ہے جو اسلامی نظام کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ چونکہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے اس لیے اس کا شمار ارکانِ اسلام میں نہیں ہوتا۔ باقی چاروں عبادات یعنی نماز، زکاۃ، روزہ اور حج فرض عین ہیں اور ارکانِ اسلام میں شامل ہیں۔ اسلام کا پانچواں رکن ایمان ہے جس کی تفصیل پہلے حصہ میں گزر چکی ہے۔ فرض عین اور فرض کفایہ میں فرق یہ ہے کہ فرض عین ہر فرد پر انفرادی طور پر فرض ہے اور دوسروں کے ادا کرنے سے کسی سے ساقط نہیں ہوتا جب کہ فرض کفایہ کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے دوسروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ قربانی گو فرض نہیں ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے لیے ایک الگ باب قائم کیا گیا ہے۔



ساتواں باب:

نماز

ارکانِ اسلام میں ایمان کے بعد سب سے اہم رکن نماز ہے۔ قرآن کے بیان کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد ہی بندگی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ

وہ میری بندگی کریں۔“

اور نماز اظہارِ بندگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ نماز میں انسان اللہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، اس کے سامنے جھکتا ہے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اظہارِ بندگی کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

نماز تمام گزشتہ امتوں پر فرض تھی

نماز ہر نبی اور ہر امت پر فرض کی گئی اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہر شریعت کا بنیادی رکن رہی ہے۔ ہر نبی نے اپنی امت کو اس کی تلقین کی ہے۔ ملاحظہ ہوں قرآن مجید کی

یہ آیات:

جن لوگوں کو محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے الہامی کتب دی گئی تھیں، ان کے بارے

میں سورہ البینہ میں فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَامَةِ﴾ (البینہ: ۵)

”اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو

اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں،

یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام جو جد الانبیا ہیں اور جن کی تعظیم و تکریم مسلمانوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی کرتے ہیں اور جن کی نبوت کے سب قائل ہیں، انہوں نے جب حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑا تو یہ دعا فرمائی:

﴿ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾ (ابراہیم: ۳۷)

”پروردگار، میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔“

اس دعا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کو مکہ میں آباد کرنے کا مقصد یہ تھا کہ نماز قائم کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ان پر فرض تھی۔ پھر اسی سورہ کی آیت نمبر چالیس میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا نقل کی گئی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾

(ابراہیم: ۴۰)

”اے میرے پروردگار، مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں)۔ پروردگار، میری دعا قبول فرما۔“

سورہ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

(مریم: ۵۵)

”وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک



پسندیدہ انسان تھا۔“

اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے کا مطلب یہی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں ان کی شریعت میں فرض تھیں۔

سورہ الانبیاء میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ

إِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ﴿٤٣﴾﴾ (الانبیاء: ٤٣)

”اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم

نے انہیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی

ہدایت کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔“

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں ان کی شریعت کا حصہ تھیں۔

سورہ ہود میں شعیب علیہ السلام کی قوم کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعیب علیہ السلام نماز

پڑھا کرتے تھے:

﴿قَالُوا يُشْعَبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ

نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۗ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٤﴾﴾ (ہود: ٨٤)

”انہوں نے کہا، اے شعیب، کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان

سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ

کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو

ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے!“

سورہ ال عمران میں حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۗ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ

بِبَيْحِي ﴿٣٩﴾﴾ (ال عمران: ٣٩)

”فرشتوں نے اسے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، کہ اللہ

تجھے سچی کی خوشخبری دیتا ہے۔“ گویا نماز ان پر بھی فرض تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا کی گئی تو ان سے فرمایا:

﴿وَأَنَا خَلَقْتُكَ فَاسْتَبِخْ لِي يَا يُوحَىٰ ۝ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۝ وَ

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝﴾ (طہ: ۱۳-۱۴)

”اور میں نے تجھ کو جن لیا ہے، سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔“

نبوت دیتے ہی نماز کا حکم دے دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ نماز اللہ کو یاد کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

بنی اسرائیل کو بھی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا ذکر سورہ یونس کی درج ذیل آیت میں موجود ہے۔

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوِّأَ لِقَوْمِكَ مَقَامًا يَرُؤُونَ بِيُوتًا وَأَجْعَلُوا

بِيُوتِكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (یونس: ۸۷)

”اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی کی کہ مصر میں چند مکان اپنی قوم کے لیے مہیا کرو اور اپنے ان مکانوں کو قبلہ ٹھیرا لو اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو بشارت دے دو۔“

سورہ المائدہ میں مذکور بنی اسرائیل سے لیے گئے اس عہد کو ملاحظہ کیجئے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ

نَقِيْبًا ۚ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۚ لَئِنْ أَقَبْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ

بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

وَأَدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝﴾ (المائدہ: ۱۲)

”اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے۔ اور ان سے کہا تھا کہ: میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے سواء السبیل (کامیابی کی شاہراہ) گم کر دی۔“

عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نماز کا حکم دیا گیا تھا جس کی تصدیق سورہ مریم کی اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿وَجَعَلْنِي مُبْرَكًا آيِنَ مَا كُنْتُ ۖ وَ اَوْطَيْتُنِي بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ (مریم: ۳۱)

”اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔“

ان آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ نماز تمام امتوں پر فرض تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر نماز گزشتہ امتوں پر فرض تھی تو مسلمانوں کی طرح اس کا رواج ان میں کیوں نہیں ہے۔ اس کا جواب بھی قرآن سے مل جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے سورہ مریم کی یہ آیت:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهْوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا﴾ (مریم: ۵۹)

”پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی، پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔“

پانچ نمازوں کی فرضیت اور اوقات قرآن کی رو سے

نماز کے اوقات متعین ہیں اور نماز ان متعین اوقات کے اندر ہی ادا کرنا لازم ہے۔

وقت سے پہلے نماز نہیں ہوتی اور وقت گزرنے کے بعد پڑھی جائے تو قضاء شمار ہوگی یعنی ترک نماز کے جرم سے تونج جائے گا لیکن اس اجر و ثواب سے محروم رہے گا جو وقت پر ادا کرنے کی صورت میں ملتا۔ اس لیے وقت کی پابندی لازمی ہے۔ سورہ النساء کی یہ آیت اس کا بین ثبوت ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: ۱۰۳)

”نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔“

سورہ البقرہ آیت ۲۳۸ میں فرمایا:

﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ ۖ وَتُومُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ﴾

(البقرہ: ۳۳۸)

”اپنی نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً نماز وسطیٰ کی اور اللہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔“

مفسرین اور فقہا کی اکثریت کے نزدیک ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں فجر اور ظہر اور رات کی دو نمازوں مغرب اور عشاء کے درمیان میں آتی ہے اور اس کی تائید اس متفق علیہ حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر کفار و مشرکین کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

((حَبَسُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوَسْطَىٰ، صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَاءَ اللَّهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا))

”ان لوگوں (کفار و مشرکین) نے ہمیں بیچ کی نماز، نماز عصر سے روک دیا۔ اے اللہ تو ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔“

(صحیح بخاری: ۲۹۳۱-صحیح مسلم: ۶۲۷)

سورہ ہود میں فرمایا:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبَنَّ
السَّيِّئَاتِ﴾ ذَلِكْ ذِكْرًا لِلذَّكْرَيْنِ ﴿١١٢﴾ (ہود: ۱۱۲)

”اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت
نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا
کو یاد رکھنے والے ہیں۔“

دن کے دونوں کناروں سے مراد فجر اور مغرب کی نمازیں ہیں اور کچھ رات گزرنے کے
بعد نمازِ عشا کا وقت ہوتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ
الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (بنی اسرائیل: ۷۸)

”نماز قائم کرو زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے
قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے۔“

زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی چار
نمازیں اور قرآنِ فجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔

سورہ طہ میں فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ
غُرُوبِهَا وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ﴾ (طہ: ۱۳۰)

”پس اے نبی، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد و
ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے،
اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی، شاید کہ تم راضی
ہو جاؤ۔“

یہاں تسبیح سے مراد نماز ہے اور اوقاتِ نماز کی طرف واضح اشارہ ہے۔ سورج نکلنے سے

پہلے فجر کی نماز، سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز، رات کے اوقات میں عشا اور تہجد کی نمازیں۔ دن کے کنارے تین ہو سکتے ہیں، طلوع آفتاب، زوال آفتاب اور غروب آفتاب، لہذا دن کے کناروں سے مراد فجر، ظہر اور مغرب کی نمازیں ہی ہو سکتی ہیں۔

قرآن مجید کی ان آیات سے دن میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کا واضح طور پر تعین ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ کی سنت اور ہر دور میں امت مسلمہ کا متواتر عمل بھی یہی رہا ہے۔ جو لوگ دن میں تین نمازوں کے قائل ہیں انہیں اپنے موقف پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

پانچ نمازوں کی فرضیت اور اوقات حدیث کی رو سے

سیار بن سلامہ حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”نبی ﷺ دوپہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے تھے اور جب عصر پڑھتے اس کے بعد کوئی شخص مدینہ کے انتہائی کنارہ پر واقع اپنے گھر واپس جاتا تو سورج اب بھی تیز ہوتا تھا۔ سیار نے کہا کہ مغرب کے وقت کے متعلق جو کچھ (ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ نے) کہا تھا وہ مجھے یاد نہیں رہا، اور عشا کی نماز جسے تم عتمہ کہتے ہو، اس میں دیر کو پسند فرماتے تھے۔ اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے اور صبح کی نماز سے اس وقت فارغ ہو جاتے جب آدمی اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کو پہچان سکتا اور صبح کی نماز میں آپ ﷺ ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھا کرتے تھے۔“ (صحیح بخاری: ۵۳۷- صحیح مسلم: ۶۳۷)

یہ حدیث پنجوقتہ نمازوں اور ان کے اوقات کا تعین کرتی ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو پانچوں نمازیں پہلے دن اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھائیں اور بتایا کہ نماز پنجگانہ کے

اول و آخر اوقات یہ ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۱۔ صحیح مسلم: ۶۱۰۔ ۶۱۱)

امام شافعی کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کو یہ نمازیں مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھائیں۔ ان میں حضرت جبرئیل امام بنے اور نبی کریم ﷺ مقتدی۔ اس طرح اوقاتِ نماز کی تعلیم قول کی بجائے فعل سے کی گئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے وقت کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اور ان دونوں حدوں کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ دفعہ نہائے تو تمہارا کیا خیال ہے، کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں، یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۸۔ صحیح مسلم: ۶۶۷)

اس حدیث سے بھی پانچ وقت کی نمازوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز پنجگانہ گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہیں۔

پانچ نمازیں معراج کے سفر کے دوران فرض کی گئی تھیں جس کی تفصیل درج ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”پس اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ میں یہ حکم لے کر واپس لوٹا۔ جب موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا، پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔“

انہوں نے فرمایا: واپس اپنے رب کی بارگاہ میں جائیے کیونکہ آپ ﷺ کی

امت اتنی نمازوں کو ادا کرنے کی قوت نہیں رکھتی۔ میں واپس بارگاہ رب العزت میں گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس میں سے ایک حصہ کم کر دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ ایک حصہ کم کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دوبارہ جائے کیونکہ آپ ﷺ کی امت میں اس کے برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔

میں پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا، پھر ایک حصہ کم ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پھر جائے کیونکہ آپ ﷺ کی امت اس کو بھی برداشت نہیں کر سکے گی۔ پھر میں بار بار آیا اور گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نمازیں (عمل میں) پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس (کے برابر) ہیں۔ میری بات بدلی نہیں جاتی۔

اب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس جاؤ، لیکن میں نے کہا کہ مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے سدرة المنتہیٰ تک لے گئے جسے کئی طرح کے رنگوں نے ڈھانک رکھا تھا جن کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا ہیں۔ اس کے بعد مجھے جنت میں لے جایا گیا، میں نے دیکھا کہ اس میں موتیوں کے ہار ہیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔“ (صحیح بخاری: ۳۳۴۲)

ان احادیث کے باوجود بھی اگر کسی کو پانچ نمازوں کی فرضیت یا ان کے اوقات کے بارے میں کوئی شک ہو تو اس کے لیے صرف ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

نماز کی اہمیت

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر، اس کے احکام و مسائل کا بیان اور اس کی ترغیب کم و بیش سات سو مقامات پر موجود ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً پچاس آیات ایسی ہیں جن میں لفظ صلوٰۃ کے ساتھ اس کے قیام کا حکم بھی آیا ہے۔

اسلام کے نظامِ تربیت کا سب سے اہم ستون نماز ہے۔ دن میں پانچ نمازیں فرض کر کے اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ انسان کو یاد دہانی کرائی جائے کہ وہ کسی کا بندہ ہے اور وہ اپنے مالک کے سامنے جوابدہ ہے۔

فجر کی نماز اسے نیند سے بیدار ہوتے ہی اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ پھر جب وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے تو ظہر کی نماز کے ذریعے اسے یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ تو کسی کا بندہ ہے۔ چند گھنٹے بعد نمازِ عصر کے ذریعے اسے اپنے مالک کے دربار میں حاضری کے لیے بلا لیا جاتا ہے۔ پھر غروبِ آفتاب کے وقت جب وہ دن بھر کے کاموں سے فارغ ہوتا ہے تو نمازِ مغرب میں حاضری کا وقت ہو جاتا ہے اور رات کو سونے سے پہلے پھر اسے نمازِ عشاء کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں حاضری کے لیے بلا لیا جاتا ہے تاکہ اس کے دن کا اختتام بھی اللہ کی یاد سے ہو۔

آپ خود سوچئے کہ جس شخص کے دن کا آغاز اور اختتام اللہ کی یاد سے ہو اور بیچ میں بھی تین مرتبہ بلا کر اسے یاد دہانی کرائی جائے کہ تو اللہ کا بندہ ہے، ایسے شخص کے گمراہ ہونے کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ﴾ (العنکبوت: ۴۵)

”(اے نبی ﷺ) تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔“

اگر انسان تلاوتِ قرآن کو اپنا معمول بنا لے اور نماز کی پابندی کرے تو ان شاء اللہ برائی سے بچ جائے گا اور اللہ کے مقبول بندوں میں اس کا شمار ہوگا۔

نماز کی اہمیت قرآن کی رو سے

قرآن کی بے شمار آیات میں نماز کی اہمیت کا اظہار کیا گیا ہے، ان میں سے چند ایک ملاحظہ کیجئے۔ قرآن مجید کے آغاز ہی میں سورہ البقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس قرآن سے وہی

لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾^۲
 ”جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا
 ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

سورہ البقرہ آیت ۲۳ میں فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾^۳ (البقرہ: ۲۳)
 ”نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم
 بھی جھک جاؤ۔“

سورہ البقرہ آیت ۱۱۰ میں فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ
 عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾^۴ (البقرہ: ۱۱۰)
 ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے،
 اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظر میں ہے۔“

سورہ البقرہ آیت ۱۵۳ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾^۵
 (البقرہ: ۱۵۳)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے
 ساتھ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے سے مشکلات آسان ہوتی ہیں۔

سورہ البقرہ آیت ۲۷۷ میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ
 عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾^۶ (البقرہ: ۲۷۷)

”بے شک، جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔“

سورہ النساء میں فرمایا:

﴿فَإِذَا قُضِيَتْهُ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَ قُعُودًا وَ عَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۗ فَإِذَا اطْمَأَنَّكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝﴾ (النساء: ۱۰۳)

”پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔“

یہ خوف اور خطرے کی حالت میں نماز کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ خطرے کی حالت میں باجماعت نماز کیسے ادا کی جائے۔ گویا اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ جب دشمن سر پر کھڑا ہو اس وقت بھی نماز باجماعت ہی ادا کرنی چاہیے۔

سورہ الانعام میں فرمایا:

﴿وَ أَمْرُنَا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَ أَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ اتَّقُوا ۗ وَ هُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝﴾ (الانعام: ۷۱-۷۲)

”اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالک کائنات کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ نماز قائم کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔“

اور اسی سورہ کی ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝﴾ (الانعام: ۹۲)

”جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں

کی پابندی کرتے ہیں۔“

سورہ الانفال میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ
حَقًّا ۗ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾

(الانفال: ۳-۴)

”جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔“

سورہ التوبہ میں فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ يُطِيعُونَ اللَّهَ وَ
رَسُولَهُ ۗ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

(التوبہ: ۷۱)

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانایا ہے۔“

سورہ الحج میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوْا الزَّكَاةَ وَ أَمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝﴾ (الحج: ۴۱)

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا



انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

سورہ النور میں فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۱﴾﴾

(النور: ۵۱)

”نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور رسول کی اطاعت کرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا

جائے گا۔“

سورہ النمل میں فرمایا گیا:

﴿هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۳﴾﴾ (النمل: ۲-۳)

”ہدایت اور بشارت ان ایمان لانے والوں کے لیے جو نماز قائم کرتے ہیں اور

زکوٰۃ دیتے ہیں اور پھر وہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔“

سورہ فاطر میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا

وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ﴿۲۹﴾﴾ (فاطر: ۲۹)

”جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ

ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، یقیناً وہ

ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔“

سورہ المجادلہ میں فرمایا:

﴿فَأَقِمْ وَ الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾﴾ (المجادلہ: ۱۳)

”پس نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ①﴾ (الجمعة: ۹)
 ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔“

نماز کی اہمیت حدیث کی رو سے

حدیث کے مطابق قیامت کے دن جس بات کی سب سے پہلے باز پرس ہوگی وہ نماز ہے، جو اس میں کامیاب ہو گیا وہ کامیاب ہے اور جو اس میں ناکام ہو گیا وہ ناکام ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ ایک حدیث بھی کافی ہے۔ مگر نماز کی اہمیت کے بارے میں تو بے شمار احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے نماز کو ضائع کر دیا اس نے اپنے دین کو برباد کر دیا۔ نبی ﷺ نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز سکھائی جائے اور اس کی ترغیب دی جائے اور جب دس سال کے ہو جائیں تو ان سے نماز کی پابندی کرائی جائے اور اگر صرف ترغیب سے کام نہ چلے تو ترہیب سے بھی کام لیا جاسکتا ہے تاکہ سن بلوغ کو پہنچنے تک بچوں میں نماز کی عادت اتنی پختہ ہو جائے کہ وہ اسے ضائع کرنے کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

ایمان کے بعد اسلام کے جتنے بھی ارکان ہیں نماز ان میں سب سے اہم ہے۔ درحقیقت نماز کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ مغربی تہذیب کے اثرات نے تو اسلام کا حلیہ ہی بدل دیا ہے۔ جس نے عمر بھر نماز نہ پڑھی ہو وہ بھی شہدا میں شمار ہوتا ہے۔ جس نے عمر بھر وضو نہ کیا ہو اور ہر وقت غلاظت میں لتھڑا رہے وہ بہت اونچے درجے کا ولی ہے۔

یہ محض اس دور کا تصور ہے کہ انسان نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اُس کے اسلام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نبی ﷺ کے دور میں منافقین بھی پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے، بلکہ باجماعت نماز پڑھتے تھے تاکہ ان کا شمار مسلمانوں میں ہو سکے۔ اس وقت مسلمان

کی پہچان ہی یہی تھی کہ نماز کا وقت آنے پر وہ نماز کے لیے حاضر ہو جائے۔
نبی ﷺ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ جب ان کے کسی لشکر کا گزر کسی بستی پر سے ہو تو یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا یہ بستی مسلمانوں کی ہے یا کفار کی، اذان دی جائے۔ اگر بستی مسلمانوں کی ہوئی تو اذان کا جواب مل جائے گا۔ گویا یہ اسلام کی پہچان ہے اور نماز کے بغیر اسلام کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب دل چاہے یا فارغ ہو تو نماز پڑھ لو اور اگر مصروف ہو تو نماز چھوڑ دو۔ یہ اختیار ہم نے خود اپنے لیے وضع کر لیا ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسا کوئی اختیار ہمیں نہیں دیا۔ اسلام کے دوسرے ارکان میں بعض حالتوں میں استثناء ہے۔ مثلاً زکوٰۃ صرف مالدار کے لیے ہے، نادار کے لیے نہیں ہے۔ روزہ صحت مند کے لیے ہے بیمار کے لیے نہیں ہے۔ حج صاحب استطاعت کے لیے ہے، استطاعت نہ ہو تو نہیں ہے۔ لیکن نماز کسی صورت میں معاف نہیں ہے۔ وضو نہیں کر سکتے تو تیمم کر لو، کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو، بیٹھ بھی نہیں سکتے تو لیٹے لیٹے اشاروں سے ہی پڑھ لو۔ مگر پڑھو ضرور، چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔ استثناء کی صرف ایک صورت ہے کہ انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے، لیکن جب بھی ہوش میں آئے، قضا پڑھ لے۔ اور اگر اسی بے ہوشی میں چل بے تو لواحقین اس کی قضا نمازوں کا فدیہ دیں۔

تارک نماز کے بارے حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک ائمہ اربعہ میں سب سے نرم ہے لیکن وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اسے جیل میں رکھا جائے تا وقتیکہ وہ نماز کی پابندی کرے۔ بعض ائمہ تو تارک نماز کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔ یہ ہے نماز کے بارے میں اسلام کا عمومی موقف۔ آئیے اب اس سلسلہ کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ”نماز حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”نماز دین کا ستون ہے، جس نے

اسے قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے گرا دیا، اس نے دین کو گرا دیا۔“

(ضعیف: احیاء علوم الدین: ۱/ ۱۳۷۔ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ بہت سی کتب میں موجود ہے۔ لیکن

وہ بھی ضعیف ہیں۔ تاہم یہ روایت صحیح ہے کہ اسلام کا ستون نماز ہے۔ دیکھئے: مسند احمد: ۲۲۰۶۸)

اور ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ (ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۳۳۲۸۔ ابو جعفر الرازی راوی ضعیف ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مقررہ وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا، اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ لوگ تیری زبان سے محفوظ رہیں۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۷۰۔ صحیح مسلم: ۸۵۔ تنبیہ: روایت کا دوسرا حصہ مجھے نہیں ملا ”کہ تیری زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔“)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں، جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں اور جس کی نماز نہیں اس کا دین نہیں۔ بے شک دین میں نماز کا وہی مقام ہے جو جسم میں سر کا مقام ہے۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: مسجدوں کو آباد کرنے والے ہی اللہ بزرگ و برتر کی دوستی کے لائق ہیں۔“ (ضعیف: تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۱۱۹۔ صالح بن مری راوی ضعیف ہے۔)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بندے اور کفر کے درمیان (حد فاصل) ترک نماز ہے۔“ (صحیح مسلم: ۸۲)

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہمارے اور ان (کفار و مشرکین) کے درمیان فرق کرنے والی کسوٹی نماز ہے،

جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے یقیناً کفر کیا۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۲۶۲۱۔ سنن



نسائی: ۴۶۳۔ سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۹۔ مسند احمد: ۷: ۲۲۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
”ایک دن نبی ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جس نے نماز کی
حفاظت کی، قیامت کے دن یہ اس کے لیے روشنی، دلیل اور نجات کا باعث ہو
گی، اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی، قیامت کے دن اس کے لیے نہ کوئی
روشنی ہوگی، نہ دلیل اور نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور
ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“ (اس کا انجام کفر کے ان نمائندوں جیسا ہوگا)۔

(حسن: مسند احمد: ۶: ۶۵۷۶۔ سنن دارمی: ۲: ۲۷۳۔ شعب الایمان للبیہقی: ۲۵۶۵)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
”اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے ان کے لیے اچھی طرح وضو
کیا اور انہیں وقت پر ادا کیا اور رکوع و سجود کو خشوع کے ساتھ اچھی طرح مکمل کیا،
اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ اسے بخش دے گا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا، اس
کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں۔ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو اسے عذاب
دے۔“ (صحیح: سنن ابی داؤد: ۴۲۵۔ مسند احمد: ۴: ۲۲۷۰۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”کوئی مومن شخص ایسا نہیں جو فرض نمازیں وقت پر ادا کرے اور ان کے لیے
اچھی طرح وضو کرے اور خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع و سجود کرے تو یہ اس کے
گزشتہ گناہوں کا کفارہ نہ بن جائیں جب تک کہ اس سے کوئی کبیرہ گناہ نہ سرزد
ہو اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔“ (صحیح مسلم: ۲۲۸)۔

نبی ﷺ کی قرأت اور نماز کا طریقہ

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
”رسول اللہ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر قراءات کرتے تھے۔ آپ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

رَبِّ الْعَالَمِينَ پڑھتے، پھر رک جاتے۔ پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے،
پھر رک جاتے تھے۔“

(صحیح: سنن ابوداؤد: ۴۰۰۱۔ جامع ترمذی: ۲۹۲۷۔ مسند احمد: ۲۶۵۸۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

”رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرتے اور قرأت کا آغاز
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے فرماتے اور جب رکوع میں جاتے تو سر
مبارک کو نہ اوپر کی جانب اٹھاتے نہ نیچے کی جانب جھکاتے بلکہ درمیانی حالت
میں رکھتے (بالکل کمر کے متوازی) اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سجدہ
میں اس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب
سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا
سجدہ نہ فرماتے، اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے اور اس وقت بائیں پاؤں کو نیچے
بچھا لیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے
اور اس بات سے بھی منع فرماتے کہ آدمی سجدہ میں اپنی کلائیوں تک زمین پر
رکھے جس طرح کہ درندے اپنی کلائیوں زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں اور
آپ ﷺ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم: ۴۹۸)

نماز میں خشوع کی اہمیت

خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے جھک جانا، عاجزی اختیار کرنا، سر تسلیم خم کرنا۔ نماز
میں خشوع اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے مکمل طور پر
جھک جائے، اس کے سامنے عاجز بندے کی طرح کھڑا ہو، اسے اللہ کی بڑائی اور اپنی کم مائیگی
کا پوری طرح احساس ہو، اسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی شانِ جلالت اور اپنی بندگی کا علم ہو، اس
کا دل پوری طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف مائل ہو اور وہ اللہ کی یاد میں ڈوب جائے۔ یہی
وہ نماز ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو اور یہی وہ نماز ہے جو

فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

بعض فقہاء جن میں حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شامل ہیں، خشوع کو نماز کی شرط قرار دیتے ہیں اور اس کے بغیر نماز کو باطل قرار دیتے ہیں۔ لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء خشوع کو نماز کی شرط نہیں بلکہ نماز کی روح قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر یہ بے روح نماز ہے جس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو نماز سے مطلوب ہیں۔ بہر حال ان کے نزدیک بھی تکبیر تحریمہ کے وقت خشوع شرط ہے یعنی جب نماز شروع کرے تو اس وقت پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو، اگر تکبیر تحریمہ کہتے وقت بھی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو گویا وہ نماز میں داخل ہی نہیں ہوا، اس لیے اس کی نماز نہیں ہوگی۔ خشوع کی اہمیت جاننے کے لیے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے:

سورہ المؤمنون میں فرمایا گیا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ۝﴾

(المؤمنون: ۱-۲)

”یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں کامیابی کے لیے نمازوں میں خشوع اختیار کرنا ضروری ہے۔

سورہ الحديد میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۝﴾ (الحديد: ۱۶)

”کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے

ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے سامنے جھک جائیں؟“

اللہ کے ذکر سے مومنین کے دلوں میں خشوع پیدا ہونا چاہیے یعنی دل اللہ کے سامنے

جھک جانے چاہئیں۔ دل کو اللہ کی طرف مائل کرنے کے لیے اللہ کا ذکر ضروری ہے، اس کے بغیر دل موم نہیں ہوتا۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَيَخْضَوْنَ لِلذُّقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۹)

”اور وہ (اہل ایمان) منہ کے بل روتے ہوئے گرجاتے ہیں اور اسے (قرآن کو) سن کر ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔“

تلاوت قرآن سے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید کی تلاوت باقاعدگی سے کرنی چاہیے۔

سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾

(البقرہ: ۴۵)

”صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ان لوگوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

نماز کی پابندی مشکل کام ہے لیکن اگر دل میں خشوع ہو تو یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں رہتا، بلکہ نماز چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سورہ الانبیاء میں حضرت زکریا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾ (الانبیاء: ۹۰)

”یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ خشوع نیک لوگوں کی خصوصیت ہے۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی

فرمائی کہ جب تو میرے سامنے (نماز) میں کھڑا ہو تو حقیر اور ذلیل شخص کی طرح اپنے نفس کی مذمت کرتا ہوا کھڑا ہو کہ نفس اسی کا مستحق ہے اور جب مجھ سے دعا مانگے تو اس طرح کہ تیرے جسم پر لرزہ طاری ہو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیے: آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تمہاری نماز ایسی ہونی چاہیے کہ معلوم ہو کہ تم اس وقت مر رہے ہو اور دنیا چھوڑ رہے ہو۔ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۴۱۷۱۔ مسند احمد: ۲۳۴۹۸۔ عثمان بن جبیر راوی مجہول الحال ہے۔)

یعنی ہر نماز کو آخری نماز سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ ظاہر ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ یہ اس کی آخری نماز ہے تو وہ اسے پوری توجہ کے ساتھ پڑھے گا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اللہ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک کہ وہ دوسری طرف التفات نہ کرے۔ جب بندہ دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشہ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ اس سے رخ پھیر لیتا ہے۔“

(صحیح: سنن ابوداؤد: ۹۰۹۔ سنن نسائی: ۱۱۹۴۔ مسند احمد: ۲۱۵۰۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ بھی اپنا رخ اس کی طرف کر لیتا ہے۔ پھر جب آدمی اپنا رخ پھیر لیتا ہے، تو اللہ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو کس کی طرف رخ پھیرتا ہے؟ مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف رخ کر! جب آدمی دوبارہ روگردانی کرتا ہے تو اللہ وہی پہلی بات فرماتا ہے، جب تیسری بار آدمی منہ پھیر لیتا ہے (توجہ ہٹا لیتا ہے) تو اللہ بھی اس کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے۔“ (رواہ البزار)

نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے دوران اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا

کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا سے بھی اس کا اظہار ہوتا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”سب سے پہلے جو چیز اس امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہے، یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہیں آئے گا۔“ (ضعیف: مسند الشامیین للطبرانی: ۱۵۷۹۔

حلیۃ الاولیاء: ۵/۱۲۴۔ اس کی سند میں فرج بن فضالہ راوی ضعیف ہے۔ تاہم امام بیہقی

نے مجمع الزوائد ۲۸۱۳ میں اسے حسن قرار دیا ہے۔)

نماز میں خشوع و خضوع کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں روح کی ہے۔ خشوع نماز کی جان ہے۔ جس نماز میں خشوع نہ ہو وہ بے جان لاشے کی طرح ہے جو دیکھنے میں تو انسان لگتا ہے لیکن کسی کام کا نہیں۔

خشوع کی مثالیں

حضرت مطرف بن عبد اللہ الشخیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے اس طرح آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی میں اُبال آیا ہوا ہو۔“

آپ ﷺ پر گریہ طاری تھا اور رونے کی آواز کو دبانے کی کوشش میں اس طرح کی آواز آ رہی تھی۔ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۹۰۴۔ سنن نسائی الکبریٰ: ۵۴۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

”ایک رات حضور ﷺ اٹھے اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کر

دیا، یہاں تک کہ آنسو بہہ کر سینہ مبارک تک آ گئے، پھر رکوع کیا اور رکوع میں بھی

اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ میں بھی گریہ جاری رہا۔ اس کے بعد سجدہ سے سر

اٹھایا تو اس وقت بھی روتے رہے، یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر فجر کی نماز

کے لیے آواز دی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس قدر روتے

ہیں حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔ آپ ﷺ کے گزشتہ اور آئندہ سارے

گناہوں کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما چکا ہے۔ حضور نے فرمایا: تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔“ (صحیح: ابن حبان (الاحسان) ۶۲۰۔ صحیح بخاری: ۲۸۳۶ مختصراً)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر قیام کرتے کہ ہم لوگ سمجھتے کہ حضور ﷺ سجدے میں جانا بھول گئے ہیں۔ (سیرۃ النبی، جلد ۲۔ از شبلی نعمانی) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ رات میں کچھ دیر سوتے، پھر اٹھ کر نماز پڑھتے، پھر سو جاتے، پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز میں مصروف ہو جاتے۔ غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اکثر دن کو روزے رکھتے اور راتیں نماز میں گزارتے۔ خشوع و خضوع کا یہ حال تھا کہ نماز میں بے جان لکڑی کی طرح بے حس و حرکت کھڑے رہتے، روتے اس قدر تھے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فجر کی نماز میں پوری سورہ البقرہ پڑھ ڈالتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کا بیشتر حصہ جاگ کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے، جب صبح ہوتی تو اپنے گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طہ: ۱۳۲)

”اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔“

حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے:

﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بِنِّي وَحُزِنِي إِلَى اللَّهِ﴾ (يوسف: ۸۶)

”اس نے کہا میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔“

تو اس زور سے روتے کہ میں ان کے رونے کی آواز سنتا تھا حالانکہ میں پچھلی صف میں ہوتا تھا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے،

جب اس آیت پر پہنچے:

﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۚ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۗ﴾ (الطور: ۷-۸)

”بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔“

تو اس قدر روئے کہ روتے روتے آپ کی آنکھیں متورم ہو گئیں۔

ایک نماز میں آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَإِذَا الْقُؤَامُ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقْرَّبِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝﴾

(الفرقان: ۱۳)

”اور جب یہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے دوزخ کی ایک تنگ جگہ میں ٹھونسنے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے۔“

یہ آیت پڑھ کر آپ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ آپ کی حالت غیر ہو گئی۔

ایک بار فجر کی نماز میں سورہ یوسف شروع کی، جب اس آیت پر پہنچے:

﴿وَأَبْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝﴾ (یوسف: ۸۴)

”وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔“

تو زرارہ روئے لگے، قراءت جاری رکھنا دشوار ہو گیا، مجبور ہو کر رکوع میں چلے گئے۔

صائب بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، کہ قحط کا زمانہ تھا،

میں نے آدھی رات کو دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور دعا میں بار

بار کہہ رہے تھے۔ اے اللہ! ہم لوگوں کو قحط سے ہلاک نہ کر، اس بلا کو ہم سے دور کر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت نماز میں ایسی ہوتی کہ انجان دیکھتا تو ڈر جاتا کہ اس نماز میں

ان کی روح پرواز کر جائے گی۔ بسا اوقات ان پر اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ آنکھیں سوج

جاتیں۔ امام شعرانی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد نہ دن کو آرام کیا نہ رات

کو سوئے۔ بس کسی وقت اونگھ لیتے اور فرماتے تھے کہ دن کو سو جاؤں تو عوام کے نقصان کا

اندیشہ ہوتا ہے اور رات سو کر گزاروں تو آخرت کا خسارہ نظر آتا ہے۔

شہادت سے قبل نیزہ کے زخم سے مسلسل خون جاری تھا، اس سے کمزوری اس قدر بڑھ

گئی کہ بار بار غفلت طاری ہو جاتی۔ اس حالت میں بھی جب ہوش میں آتے تو سب سے پہلے نماز پڑھتے اور فرماتے مجھے معلوم ہے جو شخص نماز ادا نہ کرے، اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ کسی نے اس حال میں پوچھا: ایسا کیوں ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس امانت کو ادا کرنے کا وقت ہے، جس کو زمین و آسمان نہ اٹھا سکے، پہاڑوں نے اپنے عجز کا اظہار کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ اسے پورا کر سکوں گا کہ نہیں۔ (احیاء علوم الدین: ۱/۱۵۱۔ اس کی سند مذکور نہیں۔)

ایک دفعہ آپ کی پنڈلی میں تیر لگ گیا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو تکلیف کی وجہ سے نہ نکال سکے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوں تو نکال لینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب آپ نماز میں مشغول تھے تو تیر نکال لیا گیا، آپ کا انہماک اس قدر زیادہ تھا کہ آپ کو تکلیف کا احساس نہ ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ فجر کی نماز پڑھا کر دائیں جانب رخ کر کے بیٹھ گئے۔ آپ کے چہرے سے رنج و غم کا اظہار ہو رہا تھا۔ طلوع آفتاب تک آپ اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس کے بعد بڑے تاثر کے ساتھ اپنا ہاتھ پلٹ کر فرمایا: خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے، آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔

ان کی صبح اس حال میں ہوتی کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے، چہرے غبار آلود اور زرد ہوتے، وہ ساری رات اللہ کے حضور سجدے میں پڑے ہوتے، کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے، کھڑے کھڑے تھک جاتے تو کبھی ایک پاؤں پر سہارا لے لیتے کبھی دوسرے پاؤں پر، وہ اللہ کا ذکر کرتے تو کیف و اثر سے اس طرح جھومتے جیسے ہوا میں درخت جھومتے ہیں اور اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو بہتے کہ ان کے

کپڑے تر ہو جاتے تھے۔ ایک اب کے لوگ ہیں کہ غفلت میں رات گزار دیتے ہیں۔
حضرت حسن رضی اللہ عنہ وضو کرتے تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، کسی نے پوچھا،
ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک بڑے جبار بادشاہ کی پیشی میں کھڑے ہونے کا
وقت آ گیا ہے۔ پھر وضو کر کے مسجد میں تشریف لاتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر
کہتے: ”اے اللہ تیرا بندہ تیرے دروازے پر ہے، اے احسان کرنے والے۔ اور تو نے ہم
میں سے احسان کرنے والے کو حکم دیا کہ گناہ گار سے درگزر کرے۔ اور تو احسان کرنے
والا ہے اور میں گناہ گار ہوں، پس تو میری برائیوں کو اپنی طرف سے اچھائیوں میں بدل
دے، اے کریم۔“

آپ کے اوقات کا اکثر حصہ عبادت میں صرف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے
ایک شخص سے آپ کی عبادت کا حال دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے
طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے
والوں سے ملتے ہیں، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن کی
خدمت میں سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں، پھر گھر سے ہو کر مسجد چلے جاتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اتنا طویل قیام کرتے کہ دونوں پاؤں میں ورم آ جاتا۔ اکثر
شدت ورم سے پاؤں پھٹ جاتے اور ان سے خون نکلنے لگتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کی نماز سب سے زیادہ نبی ﷺ کی نماز کے مشابہ تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شب بیداری کے لیے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا
تھا۔ ایک حصہ میں آپ خود نماز پڑھتے تھے، دوسرے میں آپ کی بیوی نماز پڑھتی تھی اور
تیسرے میں آپ کا غلام نماز پڑھتا تھا۔ باری باری سے ایک دوسرے کو جگاتے تھے۔
(بخاری)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب کفار مکہ سولی دینے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ اگر
تمہاری کوئی خاص تمنا ہو تو کہو، خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ایک تمنا ہے اگر تم پوری کر سکو۔

انہوں نے پوچھا: کیا؟ فرمایا: اگر تم لوگ مہلت دو تو دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ ان لوگوں نے مہلت دے دی۔ آپ نے جلدی سے نماز ادا کی اور فرمایا: اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں نے موت کے ڈر سے نماز کو لمبا کر دیا ہے تو میں اسے خوب طویل کرتا۔ اور جب انہیں سولی پر لٹکایا گیا تو فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: محمد بن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمر رات کو چار پانچ مرتبہ اٹھتے اور نماز پڑھتے تھے۔ آپ کی شب بیداری کی وجہ بھی سننے کے قابل ہے۔ ایک دفعہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکل گیا کہ عبداللہ کیا ہی اچھا آدمی ہوتا اگر وہ رات میں نمازیں پڑھا کرتا۔ حضرت عبداللہ نے یہ بات سنی تو ساری زندگی کے لیے یہ معمول بنا لیا کہ رات کو بہت کم سوتے اور زیادہ وقت نماز میں گزارتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس خشوع و خضوع اور استغراق اور محویت کے ساتھ نماز پڑھتے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے۔ طویل سجدہ کی وجہ سے ایسے بے حس و حرکت ہو جاتے کہ چڑیاں اڑا کر آپ کی پشت پر آ بیٹھتیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیر کی نماز کو دیکھ لو۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک چڑیا ایک شاخ سے اڑی اور باہر نکلنے لگی۔ لیکن باغ گھنا تھا اور چڑیا کو باہر جانے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ وہ راستے کی تلاش میں ادھر سے ادھر اڑتی رہی۔ حضرت ابو طلحہ کی نظر چڑیا پر جا پڑی اور دیر تک خیال اسی کے ساتھ الجھا رہا، تنبہ ہوا تو یاد نہ رہا کہ کونسی رکعت ہے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا کہ نماز میں ایسی غفلت۔ چونکہ باغ کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی اس لیے نماز سے فارغ ہو کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ باغ ہی کی وجہ سے نماز میں یہ غفلت ہوئی اس لیے باغ کو اللہ کی راہ میں نذر کرتا ہوں، آپ ﷺ اس میں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔

حضرت عباد بن بشیر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ایک غزوہ سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑی پر پہرے دار مقرر فرمایا۔ رات کے پہلے حصے میں حضرت عمار بن یاسر سوئے اور عباد بن بشیر پہرہ دینے لگے۔ انہوں نے سوچا کی بے کار وقت گزارنے کی بجائے کیوں نہ اپنے رب سے راز و نیاز کر لوں، چنانچہ نماز کی نیت کر کے کھڑے ہو گئے۔ دشمن تاک میں تھا، اس نے دور کھڑے ہو کر تیر چلایا جو حضرت عباد رضی اللہ عنہ کو لگا، لیکن آپ بدستور نماز میں مشغول رہے، دشمن نے دوسرا اور تیسرا تیر چلایا اور یہ دونوں تیر بھی حضرت عباد کے بدن پر لگے۔ تیر چھتے گئے اور آپ نکال کر پھینکتے گئے۔ پورے اطمینان کے ساتھ جب نماز مکمل کر لی تو اپنے ساتھی کو جگایا۔ وہ اٹھے تو دشمن ایک کی جگہ دو دیکھ کر بھاگ گیا کہ نہ معلوم اور کتنے ہوں۔ حضرت عمار نے حضرت عباد کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھا تو بولے، سبحان اللہ! تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ جگا دیا۔ حضرت عباد نے فرمایا: میں نے سورہ کہف شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسے ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید میں تیر کھاتے کھاتے مر جاؤں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خدمت میرے سپرد کی ہے وہ فوت ہو جائے تو میں مر جانا گوارا کرتا لیکن سورہ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا۔ یہ تھے نماز کے قدر شناس اور یہ تھا ان کا ذوقِ تلاوت

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ: آپ کے خشوع کے بارے میں عبد اللہ بن سلیمان کہتے ہیں کہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: تم لوگ کیا جانو کہ میں کس کے حضور کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔ نماز کے دوران آپ پر ایک استغراقی کیفیت طاری ہوتی۔ چنانچہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے خدام بے تکلف باتیں شروع کر دیتے تھے اور باتیں بھی ایسی کرتے جو عام حالات میں آپ کے سامنے زبان پر نہیں لاتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ ایسا کیوں



کرتے ہو؟ خدام نے جواب دیا کہ جب حضرت نماز میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کو ہماری گفتگو کی خبر نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، سجدے کی حالت میں تھے تو پاس ہی آگ لگی، لیکن آپ نے سجدے سے سر نہ اٹھایا، نماز سے فارغ ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس چیز نے آگ سے بے خبر کر دیا تھا، جواب دیا دوسری آگ نے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ آپ اکثر رات کا بیشتر حصہ نماز میں گزارتے۔ ایک رات آپ نے قیامت کے متعلق یہ آیات پڑھیں:

﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۗ وَ تَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۗ﴾ (القارعة: ۴-۵)

”وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ رنگ کے ڈھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے۔“

اس کا ایسا اثر ہوا کہ آپ چیخ مار کر گرے اور اس طرح بے حس و حرکت ہو گئے جیسے دم نکل گیا ہو۔ جب ہوش آیا تو ساری رات یہی آیت دہراتے گزار دی۔

ایک دن نماز میں یہ آیت پڑھی:

﴿وَقِفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۗ﴾ (الصافات: ۲۴)

”ان کو ٹھہراؤ، ان سے باز پرس کی جائے گی۔“

تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسی آیت کو بار بار دہراتے رہے اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ: آپ خشوع و خضوع کے پیکر تھے۔ زائد بیان کرتے ہیں: میں نے ایک دفعہ امام ابو حنیفہ کے پیچھے نماز پڑھی، مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا تھا۔ امام صاحب نفل پڑھنے لگے، میں ٹھیر گیا کہ آپ فارغ ہوں تو مسئلہ پوچھوں۔ جب آپ قراء

ت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے:

﴿قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَذَابَ
السُّبُورِ ﴿٢٧﴾﴾ (الطور: ۲۶-۲۷)

”یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے
تھے۔ آخر کار اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب
سے بچا لیا۔“

تو آپ بار بار اسی آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور اس وقت بھی آپ
کی زبان پر یہی آیت جاری رہی۔

یزید بن کسیت بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ عشاء کی نماز میں
شریک ہوا، آپ نے سورہ زلزال پڑھی جو قیامت کے بیان میں ہے اور جس کے آخر میں یہ
آیات ہیں:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٨﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا
يَرَهُ ﴿٩﴾﴾ (الزلزال: ۷-۸)

”پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر
بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے، میں ٹھہرا رہا۔ امام صاحب ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے،
میں ان کی یہ حالت دیکھ کر وہاں سے اُٹھ گیا، جب صبح کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تو دیکھا
کہ امام صاحب ابھی تک غمزہ بیٹھے ہیں، داڑھی ہاتھ میں ہے، بڑی رقت کے ساتھ کہہ رہے
ہیں: اے وہ ذات جو ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ دے گی، اپنے غلام نعمان کو
دوزخ کی آگ سے بچاؤ!

حضرت عامر بن عبد اللہ رحمہ اللہ: آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو دنیا و مافیہا کی
خبر نہ ہوتی۔ آس پاس شور و غل ہوتا رہتا اور ان کو کچھ پتہ نہ چلتا۔ ایک بار ان سے پوچھا گیا

کہ آیا آپ کو نماز میں کسی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے، فرمایا: مجھے اس چیز کی خبر ہوتی ہے، کہ ایک روز اللہ کے حضور کھڑا ہونا ہوگا اور جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک میں جانا ہوگا۔ پوچھا گیا: ہماری کسی بات کی بھی آپ کو خبر ہوتی ہے؟ جواب دیا: مجھے نماز کی حالت میں تمہاری باتوں کی خبر ہونے سے میرے نزدیک کہیں یہ بہتر ہے کہ میرے جسم میں نیزوں کے پھل داخل کر دیئے جائیں۔

حضرت زرارہ بن اوئی رحمہ اللہ: بہز بن حکیم کی روایت ہے کہ زرارہ بن اوئی بصرہ کے قاضی تھے اور بنی قشیر کی مسجد میں امام کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ایک دن فجر کی نماز میں یہ آیات پڑھیں:

﴿فَإِذَا نَقَرْنَا فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝﴾ (المدثر: ۸-۹)

”پس جب صور میں پھونک مار دی جائے گی وہ دن بڑا ہی سخت دن ہوگا“ تو

دہشت کی وجہ سے روح پرواز کر گئی اور وہ بے جان ہو کر گر پڑے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نماز سے فارغ ہوتے تو دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا: ڈرتا ہوں کہ میری نماز میرے منہ پر نہ مار دی جائے۔

یہ چند مثالیں تھیں ان لوگوں کی جو اللہ کی یاد کے لیے نماز قائم کرتے تھے اور جنہیں اس بات کی فکر تھی کہ کہیں ان کی نماز رد نہ کر دی جائے۔ اللہ کو وہی نماز پسند ہے جس میں بندہ پوری طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ ایسی نماز جس میں بندے کے دل میں اللہ کی یاد کا گزر ہی نہ ہو اور وہ شروع سے آخر تک اپنے ہی حساب کتاب میں مصروف رہے وہ بھلا اللہ کے ہاں کیوں کر مقبول ہوگی اور اس کے نتیجے میں انسان کے کردار پر وہ نتائج کیونکر مرتب ہوں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو مطلوب ہیں؟

ہمیں اپنی نمازوں کی فکر کرنا چاہیے اور ان میں خشوع اختیار کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری نمازیں ہمارے منہ پر ماری جاتی رہیں اور ہمیں احساس ہی نہ ہو یا اگر احساس ہو بھی تو اس وقت جب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہو۔

نماز کی حفاظت

نماز کی حفاظت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری، دوسرا باطنی۔ ظاہری حفاظت تو یہ ہے کہ با وضو ہو کر، قبلہ رخ کھڑے ہو کر وقت کے اندر، فرائض، سنن اور مستحبات کا لحاظ کرتے ہوئے نماز ادا کی جائے، نیز کپڑوں کا پاک ہونا اور نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن باطنی پہلو کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور وہ یہ کہ انسان کا دل اور دماغ پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ اللہ خالق کائنات کے سامنے کھڑا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اس طرح نماز پڑھے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم اسے یہ احساس ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جس نے وقت پر نماز پڑھی اور اس کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور خشوع و خضوع کے ساتھ قیام، رکوع اور سجود کیے تو اس کی نماز صاف شفاف چمکتی ہوئی خوش و خرم آتی ہے اور کہتی ہے کہ اللہ تیری حفاظت کرے جیسے تو نے میری حفاظت کی۔ اور جس نے بے وقت نماز پڑھی، نہ اچھی طرح وضو کیا اور نہ ٹھیک طرح سے رکوع و سجود کیے اس کی نماز سیاہ اندھیرے کی طرح ظاہر ہوتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ اللہ تجھے ضائع کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا۔ پھر جیسے اللہ چاہے، پرانے چیتھڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔“

(ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۳۰۹۵۔ اس کی سند میں عباد بن کثیر راوی متروک ہے، نیز

اس کے اور بھی شواہد ہیں لیکن وہ بھی ضعیف ہیں۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ اس کے بعد ایک شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی، پھر آ کر سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: جاؤ نماز پڑھو، تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ تین بار ایسا ہی ہوا اور آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا:

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے! مجھے اس کے سوا اچھی نماز نہیں آتی، لہذا مجھے سکھا دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو جاؤ، پھر تکبیر کہو، پھر قرآن کا جو حصہ تمہیں آسان ہو وہ پڑھو، پھر رکوع کرو اور تمہارا رکوع اطمینان کے ساتھ ہو، پھر رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو اور تمہارا سجدہ پورے اطمینان سے ہو، پھر سجدے سے اٹھ کر بیٹھو اور اس بیٹھنے میں بھی اطمینان ہو، اس کے بعد دوسرا سجدہ کرو اور یہ سجدہ بھی اسی طرح اطمینان کے ساتھ ہو، پھر اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرو۔“ یعنی اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرو۔

(صحیح بخاری: ۷۵۷۔ صحیح مسلم: ۳۹۷)

”حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کی ایک جماعت کے ساتھ آپ ﷺ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا اور لگا جلدی جلدی رکوع کرنے اور سجدے میں ٹھونگیں سی مارنے۔ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس شخص کو دیکھتے ہو، اگر یہ ایسی ہی نماز پڑھتے ہوئے مر گیا، تو دینِ محمدی پر نہیں مرے گا۔ یہ نماز میں ایسی ٹھونگیں مارتا ہے جیسے کوا خون میں جلدی جلدی چونچیں مارتا ہے۔“

(ضعیف: معجم الکبیر للطبرانی: ۳۸۴۰۔ صحیح ابن خزیمہ: ۶۶۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۵۷۳۔ ماہر یسین الفحل حفظہ اللہ نے کہا: شیبہ بن احنف راوی متابعت کی وجہ سے مقبول ہے، مگر اس

حدیث کی متابعت موجود نہیں، لہذا اس کی سند ضعیف ہے۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”بعض آدمی ساٹھ ساٹھ سال تک نماز پڑھتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی ایک نماز بھی نہیں ہوتی۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیسے؟ ارشاد فرمایا کہ وہ رکوع ٹھیک کرتے

ہیں تو سجدہ پورا نہیں کرتے، اور سجدہ پورا کرتے ہیں تو رکوع پورا نہیں کرتے۔“

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: بندے کا اس کی نماز میں صرف وہی حصہ ہے جو اس نے سمجھ کر شعوری طور پر ادا کیا۔ (ضعیف: احیاء العلوم الدین: ۱/۱۵۹۔ حافظ عراقی نے کہا: میں اسے مرفوع سند سے نہیں پاتا۔ ناصر الدین البانی نے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں۔ سلسلۃ الضعیفہ: ۶۹۴۱۔)

حضرت ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے بُرا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نہ رکوع ٹھیک طرح سے کرتا ہے نہ سجود۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۲۶۴۲۔ معجم الکبیر: ۳۲۸۳۔ صحیح ابن خزیمہ: ۶۶۳۔)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کی نماز اسے بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی اس کی کوئی نماز نہیں۔“ (ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم رقم: ۱۷۳۳۹۔ عمر بن ابو عثمان مجہول راوی ہے۔ نیز حسن بصری مدلس عنعنہ سے بیان کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۹۸۵)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ”جس کی نماز اسے بے حیائی اور برائی سے نہ روکے وہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتی سوائے اس کی اللہ سے دوری میں۔“ (ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم، رقم: ۱۷۳۴۰۔ معجم الکبیر: ۱۱۰۲۵۔ مسند الشہاب: ۵۰۸۔ لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲)

”جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اس کی کوئی نماز نہیں اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ وہ اسے بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روک دے۔“ (ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۷۳۴۱۔ یہ روایت موقوف صحیح ہے۔)

ان تینوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اگر کوئی شخص نماز بھی پڑھتا ہو اور بے حیائی اور برائی کے کاموں میں بھی ملوث ہو تو یقیناً اس کی نماز میں نقص ہے۔ ایسے شخص کو اپنی نماز پر غور کرنا چاہیے اور اسے درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک آدمی دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی یاد کے لیے نماز قائم کرے اور پھر ایسے کام کرے جو اللہ کے عتاب کا سبب ہوں۔ ایسی نماز تو منافقین کی نماز ہے جس کے بارے میں سورہ النساء میں فرمایا گیا:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا

كَسَالَىٰ يَرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء: ۱۴۲)

”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے

انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسماتے

ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔“

سورہ الماعون میں فرمایا:

﴿قَوْلٌ لِّمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ

يَرَاءُونَ ۝﴾ (الماعون: ۴-۶)

”پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے

ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”یہ منافق کی نماز ہے کہ ایک شخص بیٹھا رہے اور سورج کو دیکھتا رہے، حتیٰ کہ

جب وہ زرد ہو جائے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان چلا جائے

(غروب ہونے لگے) تو وہ اس وقت اٹھے اور چار ٹھونگیں مار لے اور اس میں

اللہ کو یاد نہ کرے مگر کم (اس کی نماز اللہ کی یاد سے خالی ہو)۔“ (صحیح مسلم: ۶۲۲)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز

قبول ہوئی ہے یا نہیں، اسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے بے حیائی اور برائی کے کاموں سے کہاں تک باز رکھا۔ اگر نماز کے روکنے سے وہ برائیاں کرنے سے رک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی ہے۔“ (روح المعانی)

نماز باجماعت کی اہمیت

مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی نماز کی حفاظت میں شامل ہے۔ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا گھر میں اکیلے نماز ادا کرنے سے بہت زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہے۔ ایک روایت کے مطابق نماز باجماعت کا اجر و ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا اور دوسری روایت کے مطابق پچیس گنا زیادہ ہے۔

ایک دفعہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نابینا آدمی ہوں، مسجد آنے میں دشواری ہوتی ہے، کوئی پکڑ کر لانے والا بھی نہیں، کیا میں گھر میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ جب وہ جانے لگے تو آپ ﷺ نے واپس بلا لیا اور پوچھا: کیا آپ کو اذان کی آواز آتی ہے؟ جب انہوں نے بتایا کہ اذان کی آواز آتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں تمہارے لیے جماعت سے معافی کی کوئی صورت نہیں پاتا۔ (صحیح مسلم: ۶۵۳)

اس حدیث سے نماز باجماعت کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک نابینا شخص کو جس کے پاس معقول عذر بھی ہے، نماز باجماعت سے معافی نہیں مل سکتی، تو جو لوگ بلا عذر نماز باجماعت سے اعراض برتتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق سات افراد ایسے ہیں کہ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں سایہ فراہم کرے گا جبکہ سوائے اللہ کے سایہ کے کہیں سایہ نہ ہوگا۔ ان سات افراد میں ایک وہ شخص ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ جب وہ ایک نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہے تو اسے اگلی نماز کے لیے دوبارہ مسجد میں جانے کا انتظار ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۶۰- صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص کا جماعت

کے ساتھ نماز ادا کرنا، اس کے اپنے گھریا اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہے۔ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے، اور نماز پڑھ کر جب تک وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ اس پر درود بھیج، اے اللہ اس پر رحم فرما، اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ نماز میں تصور کیا جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۱۱۹)

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا دوسری صف والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اور دوسری صف والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اور دوسری صف والوں پر بھی؟ یا رسول اللہ ﷺ! تو فرمایا: دوسری صف والوں پر بھی۔“

(ضعیف: مسند احمد: ۲۲۲۶۳۔ فرج بن فضالہ راوی ضعیف ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر لوگوں کو پہلی صف کا اجر و ثواب معلوم ہو جائے تو اس کے لیے قرعہ اندازی کرنا پڑے۔ (صحیح بخاری: ۶۱۵۔ صحیح مسلم: ۷۳۷)

ابوداؤد کی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص مسجد کے پڑوس میں رہتا ہو اس کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے (اذان کی) آواز سنی اور اس کا جواب نہ دیا (نماز کے لیے مسجد میں نہ آیا) اس کی نماز نہیں ہوگی، سوائے (شرعی) عذر کے۔“ (صحیح سنن دارقطنی: ۱۵۴۲۔ عن ابن عباس)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کی مسجد میں موجودگی کے دوران اذان دی گئی پھر وہ کسی ضرورت کے بغیر مسجد سے نکل

گیا اور اس کا واپس آنے کا ارادہ نہ ہو تو وہ منافق ہے۔“ (ضعیف جداً: سنن ابن ماجہ: ۷۳۴۔
ابن ابی فروہ متروک الحدیث ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”منافقین کے لیے فجر اور عشاء سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں ہے۔ اور اگر انہیں ان دونوں نمازوں کے اجر و ثواب کا علم ہو جاتا تو گواہی نہیں کہنیوں کے بل رینگ کے آنا پڑتا تب بھی آتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے دل میں آتا ہے کہ میں مؤذن کو اذان دینے کا حکم دوں اور کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر آگ کا شعلہ لے کر جاؤں اور ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو نماز کے لیے نہیں آئے۔“ (صحیح بخاری: ۶۵۷۔ صحیح مسلم: ۶۵۱۔)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ ترکِ جماعت سے باز آ جائیں، ورنہ میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۷۹۱۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

یہ اس ہستی کا قول ہے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے رحمۃً للعالمین کہا ہے اور جنہوں نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی نظر میں اور دین میں نماز باجماعت کی کیا اہمیت ہے۔ نبی ﷺ کے دور میں تو منافقین بھی باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تو ترکِ جماعت کا تصور ہی نہیں تھا۔ وہ تو نبی ﷺ کی امامت میں نماز پڑھنے کے اتنے حریص تھے کہ بعض صحابہ کرام جو اپنے لوگوں میں امامت کے فرائض انجام دینے پر مامور تھے، وہ بھی مسجد نبوی میں نبی ﷺ کی معیت میں نماز ادا کر کے اپنے محلے میں نماز پڑھاتے تھے۔“

نماز باجماعت کی مثالیں

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ جلیل القدر تابعین میں سے تھے، آپ جماعت کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ چالیس برس اور ایک روایت کے مطابق پچاس برس تک ان کی ایک وقت کی نماز باجماعت ترک نہیں ہوئی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ ایسے وقت مسجد میں

پہنچیں جب لوگ نماز ختم کر کے واپس جا رہے ہوں۔ ایک بار آپ کو آنکھ کی تکلیف ہو گئی، لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے باہر عقیق کے علاقے میں چلے جائیے، وہاں کے سبزہ زار سے آنکھوں کو فائدہ پہنچے گا، فرمایا: رات اور صبح کی نماز کی حاضری کیسے دوں گا؟

حضرت عمر بن دینار رضی اللہ عنہ مکہ کے ممتاز تابعین میں سے تھے۔ آپ رات کا بیشتر حصہ نماز میں گزارتے تھے۔ ایک تہائی شب سوتے تھے، ایک تہائی حدیث پڑھتے اور ایک تہائی نماز میں صرف کرتے تھے۔ آپ کا گھر مسجد سے کافی دور تھا، لیکن کبھی نماز باجماعت میں ناغہ نہ کرتے۔ جب بوڑھے ہو گئے اور چلنے پھرنے کی طاقت باقی نہ رہی تب بھی بالا لتزام مسجد ہی میں نماز ادا کرتے۔ لوگ انہیں گدھے پر سوار کر دیتے اور وہ مسجد پہنچ جاتے۔ حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کوفہ کے جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ آپ کو نماز سے اتنا شغف تھا کہ ستر سال تک آپ نے جماعت تو کیا، تکبیر اولیٰ تک ترک نہیں کی۔

حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ ایک معروف تابعی تھے۔ آپ نے کبھی نماز باجماعت ترک نہیں کی۔ آخری عمر میں فالج کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ لیکن اس حالت میں بھی جماعت قضا نہیں ہوئی۔ لوگ کہتے تھے، ابو یزید! اس مجبوری کی حالت میں تو آپ کو گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے۔ آپ فرماتے: *حی علی الصلاة اور حی علی الفلاح* سن کر اس کا جواب تو دینا ہی چاہیے، خواہ گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں ایک اور پچیس کے فرق پر یقین تھا۔ ہمیں بھی اگر اجر و ثواب میں پچیس گنا فرق کا اندازہ اور یقین ہو جائے تو شاید ہماری بھی کوئی نماز بغیر جماعت کے نہ ہو۔

عورتوں کے لیے مسجدوں میں جانا اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری نہیں لیکن اگر وہ مسجدوں میں جا کر نماز ادا کرنا چاہیں تو انہیں منع کرنا جائز نہیں، البتہ ان کا گھروں کے اندر نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہے۔

نماز میں طہارت کا مقام

طہارت کے لفظی معنی ہیں صفائی، ستھرائی، پاکیزگی۔ اسلام میں صفائی، ستھرائی اور

پاکیزگی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ جس میں ظاہری صفائی اور باطنی پاکیزگی دونوں شامل ہیں۔ صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ مومن غلیظ نہیں ہو سکتا، نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں، نہ دیکھنے میں اور نہ ہی عادات کے لحاظ سے۔ ایمان کا تو کام ہی یہ ہے کہ انسان کو اندر اور باہر سے مانجھ کر چمکا دے۔

پانچ وقت کی نماز فرض کر کے باطنی صفائی اور نماز کے لیے طہارت کو شرط قرار دے کر ظاہری صفائی کا ایسا نظام قائم کر دیا گیا ہے جس کا جواب نہیں۔ جو شخص اس نظام کو دل سے قبول کر لے اور خلوص سے اس پر عمل پیرا ہو اس کا ظاہر اور باطن کبھی گندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر جسم یا کپڑوں پر گندگی کے چھینٹے پڑ جائیں تو نماز سے پہلے انہیں صاف کرنا ہوگا کہ طہارت نماز کے لیے شرط ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔ اور اگر گناہ کے چھینٹے پڑ گئے ہیں تو نماز پڑھنے سے صاف ہو جائیں گے۔

طہارت کا یہ نظام آج سے پندرہ صدیاں پہلے قائم کیا گیا اور وہ بھی ایک ایسے خطے میں جہاں پانی کی شدید قلت تھی۔ اور ایسے وقت میں جب گندہ رہنا خدا رسیدگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ عیسائی راہبوں اور بزرگوں کے قصے اس پر گواہ ہیں۔ اس طرح کی باتیں کہ فلاں بزرگ چھ ماہ یا سال تک نہیں نہائے بطور کرامت ذکر کی گئی ہیں۔ صفائی، ستھرائی سے پرہیز کرنا مذہبیت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصور عام تھا کہ اللہ والوں کو ان باتوں سے کیا لینا دینا اور یہ تصور آج بھی موجود ہے۔ حالانکہ اللہ کے دین میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو اس کی مذمت کی ہے اور صفائی کی ترغیب دی ہے۔ ملاحظہ ہوں سورہ الاعراف کی درج ذیل آیات:

﴿يٰۤاِبْنِيۤ اٰدَمَ خُذْ وَاٰزِيۡنَتَكَمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاَشْرَبُوۡا وَاَلَا تُسۡرِفُوۡاۙ

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسۡرِفِیۡنَ ؕ ۝۱۱۱ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰہِ الَّتِیۡ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ

الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلْ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَةٌ یُّوۡمَ

الْقِیٰمَةِ ؕ کَذٰلِکَ نَفَصَّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝۱۱۲﴾ (الاعراف: ۳۱-۳۲)

”اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو، اور کھاؤ، پیو

اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی ﷺ! ان سے کہو: کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو: یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی، اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔“

دنیا میں جتنی بھی اچھی چیزیں ہیں اہل ایمان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ان کے صدقے میں دنیا میں دوسروں کو ان سے مستفید ہونے کا موقع دیا گیا ہے اور آخرت میں تو یہ صرف اہل ایمان ہی کا حصہ ہوں گی۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ (صحیح: مسند احمد: ۳۷۸۹) بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے قرب سے صرف انہی لوگوں کو نوازے۔ جو غلاظت میں لتھڑے رہتے ہوں؟ نبی ﷺ خود صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور صحابہ کرام کو بھی اس کی بہت تلقین کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک صحابی کو دیکھا کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور کپڑے گندے ہو رہے ہیں تو فرمایا: کیا اس شخص کے پاس وہ چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑے صاف کر لے اور اس کے پاس کنگھی نہیں ہے جس سے یہ اپنے بال درست کر لے۔ گویا آپ ﷺ کو اس شخص کا اس حالت میں رہنا ناگوار گزرا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ کوئی شخص لہسن کھا کر مسجد میں نہ آئے کہ اس کی بو سے فرشتوں اور دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، خوشبو لگا کر مسجد جانے کی تعریف فرمائی کہ اس سے دوسرے لوگوں کو راحت ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کو سفید لباس بہت پسند تھا جو نفاست اور پاکیزگی کی علامت ہے شاید اس لیے کہ اس پر داغ، دھبے بہت نمایاں نظر آتے ہیں اور میل کچیل بھی بہت جلد نمایاں ہو جاتا ہے اور سفید لباس بہت جلد بدلنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ طہارت اور پاکیزگی کی تعریف کرتے ہوئے سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرہ: ۲۲۲)

”اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

مسجد قبا اور اس کے نواح میں رہنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے سورہ التوبہ میں فرمایا:

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾

(التوبہ: ۱۰۸)

”اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار

کرنے والے ہی پسند ہیں۔“

حضرت ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”پاکیزگی نصف ایمان ہے، اور کلمہ الحمد للہ 'میزان کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ'، 'والحمد للہ'

زمین اور آسمانوں کے درمیان خلا کو بھر دیتے ہیں، اور نماز نور ہے، اور صدقہ (اللہ کی راہ میں

مال خرچ کرنا) دلیل ہے (کامیابی کی) اور صبر روشنی ہے، اور قرآن حجت ہے تیرے حق میں

یا تیرے خلاف، (اگر تو اس پر عمل کرے گا تو تیرے حق میں اور اگر تو اس پر عمل نہیں کرے گا

تو تیرے خلاف حجت ہوگا)، ہر شخص صبح کو اپنی جان کا سودا کرتا ہے اور پھر اسے چھڑا لیتا ہے

یا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ (اپنے دن بھر کے اعمال کی وجہ سے یا تو کامیاب ہوتا ہے یا اپنے

آپ کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے)۔“ صحیح مسلم: ۲۲۳۔

”پاکیزگی نصف ایمان ہے۔“ (صحیح: جامع الترمذی: ۳۵۱۹)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ کا گزر دو قبروں

پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات پر عذاب

نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک تو اپنے آپ کو پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچاتا تھا اور دوسرا

چغلیاں کیا کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک سبز ٹہنی لی، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک

ایک حصہ ان کی قبروں پر لگا دیا۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کیوں

کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: امید ہے ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان دونوں پر

عذاب کم کر دیا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۲۱۸)

ان احادیث سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کی کیا اہمیت ہے۔ ظاہری یا جسمانی طہارت حاصل کرنے کا جو طریقہ شریعت (اسلامی قانون و قواعد) نے مقرر کیا ہے وہ وضو کہلاتا ہے۔ نماز کے لیے با وضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، جس جگہ نماز پڑھی جائے اس جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، نماز کی نیت کرنا اور جو نماز پڑھی جا رہی ہو اس کا وقت ہونا ضروری ہے۔ یہ ساری باتیں شرائط نماز میں داخل ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا عدم وجود نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

وضو کی اہمیت

وضو کی اہمیت کے بارے میں نبی ﷺ کے درج ذیل ارشادات ملاحظہ ہوں۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جس نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا، اس کے جسم کے گناہ جھڑ گئے، حتیٰ کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی اس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۵)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جب کوئی مسلم یا مومن بندہ وضو کے دوران اپنا منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سارے گناہ دُھل جاتے ہیں جو اس نے آنکھ کے ذریعہ کئے۔ جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سارے گناہ دُھل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں نے کئے۔ جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سارے گناہ دُھل جاتے ہیں جو اس نے پاؤں کے ساتھ چل کر کئے، حتیٰ کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جو وضو کرے اور اس میں مبالغہ کرے یا بہت

اچھی طرح سے وضو کرے، پھر اس کے بعد کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے نہ کھول دئے جائیں کہ جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۴)

اور ترمذی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ کلمہ شہادت کے بعد یہ کہے:

((اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ)).....
 ”اے اللہ مجھے توبہ کرنے والے اور پاکیزہ رہنے والے لوگوں میں شامل فرما۔“

(ضعیف: جامع ترمذی: ۵۵۔ ابو ادریس نے عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے روز میرے امتی وضو کے اثرات کی وجہ سے روشن چہروں اور روشن ہاتھ پاؤں والے کہلائیں گے۔ پس تم میں سے جو اپنی سفیدی کو بڑھا سکے بڑھالے۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۶۔ صحیح مسلم: ۲۴۶)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”نماز قائم کرو اور شمار نہ کرو، جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے اور سوائے مومن کے کوئی وضو کی حفاظت نہیں کر سکتا۔“

(صحیح: مسند احمد: ۲۲۴۳۶۔ سنن ابن ماجہ: ۲۷۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے وضو ہونے کے باوجود وضو کیا، اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی گئیں۔“ (ضعیف: سنن ابی داؤد:

۶۲۔ جامع ترمذی: ۵۹۔ عبد الرحمن بن انعم الافریقی راوی ضعیف ہے۔)

حضرت شیبیب بن ابی روح ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور سورہ الروم کی تلاوت فرمائی اور اس میں آپ ﷺ کو شک ہوا (بھول گئے)۔ نماز مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ہمارے ساتھ

نماز پڑھتے ہیں لیکن اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور یہ لوگ ہمیں قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا کرتے ہیں (بھولنے کا سبب بنتے ہیں)۔“ (ترمذی)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اچھی طرح وضو نہ کرنا بھی نماز میں بھولنے کا سبب بنتا ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسواک کرنا منہ کی پاکیزگی اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۴۲۰۳- سنن نسائی: ۵- سنن دارمی: ۷۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میری امت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے لیے مسواک کریں۔“ (صحیح بخاری: ۸۸۷- صحیح مسلم: ۲۵۲)

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے ہوں اور انہوں نے مجھے مسواک کرنے کی تاکید نہ کی ہو، جس سے بعض اوقات مجھے خدشہ ہوتا ہے کہ میں اپنے منہ کا اگلا حصہ گھسا دوں گا۔“ (ضعیف جداً: مسند احمد: ۲۲۲۶۹- سنن ابن ماجہ: ۲۸۹- علی بن یزید ضعیف ہے۔)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نماز کے لیے مسواک کیا گیا ہو وہ اس نماز سے سترگنا افضل ہے جس کے لیے مسواک نہ کیا گیا ہو۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۲۵۱۸- معاویہ بن یحییٰ الصدیقی راوی ضعیف ہے۔)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت (وضو) ہے۔“ (جامع ترمذی: ۴- مسند

احمد: ۱۴۶۶۲- سلیمان بن قرم راوی ضعیف ہے، تاہم دوسرے جملے کے صحیح شواہد موجود ہیں۔)

وضو کی اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وضو کے فرائض، سنن اور مستحبات کا

بھی مختصر طور پر ذکر کر دیا جائے۔

وضو کے فرائض

وضو کے فرائض چار ہیں اور ان کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے جو

درج ذیل ہیں:

- ۱- ایک بار پورے منہ کا دھونا۔
- ۲- ایک بار دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔
- ۳- سر کا مسح کرنا۔
- ۴- دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔ اگر ان میں سے کوئی عضو بال برابر بھی خشک رہ گیا تو وضو نہیں ہوگا۔

وضو کی سنتیں

وضو کی پندرہ سنتیں ہیں:

- ۱- وضو کی نیت کرنا۔
- ۲- دُعا پڑھنا۔
- ۳- دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت دھونا۔
- ۴- کلی کرنا۔
- ۵- مسواک کرنا۔
- ۶- ناک میں پانی ڈالنا۔
- ۷- داڑھی میں خلال کرنا۔
- ۸- ہاتھ، پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔
- ۹- ہر عضو کو تین بار دھونا۔
- ۱۰- پورے سر کا مسح کرنا۔
- ۱۱- اسی ترتیب سے وضو کرنا جو ترتیب بتائی گئی ہے۔
- ۱۲- دونوں کانوں کا مسح کرنا۔
- ۱۳- ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا دھونا۔
- ۱۴- پہلے دایاں اور پھر بائیں عضو دھونا۔
- ۱۵- ہر عضو کو دھوتے وقت اچھی طرح مل لینا تاکہ اس کا کوئی حصہ خشک نہ رہے۔

وضو کے مستحبات

- ۱- کسی ایسی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا کہ جسم اور کپڑوں پر چھینٹے نہ پڑیں۔
- ۲- قبلہ رخ ہو کر وضو کرنا۔
- ۳- وضو کرنے میں بغیر کسی مجبوری کے کسی سے مدد نہ لینا۔



- ۴۔ ناک میں اچھی طرح پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے صاف کرنا۔
- ۵۔ وضو کے دوران دنیاوی باتیں نہ کرنا۔
- ۶۔ انگوٹھیوں اور چوڑیوں کو ہلا لینا تاکہ ان کے نیچے انگلیوں اور کلائیوں تک پانی پہنچ جائے۔

۷۔ وضو کے بعد مسنون دعا پڑھنا، **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ**۔

- ۸۔ وضو کرتے وقت سلام نہیں کرنا چاہیے، اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا بہتر ہے۔
 - ۹۔ زیادہ پانی استعمال کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔
- موجودہ دور میں گھروں اور غسل خانوں کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ شاید ان میں سے بعض باتوں پر عمل نہ ہو سکے۔ اگر تمام مستحبات پر عمل نہ ہو سکے تو کوئی ہرج نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو عمل کر لیا جائے تو کافی ہے۔

غسل کے فرائض

غسل جنابت میں تین چیزیں فرض ہیں:

- ۱۔ کلی کرنا۔
- ۲۔ ناک میں پانی ڈالنا۔
- ۳۔ سارے جسم پر پانی بہانا اس طرح کہ جسم کا کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے حتیٰ کہ ناخنوں کے اندر بھی پانی پہنچ جائے۔

غسل کی سنتیں

- ۱۔ اللہ کی رضا کے لیے پاک ہونے کی نیت کرنا۔
- ۲۔ دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت دھونا۔
- ۳۔ جسم پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو دور کر کے پھر پورا غسل کرنا۔
- ۴۔ شرمگاہ کو دھونا۔

۵۔ وضو کرنا۔

۶۔ تمام بدن پر تین بار پانی بہانا۔

۷۔ غسل خانے میں کپڑا پہن کر نہانا۔

غسل کے مستحبات

۱۔ بیٹھ کر غسل کرنا۔

۲۔ پاکیزگی کی نیت سے غسل کرنا۔

۳۔ زیادہ پانی نہ بہانا۔

۴۔ بدن کو اچھی طرح سے ملنا۔

۵۔ ایسی جگہ نہانا کہ کسی غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے۔

۶۔ غسل کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ نہ کرنا۔

۷۔ جس جگہ وضو یا غسل کیا جائے وہ جگہ گندی نہ ہو۔

تیمم

تیمم کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا۔ اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنے کا قصد کرنا یا مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنا۔ اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی کے استعمال سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وضو اور غسل کا نعم البدل تیمم ہے۔ تیمم کے طریقہ میں فقہاء کے درمیان معمولی سا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے، پھر دوسری دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔ یہ رائے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور اکثر فقہاء کی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور تابعین میں حضرت حسن بصری، امام شعبی اور امام سالم بن عبداللہ وغیرہم اس کے قائل ہیں۔

دوسرے گروہ کے نزدیک صرف ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا کافی ہے۔ وہی ہاتھ منہ پر اور کلائی تک ہاتھوں پر پھیر لیا جائے، کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری نہیں۔ یہ امام عطاء، امام



مکحول، امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، اہل حدیث بھی عموماً اسی کے قائل ہیں
تیمم کے فرائض

تیمم کے فرائض تین ہیں:

- ۱۔ نیت کرنا۔
 - ۲۔ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر منہ پر پھیرنا۔
 - ۳۔ دوبارہ ہاتھ مٹی پر مار کر کہنیوں تک ملنا اس طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے۔
- تیمم کا مسنون طریقہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر نیت کرنا، نیت میں پاکیزگی اور اللہ کی خوشنودی
مطلوب ہونا اور پھر اوپر درج طریقے سے تیمم کرنا۔

کردار سازی میں نماز کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ کو کردار کے اعلیٰ نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے
خود بھی فرمایا کہ میں اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح: مسند احمد: ۸۹۵۲)
کردار سازی کے لیے جہاں اچھے ماحول اور اچھی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے، وہیں
اس کے لیے شدید خواہش یا اندرونی محرک (Motivation) کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر
اندرونی محرک نہ ہو تو اچھی تعلیم اور اچھا ماحول بھی اثر انداز نہیں ہوتے۔ ایک جیسے ماحول
میں پلنے بڑھنے والوں اور ایک جیسی تعلیم و تربیت حاصل کرنے والوں کے کردار میں بھی
فرق ہوتا ہے۔

دو جڑواں بھائی جو ایک ہی گھر میں پیدا ہوئے ہوں، ایک ساتھ پلے بڑھے ہوں،
ایک جیسی پرورش پائی ہو، ایک جیسی تربیت پائی ہو، سکول، کالج میں اکٹھے رہے ہوں، ایک
جیسی تعلیم حاصل کی ہو، ان کا بھی کردار ایک جیسا نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کا
کردار ایک دوسرے کی ضد ہو اور یہ محض مفروضہ نہیں بلکہ اس قسم کی مثالیں معاشرے میں
موجود ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ پیدائش، ماحول، پرورش، اداروں، اور تعلیم و تربیت میں یکسانیت کے باوجود کردار میں فرق کیوں؟ یہ فرق دراصل خواہش یا اندرونی محرک (Motivation) کا مرہونِ منت ہے۔ عموماً کہا جاتا ہے اور سچ کہا جاتا ہے کہ بڑے لوگ ماحول کی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ وہ ماحول کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں اور اس کی وجہ شدید خواہش یا اندرونی محرک ہوتا ہے۔

انسانی تاریخ کے سب سے بڑے انسان کی مثال ہمارے سامنے ہے، جو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی یتیم ہو گئے، چھ سال کی عمر میں والدہ کی شفقت سے محروم ہوئے، دادا سرپرست بنے، لیکن آٹھ سال کی عمر میں وہ بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ چچا کی کفالت میں پل کر جوان ہوئے۔ کیا اس سے زیادہ ناگوار اور نامساعد حالات کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ بچپن سے لے کر بعثت تک اردگرد کا ماحول ظلم، بربریت، جہالت، نفس پرستی اور شرک کا گڑھ تھا۔ لیکن ان نامساعد حالات اور ماحول کے باوجود آپ ﷺ نے نہ صرف اہل مکہ، بلکہ پوری دنیا کی تقدیر بدل دی۔ اور انسانی تاریخ پر ایسے انمٹ نقوش چھوڑے جو قیامت تک قائم رہیں گے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ماحول کی پیداوار تھے؟ آپ ﷺ تو اپنے ماحول کی ضد تھے۔

آپ ﷺ تو خیر بے مثل تھے۔ آپ ﷺ کے علاوہ بھی بے شمار لوگ ایسے ہوئے ہیں جو اپنے ماحول پر اثر انداز ہوئے اور انہوں نے اپنے ماحول کو بدلا۔ اس کی بنیادی وجہ انسان کی اپنی خواہش اور اس کا اندرونی تقاضا ہے۔

اسلام کا منشا یہی ہے کہ انسان کے اندر تبدیلی کی خواہش پیدا کی جائے اور اس خواہش کو شدید کیا جائے۔ اسلام کا عقیدہ توحید و آخرت یہ خواہش پیدا کرتا ہے اور نماز اس کی آبیاری کرتی ہے۔ جتنا کسی شخص کا اللہ پر ایمان اور اس سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنا ہی اس کا کردار بھی مضبوط ہوگا۔ اور اللہ سے تعلق مضبوط کرنے میں جو مقام نماز کا ہے وہ کسی اور چیز کا نہیں، اسی لیے سب انبیا کو نماز کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت دی گئی تو ساتھ ہی حکم

دیا کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کرو۔ نبی ﷺ کو جب نبوت دی تو فرمایا: ”اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو“ (المزمل: 1، 2)

اللہ کو ہماری نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے۔ اگر ساری مخلوق ہمہ وقت اس کے سامنے سجدے میں پڑی رہے تو اس کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور ساری مخلوق اسے خدا ماننے سے انکار کر دے تو اس کی خدائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ جو دن میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، ان کی ہمیں ضرورت ہے، یہ ہمارے فائدے کے لیے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں بار بار یاد دہانی کرائی جائے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور اس کے سامنے جوابدہ ہیں۔

جو آدمی دن میں پانچ مرتبہ یہ سبق یاد کرے گا اس کے بھولنے کا امکان بہت ہی کم ہے بہ نسبت اس شخص کے جس نے یہ سبق کبھی یاد ہی نہ کیا ہو یا کبھی کبھار یاد کرتا ہو۔ گویا نماز اچھے کردار کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے اور جہاں اچھے کردار کے لیے بنیاد ہی نہ ہو، وہاں اچھا کردار کیسے تعمیر کیا جاسکتا ہے؟



زکاة

زکاة کے لفظی معنی ہیں، افزائش، پاکیزگی، انصاف پسندی، دیانتداری، خیرات وغیرہ اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ صدقہ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے اہل مال پر فرض کیا ہے۔ جو لوگ اسے اسلامی ٹیکس کہتے یا سمجھتے ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ زکوة ٹیکس نہیں بلکہ مالی عبادت ہے جو مسلمانوں پر چند شرائط کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ جو شخص ان شرائط پر پورا اترتا ہو، اس کے لیے اس کا ادا کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا دوسری عبادات کا ادا کرنا۔ جو اس کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

زکاة کی اہمیت

اہمیت کے لحاظ سے ارکان اسلام میں زکاة کا دوسرا نمبر ہے۔ نماز سب سے اہم ہے کہ وہ اللہ کا حق ہے اور اللہ کے ساتھ بندے کے رشتے کو جوڑنے اور اسے مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ زکاة بندوں کا حق ہے اور بندوں کے ساتھ رشتہ جوڑنے اور مضبوط کرنے کا ذریعہ۔ بندوں کا حق ہونے کے ناطے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ باقی ارکان اسلام کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، ان میں کوتاہی پر اللہ چاہے تو معاف کر دے، چاہے تو سزا دے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حقوق العباد میں کوتاہی برداشت نہیں کرے گا اور اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک وہ بندہ جس کے حق میں کوتاہی ہوئی ہو معاف نہ کر دے۔ اور زکاة کی عدم ادائیگی کی صورت میں تو کسی ایک شخص کی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ تمام حق داروں کی حق تلفی ہوتی ہے اور اس طرح گویا پورے معاشرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس کی تلافی کیسے ہو سکتی ہے؟

زکاة، اسلام کے مالیاتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ خصوصاً اسلام کے فلاحی نظام کا تو انحصار ہی زکاة و صدقات پر ہے۔ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ شامل

ہے کہ صاحب استطاعت لوگوں سے زکاة وصول کرے اور ضرورت مندوں پر خرچ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ اگر وہ لوگ ایمان لے آئیں، نماز ادا کریں اور زکاة دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ تم ان کے امیروں سے زکاة وصول کرو گے اور ان کے غریبوں پر خرچ کرو گے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۹۵)

زکاة کی اہمیت کا اندازہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس موقف سے بھی کیا جاسکتا ہے جو آپ نے مانعین زکاة کے خلاف اس وقت اختیار کیا جب کہ اسلامی فوج شام میں برسرِ پیکار تھی، ہر طرف نبوت کے جھوٹے دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کچھ قبائل ارتداد کے فتنہ کا شکار ہو گئے تھے اور مدینہ دشمنوں کی یلغار کی زد میں تھا۔

تمام مسلم اکابرین بشمول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کی اس نوزائیدہ ریاست کے خلاف پہلے ہی بہت سے محاذ کھل چکے ہیں اس لیے اس وقت ایک نیا محاذ نہ کھولا جائے اور جن لوگوں نے زکاة دینے سے انکار کیا ہے، ان کے خلاف جنگ نہ کی جائے۔

مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے جانشین تھے، ڈٹ گئے اور فرمایا کہ میں نماز اور زکاة کے درمیان فرق نہیں کروں گا اور زکاة کا انکار کرنے والوں کے خلاف لڑوں گا، خواہ مجھے اکیلے ہی لڑنا پڑے۔ (صحیح بخاری: ۱۴۰۰۔ صحیح مسلم: ۲۰)

جب صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ بے لچک موقف دیکھا تو وہ بھی اس کی صحت کے قائل ہو گئے اور آپ کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ باوجود خدشات کے مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور وہ قبائل جنہوں نے زکاة دینے سے انکار کیا تھا، زکاة دینے پر آمادہ ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان خطرات کا علم نہ تھا جن میں ریاست مدینہ گھری ہوئی تھی۔ یقیناً انہیں علم تھا اور شاید دوسرے اکابرین سے زیادہ اس کا احساس بھی تھا کیونکہ ریاست مدینہ کی حفاظت کی ذمہ داری ان پر تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہونے کی بنا پر دین کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان کی تھی، ان کے

سامنے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکاة دینے لگیں۔ اگر وہ یہ کر لیں تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہیں مگر حق کے ساتھ (یعنی جب تک وہ کسی جرم کا ارتقاہ نہ کریں ان کے جان و مال محفوظ ہیں) اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۵- صحیح مسلم: ۲۲)

انہوں نے دین کی حفاظت کو تمام مصلحتوں پر ترجیح دی اور دین کو منہدم ہونے سے بچا لیا اور یہ روایت قائم کر دی کہ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ جزاء اللہ احسن الجزا زکاة کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس کا حکم قرآن مجید میں بیاسی (82) مقامات پر تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے۔ عموماً جہاں نماز کا ذکر آیا ہے ساتھ زکاة کا ذکر بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں زکاة کا ذکر اتنا زیادہ ہے کہ یہاں اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال مثال کے طور پر چند آیات درج ذیل ہیں۔ سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (البقرہ: ۴۳)

”نماز قائم کرو اور زکاة دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں، ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔“

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ

عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (البقرہ: ۱۱۰)

”نماز قائم کرو اور زکاة دو۔ تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے،

اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظر میں ہے۔“

سورہ التوبہ میں فرمایا:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ (التوبة: ٥)

”پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاة دیں تو انہیں چھوڑ دو، اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اور اسی سورہ میں آگے آیت 71 میں فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾﴾ (التوبة: ٧١)

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاة دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔“

سورہ الحج میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٧١﴾﴾ (الحج: ٧١)

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکاة دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

اور اسی سورہ کی آیت ٤٨ میں فرمایا:

﴿فَاقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۗ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۗ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٨﴾﴾ (المؤمنون: ٤٨)

”پس نماز قائم کرو اور زکاة دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ، وہ ہے تمہارا مولیٰ، بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔“

سورہ النور میں فرمایا:

﴿وَاقْبُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾﴾

(النور: ۵۶)

”نماز قائم کرو اور زکاة دو اور رسول کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔“

سورہ لقمان میں فرمایا:

﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۳۲﴾﴾ (لقمان: ۳-۴)

”ہدایت اور رحمت ہے نیکو کار لوگوں کے لیے، جو نماز قائم کرتے ہیں، زکاة دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

زکاة کی حیثیت گزشتہ شریعتوں میں

قرآن سے یہ بات واضح ہے کہ نماز کی طرح زکاة بھی گزشتہ امتوں پر فرض تھی۔ سورہ الانبیاء میں حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ﴿۷۶﴾﴾ (الانبیاء: ۷۳)

”اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکاة دینے کی ہدایت کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔“

سورہ البقرہ میں بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد میں زکاة کا ذکر موجود ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۚ وَاقْبُوا﴾

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

(البقرہ: ۸۳)

”یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکاة دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔“

سورہ المائدہ آیت ۱۲ میں بنی اسرائیل سے فرمایا:

﴿وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۚ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ﴾

(المائدہ: ۱۲)

”اور اللہ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں بشرطیکہ تم نے نماز قائم رکھی اور زکاة دی۔“

سورہ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾﴾

(مریم: ۵۵)

”وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاة کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔“

اسی سورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَأَوْصَيْنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾﴾ (مریم: ۳۱)

”اور مجھے نماز اور زکاة کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔“

زکاة نہ دینے کا انجام

آج کے دور میں جس طرح اسلام کے دیگر احکام پامال کیے جا رہے ہیں اسی طرح زکاة

کا حکم بھی پامال کیا جا رہا ہے۔ ان احکام سے روگردانی کا وبال بھی ہم بھگت رہے ہیں لیکن اللہ اور اس کے دین کی طرف رجوع کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ دین تو سراسر رحمت اور ہمارے مسائل کے حل کا ضامن ہے مگر ہم خود ہی اپنے دشمن بن گئے ہیں اور دین کو نجی معاملہ اور دین کے نظام کو فرسودہ نظام سمجھ کر ایک طرف رکھ دیا ہے اور اپنی محدود عقل سے اپنی گتھیاں سلجھانے میں لگے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ حل ہوتا ہے تو اسی سے کوئی دوسرا مسئلہ جنم لے لیتا ہے۔

تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں مسلم معاشرے میں اتنی فراوانی آچکی تھی کہ ایک شخص صبح کو اپنی زکاة کا مال لے کر نکلتا تھا اور شام کو مال سمیت واپس آجاتا تھا۔ سارا دن تلاش کے باوجود اسے کوئی مستحق زکاة نہ ملتا تھا۔ زکاة دینے والے بہت تھے، لینے والا کوئی نہ تھا، آج معاملہ برعکس ہے۔ لینے والے بے شمار ہیں دینے والا کوئی نہیں۔ غربت مسلم معاشروں کی پہچان بن گئی ہے، اپنے ملک پاکستان ہی کو لے لیجئے۔ آدھی سے زیادہ آبادی زکاة کی مستحق ہے۔

آج بھی اگر ہمارے اہل ثروت دیانتداری سے زکاة دینا شروع کر دیں اور اس کی تقسیم بھی دیانتداری کے ساتھ صرف مستحقین میں کی جائے تو ان شاء اللہ چند سالوں میں غربت پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

جو لوگ مالدار ہونے کے باوجود زکاة نہیں دیتے قرآن و حدیث میں ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں سورہ التوبہ میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۗ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ٣٥﴾ (التوبہ: ٣٤-٣٥)

”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

کرتے، انہیں دردناک عذاب کی بشارت دو۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔“

لفظ ”کنز“ کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جس میں سے زکاة نہ ادا کی گئی ہو۔ اور

نبی ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہے (یعنی مالدار ہے) اور اس کا حق ادا نہیں کرتا، قیامت کے روز اس (مال) کو اینٹوں کی شکل میں ڈھال کر جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے اس کے بازو، پیشانی اور پیٹھ داغے جائیں گے۔ ایک ایسے دن میں جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور آدمی اپنی راہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا۔“

(صحیح مسلم: ۹۸۷)

اسی طرح جو شخص بیل اور بھیڑ، بکریوں کا مالک ہے اور اس (مال) کا حق ادا نہیں کرتا، وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ وہ (جانور) اپنے گھروں سے اسے روند رہے ہوں گے اور اپنے سینگوں سے اسے زخمی کر رہے ہوں گے۔ یہ سزا اسے مسلسل دی جاتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے ایک ایسے دن میں جو تمہارے حساب سے پچاس ہزار سال کا ہو گا۔ پھر وہ اپنا ٹھکانا جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔“ (صحیح مسلم: ۹۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تمہارا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بنے گا۔ اس کا مالک اس سے بھاگے گا اور وہ اسے ڈھونڈتا پھرے گا یہاں تک کہ اس کو پالے گا اور اس کی انگلیوں کو

لقمہ بنائے گا۔“ (صحیح: مسند احمد: ۱۰۳۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو اللہ نے مال دیا اور پھر اس نے اس مال کی زکاة ادا نہیں کی۔ قیامت کے روز اس کا یہی مال ایک ایسے گنچے اژدھے کی صورت میں اس کے سامنے آئے گا، جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ (خوفناک) دھبے ہوں گے۔ پھر وہ اسے اپنے دونوں جبرٹوں سے پکڑے گا اور اس سے کہے گا: میں ہی تیرا خزانہ ہوں، میں ہی تیرا مال ہوں۔“ پھر آپ نے سورہ مال عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۗ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝﴾ (ال عمران: ۱۸۰)

”جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں، وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

(صحیح بخاری: ۱۴۰۳)

سورہ حَمَّ السَّجْدَةِ میں فرمایا:

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۚ الَّذِينَ لَا يُوْتُونَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ۝﴾ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۶-۷)

”تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکاة نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔“

اس آیت میں زکاة نہ دینے والوں کو مشرکین اور آخرت کے منکرین کے ساتھ ملا دیا

گیا ہے۔ ان لوگوں کو نہ تو اللہ کے وعدوں پر بھروسا ہے اور نہ ہی آخرت کی سزا کا خوف۔ اگر انہیں اللہ کے وعدوں اور آخرت کی باز پرس کا یقین ہوتا تو یقیناً مال کے بارے میں ان کا



رو یہ وہ نہ ہوتا جس کا اظہار یہ لوگ زکاة نہ دے کر کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: جو قوم زکاة ادا کرنا چھوڑ دیتی ہے، اللہ اسے قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (حسن: معجم الاوسط: ۳۵۷۷۔ المطالب العالیہ لابن حجر کے محققین (۹/۳۵۲) اور البانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الصحیحہ میں (۱۰۷) شواہد کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے۔)

آج مسلم معاشروں کی اکثریت غربت کا شکار ہے۔ مملکتِ خداداد پاکستان میں آدھی سے زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے رہ رہی ہے۔ بے شمار لوگ ایسے ہیں جنہیں دو وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا اور اسی ملک میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے کتے بھی گوشت کھاتے ہیں۔ کیا ہمارے معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلانے کا حق دار ہے؟ جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہمارے سامنے موجود ہے:

﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾ (الحشر: ۹)

”اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔“ اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد بھی کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔ اسلامی معاشرے کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ اس کے افراد دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھنے والے اور انہیں اپنی ذات پر ترجیح دینے والے ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھوک اور افلاس سے خود گشتیاں کیوں؟

نبی ﷺ نے فرمایا:

”جو لوگ اپنے مالوں کی زکاة ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں اللہ ان پر بارش روک دیتا ہے۔ اور اگر جانور نہ ہوں تو بارش بالکل ہی بند ہو جائے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

نبی ﷺ نے فرمایا:

”خشکی ہو یا سمندر، جہاں بھی کوئی مال ضائع ہوتا ہے وہ زکاة نہ دینے کی وجہ

سے ہوتا ہے۔ (اوسط، طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص اجر و ثواب کی نیت سے زکاة دے اسے اجر ملے گا اور زکاة نہ دینے والے سے ہم زکاة بھی لیں گے اور اس کا نصف مال بھی اپنے رب کا حق قرار دے کر ضبط کر لیں گے۔ مگر آلِ محمدؐ کے لیے زکاة میں سے کوئی شے حلال نہیں ہے۔ (احمد، نسائی، ابوداؤد)

زکاة کا انکار کفر ہے اور جو شخص اس کے رکن دین ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن عملاً ادا بھی نہ کرے تو وہ مجرم ہے جس کی اخروی اور دنیوی سزا کا ذکر درج بالا آیات اور احادیث میں کیا گیا ہے۔

زکاة کس پر فرض ہے

اسلام کے دوسرے ارکان کے لیے انسان کا باشعور اور بالغ ہونا شرط ہے۔ مجنون اور نابالغ پر نماز روزہ اور حج فرض نہیں ہیں۔ لیکن دیوانہ شخص اور بچہ اگر مالدار ہوں تو ان کے مال میں سے زکاة لی جائے گی اور ان کے سرپرست کا فرض ہے کہ ان کے مال میں سے زکاة ادا کرے۔ کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے، لیکن اکثریت اسی کی قائل ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ زکاة بندوں کا حق ہے اس لیے یہ حق ہر صاحبِ نصاب سے لیا جائے گا۔ اس عبادت کا انحصار مالی استطاعت پر ہے نہ کہ جسمانی استطاعت پر، اس لیے جسمانی عدم استطاعت اس میں مانع نہیں ہوگی۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

امام شافعیؒ نے یوسف بن ماہک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یتیموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ تا کہ وہ زکاة سے ختم نہ ہو جائے۔ (امام بیہقی، امام نووی)

امام طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت بیان کی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یتیموں کے مال میں تجارت کرو تا کہ زکاة اسے نہ کھا

جائے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے یتیم کے مال میں زکاة ہے۔

امام ابو عبیدہ، امام بیہقی اور امام ابن حزم نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، اور حضرت جابر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم سے یتیم کے مال پر زکاة کے فرض ہونے کا قول نقل کیا ہے اور صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کی مخالفت نہیں کی سوائے اس کے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے نقطہ نظر کی مخالفت میں ایک روایت مروی ہے مگر وہ ضعیف ہے اور اسے بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔

وقف عام (وہ وقف جو عوام کے استفادہ کے لیے ہو) پر زکاة نہیں ہے لیکن جو وقف کسی متعین شخص یا اشخاص کے لیے ہو اس پر زکاة ہے۔ وقف عام کو زکاة سے مستثنیٰ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو پہلے ہی عوام کے فائدے کے لیے مختص ہے اور زکاة کا مقصد بھی حاجتمندوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔

حرام آمدنی پر بھی زکاة نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو مال بھی انسان بطور زکاة دیتا ہے وہ عبادت سمجھ کر اللہ کی رضا کے لیے دیتا ہے اور اللہ نے حرام ذرائع سے مال حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جس مال کو اللہ نے لوگوں کے لیے منع فرمایا ہو اس کو بھلا وہ خود کیوں قبول فرمائے گا؟ اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ اللہ کی رضا کے علاوہ زکاة کا ایک مقصد مال کو پاک کرنا بھی ہے۔ جو مال ہم حلال ذرائع سے کماتے ہیں، اس میں نادانستہ طور پر اگر کوئی مشکوک چیز شامل ہو جائے تو زکاة ادا کرنے سے وہ مال ان شاء اللہ پاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر سارا مال کمایا ہی حرام ذرائع سے گیا ہے تو اس میں سے 5-2 فیصد نکال دینے سے بقیہ مال کیسے حلال ہو جائے گا؟ اسی لیے ظالم حکمران جو ناجائز طریقے سے عوام کا مال ہڑپ کرتے ہیں وہ بھی زکاة سے مستثنیٰ ہیں۔ زکاة کی ادائیگی انہیں ظلم کے وبال سے نہیں بچا سکے گی۔ جس کام سے اللہ نے منع کیا ہے اس کے وبال سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ کرے، جس کے ساتھ زیادتی کی ہے اس سے معافی مانگے اور اس زیادتی کا ازالہ کرے۔

مصارفِ زکاة

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہ صرف زکاة وصول کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ اس کی تقسیم کا حکم قرآن میں نازل فرما کر مستحقین کی فہرست بھی مرتب کر دی ہے جن پر زکاة کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے، یہ فہرست سورہ التوبہ کی درج ذیل آیت میں موجود ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاةِ قُلُوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرْمَيْنِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ٢٠ ﴾ (التوبہ: ۶۰)

”یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و پینا ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آٹھ مدات مقرر کر دی ہیں جن میں زکاة کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ ان مدات کے علاوہ کسی دوسری مد میں خرچ نہیں کی جا سکتی۔ یہ مدات مقرر فرما کر اللہ تبارک و تعالیٰ نے غربا، مساکین، نادار طبقات اور دیگر حاجت مندوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔

زکاة کا نصاب اور شرح

زکاة مالی عبادت ہے اس لیے یہ صرف اسی پر فرض ہے جس کے پاس مال ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مال کی ایک کم سے کم مقدار مقرر کر دی ہے جس پر زکاة فرض ہے، اس مقدار سے کم مال ہو تو زکاة فرض نہیں، اس مقدار کے برابر یا زیادہ ہو تو زکاة فرض ہوگی، اس مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔ مختلف اموال کا نصاب مختلف ہے اور ان میں زکاة کی شرح بھی مختلف ہے۔ مویشیوں میں آپ ﷺ نے پانچ اونٹوں سے کم اور چالیس بکریوں سے کم

تعداد کو زکاة سے مستثنیٰ فرمایا، زرعی پیداوار، غلہ، پھل وغیرہ میں پانچ وسق سے کم مقدار کو مستثنیٰ فرمایا، (ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تحقیق کے مطابق پانچ وسق، وزن کے موجودہ پیمانوں کے لحاظ سے 653 کلوگرام کے برابر ہیں) اور دیگر اموال میں چاندی کو معیار مقرر فرما کر دوسو درہم سے کم کو مستثنیٰ قرار دیا۔ دوسو درہم وزن میں ساڑھے باون تولے کے برابر ہیں، اس لیے موجودہ دور میں چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے یا 595 گرام چاندی ہے۔ آج کے دور میں چاندی کے سکوں کی جگہ کاغذی کرنسی نے لے لی ہے، جو کہ سونے کے عوض چھاپے جاتے ہیں، اس لیے نصاب کا معیار بھی سونا ہی بن گیا ہے جو کہ ساڑھے سات (5-7) تولہ یا 85 گرام سونا بنتا ہے۔ اب جس کے پاس ساڑھے سات تولہ (85 گرام) سونا یا اس کی مالیت کے کرنسی نوٹ یا سونا، چاندی اور کرنسی نوٹ ملا کر ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کے برابر رقم بن جاتی ہو وہ صاحب نصاب شمار ہوگا اور اسے اڑھائی (5-2) فیصد کے حساب سے (جو کہ نقدی، سونے، چاندی اور دیگر اموال میں زکاة کی شرح ہے) زکاة ادا کرنا ہوگی۔

زکاة آمدنی پر نہیں بلکہ بچت پر ہے۔ اور اس مال پر واجب الادا ہے جو ایک سال تک آپ کے پاس رہے۔ زکاة سال میں ایک مرتبہ واجب الادا ہے۔ آمدنی اور بچت بھی کہیں روزانہ، کہیں ہفتہ وار اور کہیں ماہانہ بنیادوں پر سارا سال جاری رہتی ہے اس لیے اس بات کا حساب رکھنا کہ کس بچت پر کب سال پورا ہوا، بہت ہی مشکل کام ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آدمی زکاة کی ادائیگی کے لیے ایک مہینہ مقرر کر لے اور ہر سال اس ماہ میں جو کچھ بھی اس کے پاس بچت کی صورت میں موجود ہو اس میں سے زکاة ادا کر دے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے، مویشیوں کے بارے میں امام مالکؒ اور نقود کے بارے میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ تاجر حضرات کے لیے بھی یہی صورت آسان ہے کہ سال کے آخر میں اپنے سارے تجارتی اموال کا حساب کر کے اس پر 5-2 فیصد کے حساب سے زکاة ادا کر دیں۔

زکاة کے علاوہ بھی مالدار کے مال میں نادار کا حق ہے

قرآن و حدیث میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بڑی تعریف کی گئی ہے، اس کے لیے بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے، اور بخل سے بچنے کی بھی سخت تاکید کی گئی ہے۔ اہل ثروت کے مال میں زکاة کے علاوہ بھی نادار لوگوں کا حق ہے جیسا کہ سورہ الذاریات کی اس آیت میں فرمایا:

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝۱۹﴾ (الذاریات: ۱۹)

”اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔“

اور سورہ المعارج میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝۲۳ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝۲۵﴾

(المعارج: ۲۳-۲۵)

”جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا مقرر حق ہے۔“

اور سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ ۗ﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

”پوچھتے ہیں ہم راہِ خدا میں کیا خرچ کریں۔ کہو، جو کچھ تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محض زکاة دینے سے حق ادا نہیں ہو جاتا بلکہ زکاة کے علاوہ بھی مال دار لوگوں پر غربا اور مساکین کا حق ہے۔ رسول اللہ نے بھی یہ بات فرمائی ہے کہ زکاة کے سوا بھی تمہارے مال میں یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کا حق ہے۔ ”حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مال میں زکاة کے علاوہ بھی حق ہے۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ البقرہ کی) یہ آیت پڑھی:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ

أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۗ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ
ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ ۗ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۗ
وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۗ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۗ وَالصَّابِرِينَ
فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۗ وَ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ﴿١٥٥﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف،
بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب
اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے
داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر
اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکاة دے۔ اور نیک وہ
لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی اور مصیبت کے وقت میں اور
حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔“
(ضعیف: جامع ترمذی: ۶۵۹۔ سنن دارمی: ۱۶۷۷۔ میمون الاعور راوی ضعیف ہے۔ صحیح بات

یہ ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۴۳۸۳)

اس آیت کو آیت بر (نیکی کی آیت) بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ آیت ہے جس میں نیکی کے
مختلف کاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر انسان ان پر
عمل کر لے تو اس کی نجات کے لیے کافی ہیں۔

حقیقی مالک اللہ اور انسان اس کا خلیفہ ہے

اسلام میں ملکیت کا تصور یہ ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اس کا اصل مالک تو اللہ
ہے۔ انسان کی حیثیت خلیفہ کی ہے، اور خلیفہ اپنے زیر استعمال اشیا میں آزاد نہیں ہوتا بلکہ مالک
کی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہوں سورہ الحدید کی درج ذیل آیات:

﴿أٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖٓ وَ اٰنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلۡکُمْ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہٗ ۗ فَاَلَّذِیۡنَ

﴿أَمِنُوا مِنكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ (الحديد: ۷)

”ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔“

﴿وَمَا لَكُمْ إِلَّا أَنْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

(الحديد: ۱۰)

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔“

ان آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ انسان کی حیثیت خلیفہ کی ہے اور انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے خواہ وہ اس کے جان و مال ہوں یا ذہنی و جسمانی صلاحیتیں، ان کا اصل مالک اللہ ہے اس لیے یہ ساری صلاحیتیں اللہ ہی کی مرضی کے مطابق استعمال ہونی چاہئیں۔ پھر نہ صرف مالک بلکہ اصل وارث بھی اللہ ہی ہے۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ آج کی ملکیت بذریعہ وراثت کل کسی اور کو منتقل ہو جائے گی اور پرسوں کسی اور کو۔ انسان کا قیام اس دنیا میں عارضی ہے اور بالآخر ہر چیز کی وراثت لوٹ کر اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے پاس جانے والی ہے۔ وہی ہر چیز کا حقیقی مالک اور حقیقی وارث ہے۔ وہ دن دور نہیں جب انسان سے ان صلاحیتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اسے دی گئی ہیں۔

اصل بچت

اس وقت اس کا توشہ وہی اعمال ہوں گے جو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کیے تھے۔ یہی بات اسے سورہ الحشر کی اس آیت میں سمجھائی گئی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ لَتَنْظُرَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللَّهَ﴾

﴿إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الحشر: ۱۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل

کے لیے کیا سامان کیا ہے، اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔“

ہر شخص کو مستقبل کی فکر ہوتی ہے، اور وہ اس کے لیے کچھ بچا کر رکھنا چاہتا ہے۔ اس آیت میں بھی انسان کو کل (مستقبل) کی فکر کرنے اور اس کے لیے کچھ بچا کر رکھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ جس مستقبل کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے وہ دوسری زندگی ہے اور وہاں وہی مال کام آئے گا جو آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آگے بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، کیا تیرے مال میں اس کے سوا بھی تیرا کچھ ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا صدقہ کر کے بچا لیا؟ اس کے علاوہ جو کچھ بھی تیرے پاس ہے وہ تو دوسروں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۵۸)

انسان کی اصل بچت تو وہی مال ہے جو اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ ملاحظہ ہو یہ حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

”ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ہاں ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا گیا۔ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو پوچھا بکری میں سے کیا باقی بچا؟ میں (حضرت عائشہ) نے عرض کیا: ایک شانہ کے سوا کچھ باقی نہیں بچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شانہ کے سوا ساری بکری بچ گئی۔“

(صحیح: جامع ترمذی: ۲۴۷۰)

یعنی جو حصہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا گیا وہی حقیقی بچت ہے۔

صدقہ کا فائدہ

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے اموال سے صدقہ وصول کر کے انہیں

پاک کریں اور ان کی ترقی کا سامان کریں۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ کی یہ آیت:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (التوبہ: ۱۰۳)

”اے نبی، تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر ان کو پاک کرو اور اس کے ذریعہ سے ان کی افزائش کرو۔“

یہاں صدقہ سے مراد واجب صدقہ یعنی زکاة ہے۔ نبی ﷺ نے مختلف حضرات کو لوگوں سے زکاة وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا جو عاملین زکاة کہلاتے تھے۔ جن حضرات کو آپ ﷺ نے زکاة وصول کرنے پر مامور فرمایا ان کی فہرست کتب تاریخ میں موجود ہے۔ سورہ الروم میں فرمایا:

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِّن رَّبًّا لِّيَرْبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَمَا آتَيْتُمْ مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾﴾

(الروم: ۳۹)

”جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا۔ اور جو زکاة تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔“

اور سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۷۶﴾﴾

(البقرہ: ۲۷۶)

”اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔“

ان آیات میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ سود جو بظاہر افزائش مال کا ذریعہ ہے اس سے حقیقتاً مال میں کمی آتی ہے۔ اس سے چند افراد یا اداروں کے مال میں تو اضافہ ہوتا نظر آتا ہے لیکن مجموعی طور پر معاشرہ غربت اور پسماندگی کا شکار ہوتا ہے۔ جب کوئی معاشرہ

غربت کا شکار ہو جائے اور اس کی قوت خرید کم ہو جائے تو وہ زوال کی طرف بڑھتا ہے اور جب زوال مکمل ہو جاتا ہے تو پھر امراء بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتے۔

اس کے برعکس زکاة و صدقات سے بظاہر تو مال میں کمی محسوس ہوتی ہے لیکن اس سے غربت کا سدباب ہوتا ہے، معاشرے میں خوشحالی آتی ہے اور مجموعی طور پر لوگوں کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے، جس کا فائدہ بالواسطہ اہل ثروت کو بھی پہنچتا ہے۔ جب پورا معاشرہ ترقی کر رہا ہو تو اس کے اچھے اثرات سب تک پہنچتے ہیں۔

انسان اللہ کے راستے میں جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے نہ صرف یہ کہ وہی اس کی حقیقی بچت ہے جو آخرت میں اس کے کام آئے گی، بلکہ دنیا میں بھی وہ مال اسے لوٹا دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو سورہ الانفال کی یہ آیت:

﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ (الانفال: ۶۰)

”اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔“

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل احادیث بھی غور طلب ہیں:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور معاف کرنے سے اللہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا سوائے عزت کے، اور جب کوئی شخص اللہ کے لیے تواضع (عاجزی) اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”اے انسان! تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔“ (اگر تم اللہ کی راہ میں خرچ

کرو گے تو اللہ تمہیں مزید دے گا) (صحیح بخاری: ۴۶۸۴۔ صحیح مسلم: ۹۹۳)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے

پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”(اے اسماء! اپنا مال) تھیلی میں نہ رکھ، ورنہ اللہ بھی اپنی رحمت تجھ سے روک دے گا۔ جہاں تک بھی ہو سکے (اللہ کی راہ میں) دو۔“

(صحیح بخاری: ۲۵۹۱۔ صحیح مسلم: ۱۰۲۹)

بخل کا وبال

درج بالا آیات و احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ انسان جو کچھ بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے وہ اسے اس دنیا میں ہی لوٹا دیا جاتا ہے اور اسے ان ممکنہ نقصانات سے بچا لیا جاتا ہے جو عدم انفاق کی صورت میں اسے پہنچنے والے تھے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ مال جمع کر کے رکھنا اس کے حق میں بہتر ہے، مشکل وقت میں یہ اس کے کام آئے گا۔ یہ محض شیطان کا بہکاوا ہے۔

ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً
مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (البقرہ: ۲۶۸)

”شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔“

شیطان کے اس بہکاوے سے بچنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ان تعلیمات پر غور کیجئے جو انہوں نے عدم انفاق کے وبال سے بچنے کے لیے دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بخل کی مذمت میں سورہ محمد میں فرمایا:

﴿هَٰأَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَدْعُونَ لِنُفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ
يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَن نَّفْسِهِ ۗ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۗ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۗ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا
يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝﴾ (محمد: ۳۸)

”دیکھو، تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اس پر

تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ در حقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا ہے۔ اللہ تو غنی ہے، تم ہی اس کے محتاج ہو۔ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔“

اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا باعثِ ہلاکت ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۗ وَأَحْسِنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾﴾ (البقرہ: ۱۹۵)

”اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو، کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

انسان کے دو بڑے دشمن

انسان کا مال اور اس کے اہل و عیال اس کے بڑے دوست بھی ہیں اور بڑے دشمن بھی۔ اگر انسان کے اہل و عیال اللہ کے راستے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں اور اس سے ناجائز مطالبات نہیں کرتے تو یہ اس کے دوست ہیں، اور اگر یہ اللہ کی راہ پر چلنے میں اس کے لیے رکاوٹ بنتے ہیں تو یہ اس کے دشمن ہیں۔ اسی طرح اگر مال کی محبت اس سے حلال و حرام کی تمیز نہیں چھینتی اور اس کا حلال ذرائع سے کمایا ہو مال اللہ کی راہ میں صرف ہوتا ہے تو یہ اس کا دوست ہے، اور اگر مال حاصل کرنے کے لیے وہ حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتا اور اس کو اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بناتا ہے تو یہ مال اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ملاحظہ ہوں سورہ التغابن کی یہ آیات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۗ وَإِنْ تَعَفَوْا وَتَصَفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷﴾﴾
 ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَآ أَجْرٍ عَصِيمٌ ﴿۱۸﴾﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
 مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْبِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُوقِ

شُخَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١١﴾ (التغابن: ۱۴-۱۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔ لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

اس کی مزید وضاحت نبی ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو طبرانی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تیرا اصل دشمن وہ نہیں ہے جسے تو قتل کر دے تو تیرے لیے کامیابی ہے اور وہ تجھے قتل کر دے تو تیرے لیے جنت ہے۔ بلکہ تیرا اصل دشمن ہو سکتا کہ تیرا اپنا وہ بچہ ہو جو تیری ہی صلب سے پیدا ہوا ہے۔ پھر تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ مال ہے جس کا تو مالک ہے۔“ (ضعیف: معجم الکبیر للطبرانی: ۳۴۴۵۔ شرح اور ابو مالک اشعری کے درمیان انقطاع ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۴۳۷۵)

اگر مال کے حصول کے لیے انسان حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے اور اولاد کی محبت میں ان کی ناجائز خواہشات کی تکمیل میں لگ جائے اور ان کے ناجائز کاموں کی بھی حمایت کرے تو مال اور اولاد دونوں اس کے سب سے بڑے دشمن متصور ہوں گے۔ اسی لیے ان کو فتنہ (آزمائش) کہا گیا ہے۔ ان دونوں کی محبت انسان کی فطرت میں ہے۔ لیکن اگر ان کی محبت اتنی بڑھ جائے کہ انسان سے ناجائز کام کروانے لگے تو یہ دونوں اس کے دشمن ہیں۔

سخاوت اور بخل

سخاوت اور بخل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اللہ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ بخل اللہ کے ہاں نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہے۔ اسی لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل کی

مذمت اور سخاوت کی تعریف کی ہے، بخل سے بچنے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ظلم سے بچو، قیامت کے روز ظلم تاریکی ہے۔ اور بخل سے بچو، بخل نے تم سے پہلی قوموں کو تباہ کر دیا۔ بخل کی وجہ سے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور جو کچھ ان کے لیے حرام کیا گیا تھا اسے حلال کر لیا۔ (جن باتوں سے منع کیا گیا تھا ان کو اختیار کر لیا)۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو اللہ کے نزدیک سب سے بُرا ہے؟ عرض کیا گیا: جی ضرور۔ فرمایا: وہ شخص جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ نہ دے۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۱۱۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت سے بچاتا ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۶۶۳۔ عبد اللہ بن عیسیٰ الخزاز، راوی ضعیف ہے۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ دینے میں جلدی کرو۔ بے شک صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی ایسی صبح نہیں ہوتی جس میں دو فرشتے زمین پر نہ اترتے ہوں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! (تیری راہ میں) خرچ کرنے والے کو اس کا بدل دے۔ اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روک کر رکھنے (بخل کرنے) والے کو تباہ کر۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۴۲۔ صحیح مسلم: ۱۰۱۰)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ربّ کعبہ کی قسم! وہ لوگ خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ

پر قربان جائیں! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جن کے پاس بہت مال ہے سوائے ان لوگوں کے جو یوں اور یوں اور آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں (بے دریغ اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور ایسے لوگ کم ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۶۶۳۸-صحیح مسلم: ۹۹۰)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں کوئی دھوکا باز، اور بخیل اور احسان جتانے والا داخل نہ ہوگا۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۶۳-مسند احمد: ۳۲-صدقہ بن موسیٰ اور فرقد السخی راوی ضعیف ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ (ایمان اور بخل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر ایمان دل میں اتر گیا تو بخل وہاں سے نکل جائے گا) (رواہ نسائی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور وہ ہیں بخل اور بد اخلاقی۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۶۲-الادب المفرد: ۲۸۲-صدقہ بن موسیٰ راوی ضعیف ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سخی اللہ کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل اللہ سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، جنت سے دور ہے، جہنم کے قریب ہے۔ اور ایک جاہل سخی اللہ کو ایک بخیل عابد سے زیادہ پسند ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۶۱-معجم الاوسط: ۲۳۶۳۔

سعید بن محمد الوراق راوی ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جس کی ٹہنی سخی کو پکڑ لے گی اور اس وقت تک اس کو نہ چھوڑے گی جب تک اسے جنت میں داخل نہ کر دے۔ اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے جس کی ٹہنی بخیل کو پکڑ لے گی اور اس وقت تک اسے نہ چھوڑے گی جب تک اسے جہنم میں داخل نہ کر دے۔“ (ضعیف: شعب



الایمان: ۱۰۳۷۵۔ سعید بن مسلمہ الاموی راوی متروک، ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے

دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: (۳۸۹۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا گیا ہو اور آپ ﷺ نے

انکار کیا ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۳۴۔ صحیح مسلم: ۲۳۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میرے

پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو تو بھی مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھ پر تین راتیں بیت جائیں اور اس

میں سے کچھ بھی میرے پاس موجود ہو سوائے اس کے جو میں نے قرض ادا کرنے کے لیے

رکھ چھوڑا ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۲۴۴۔ صحیح مسلم: ۹۹۱)

انفاق فی سبیل اللہ کا اجر

انسان اللہ کے راستے میں جو کچھ خرچ کرتا ہے اسے دنیا میں بھی اس کا بدلہ دیا جاتا ہے

اور آخرت میں بھی اس کا بہترین اجر دیا جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس کو جتنا چاہے اجر

دے۔ اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ ہم اس کے خزانوں کی وسعت کا اندازہ

نہیں کر سکتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر ساری مخلوقات اپنی ساری خواہشات اللہ تبارک

و تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں اور وہ سب کی خواہشات کو پورا کر دے، تب بھی اس کے

خزانوں میں اتنی کمی نہیں آتی جتنی سمندر کے پانی میں سوئی ڈبونے سے سمندر میں آتی

ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ

سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

عَلِيمٌ ﴿۲۶۱﴾ (البقرہ: ۲۶۱)

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی

ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو

دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔“ یعنی جسے اللہ چاہے سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر عطا کر دے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کس نے کن حالات میں کس جذبے سے اس کے راستے میں خرچ کیا ہے۔ اللہ کے ہاں مقدار سے زیادہ اس جذبے کی قدر و قیمت ہے جس سے اس کی راہ میں مال خرچ کیا جاتا ہے۔

تبوک کی مہم کے لیے جب رسول اللہ ﷺ نے چندے کی اپیل کی تو صحابہ نے دل کھول کر چندہ دیا۔ اسی موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال چار ہزار درہم لے کر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف نے دو سو اوقیہ سونا دیا، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن عدی نے نوے وسق یا تقریباً (۱۱۷۵۴ کلوگرام) چھوڑے دئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار لا کر نبی ﷺ کی گود میں ڈال دئے۔ الغرض جو جس کے بس میں تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مال کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگ گیا۔

ایک صحابی جو بہت نادار تھے اور جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے باغ کو پانی لگایا اور صبح کو جو مٹھی بھر کھجوریں مزدوری میں ملیں، نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ نبی ﷺ نے وہ کھجوریں مال کے ڈھیر پر بکھیر دیں اور فرمایا یہ اس سارے ڈھیر پر بھاری ہیں۔ یہ اس صحابی کی عزت افزائی اور اس کے جذبے کی قدر تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی تمہارے لیے اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ تمہارا دیا ہوا ایک لقمہ اللہ کے ہاں احد پہاڑ کی مانند بن جائے گا۔“

کب اور کہاں خرچ کرنا افضل ہے

اللہ کی راہ میں جب بھی مال خرچ کیا جائے اور جس پر بھی خرچ کیا جائے یقیناً اس کا اجر و ثواب ہے لیکن اس میں مواقع اور حالات کے مطابق کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ جب دینے والا خود بھی ضرور تمند ہو اور حاجتمند کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے تو یقیناً اس کا اجر ایک مالدار آدمی کے صدقہ سے زیادہ ہوگا، کیونکہ اس میں صدقہ کے ساتھ ایثار بھی ہے۔ نادار رشتہ دار پر خرچ کرنا عام حاجتمند پر خرچ کرنے سے زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہے کیونکہ اس میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ مشکل حالات میں قوم و ملک کے لیے خرچ کرنا عام حالات میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات اور احادیث:

سورہ الحدید میں فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنۢ مِّنۡ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتَلَ ۗ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۱۰﴾ (الحدید: ۱۰)

”تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کونسے صدقہ کا اجر سب سے زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ صدقہ جو تو اس وقت کرے جب تو صحت مند ہو، ضرور تمند ہو، تجھے تنگدستی کا خوف ہو اور مالدار ہونے کی امید رکھتا ہو۔ اس وقت کا انتظار نہ کر جب جان تیرے حلق میں آ جائے اور تو کہے کہ یہ فلاں کو دے دیا جائے اور یہ فلاں کو دے دیا جائے۔ اس وقت تو (تیرا مال) فلاں، فلاں کا ہو ہی جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۱۴۱۹۔ صحیح مسلم: ۱۰۳۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی کا اپنی زندگی میں (اللہ کی راہ میں) ایک درہم خرچ کرنا، موت کے

وقت سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۲۸۶۶۔ صحیح ابن

حبان: ۳۳۳۴۔ شرح جلیل بن سعد راوی ضعیف ہے۔)

صدقہ کرنے میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ موت کا کچھ پتہ نہیں کہ کب آجائے اور اس

وقت آدمی صدقہ کرنے کی خواہش کرے۔ اسی بات کی طرف سورہ المنافقون کی ان آیات

میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ

لَوْ لَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَكُنْ

يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾

(المنافقون: ۱۰-۱۱)

”اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے

کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو

نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل

ہو جاتا۔ حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ کسی

شخص کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

ان آیات میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ موت کے وقت انسان اللہ کی

راہ میں مال خرچ کرنے کی خواہش کرے گا اور اس کے لیے اللہ سے مہلت مانگے گا۔ دوسری

یہ کہ اس وقت اسے مہلت نہیں ملے گی۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ اس وقت کے آنے سے پہلے ہی

کچھ پونجی جمع کر لی جائے۔ مال سے انسان زندگی میں ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے موت کے وقت

یا موت کے بعد تو اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ

فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ﴿٢٥٢﴾ (البقرہ: ۲۵۲)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔“ دنیا کی زندگی میں اپنے مال سے جو چاہو خرید لو، جنت بھی خرید سکتے ہو اور جہنم بھی۔ لیکن یہ مہلت صرف موت سے پہلے ہے، مرنے کے بعد یہ مال تمہارے کام نہیں آئے گا۔

﴿قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ يُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿٣١﴾﴾

(ابراہیم: ۳۱)

”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ”تو اپنی ذات سے شروع کر اور اس پر صدقہ کر، پھر اگر کچھ بچ جائے تو اپنے بیوی بچوں پر صدقہ کر، پھر اگر بیوی بچوں سے بچ جائے تو اپنے قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کر، پھر اگر قریبی رشتہ داروں سے بچ جائے تو اسی طرح درجہ بدرجہ صدقہ کر۔“ (صحیح مسلم: ۹۹۷)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنی ماں سے سلوک کر، اور اپنے باپ سے، اور اپنے بھائی سے، پھر زیادہ

قریبی اعزہ سے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا



اور یہ کام وہ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ سوائے اللہ کے وہ کسی سے صلے کے طالب نہیں ہوتے۔“

سورہ الحشر میں انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾ (الحشر: ۹)

”اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے مکی اور مدنی مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ مدنی مسلمانوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنا آدھا مال پیش کر دیا، ان میں بہت سے خود بھی حاجتمند تھے لیکن انہوں نے اپنے بھائیوں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی تو ان کی تعریف میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

سورہ آل عمران میں فرمایا:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝﴾ (آل عمران: ۹۲)

”تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے، جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔“

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں سے کئی ایک اپنی پسندیدہ اشیاء سے دست بردار ہو گئے اور انہیں اللہ کی راہ میں دے دیا۔ مثلاً:

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام

اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ جس کام میں پسند فرمائیں اسے صرف کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے، مناسب یہ ہے کہ آپ اسے اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیں۔“ چنانچہ حضرت ابو طلحہ نے اسے اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح بخاری: ۱۴۶۱۔ صحیح مسلم: ۹۹۸)

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اپنا گھوڑا لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنی املاک میں یہ گھوڑا سب سے زیادہ محبوب ہے۔ میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور ان سے لے کر ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس پر حضرت زید بن حارثہ فکر مند ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر واپس آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ اللہ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کنیز سب سے زیادہ محبوب تھی، آپ نے اسے اللہ کی رضا کی خاطر آزاد کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک کنیز تھی جس سے وہ بہت محبت کرتے تھے، اس کو اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ (مسند بزار (کشف الاستار): ۲۱۹۴۔ امام بزار رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ روایت اسی سند سے مروی ہے۔)

اللہ کی رضا کے لیے اپنی پسندیدہ چیز سے دست بردار ہونے کی اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ اللہ کی راہ میں اچھی چیز ہی دینی چاہیے۔ لیکن انسان اسی کے دئے ہوئے مال میں سے جب تھوڑا سا حصہ اس کی طرف لوٹاتا ہے تو اس میں بھی ڈندی مارتا ہے اور عموماً چھانٹ کر نرم مال ہی دیتا ہے، حالانکہ اللہ نے خود بھی اس سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّبُوا الْخَيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَكُنتُمْ بِأَخْذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِضُوا فِيهِ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَسِيدٌ﴾ (البقرہ: ۲۶۷)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں اغماض برت جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔“

اللہ نے اگر انسان کو اپنی (اللہ کی) راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ اس کا محتاج ہے۔ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) وہ تو غنی ہے، ہر چیز سے بے نیاز ہے، اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے بندوں کی مدد کرنے پر بھی قادر ہے، اگر چاہے تو سب کو مالدار بنا دے اور ہر کسی کو دوسروں کی مدد سے بے نیاز کر دے۔ یہ اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ مگر یہ اس کے نظامِ آزمائش کا حصہ ہے، کسی کو زیادہ دے کر آزماتا ہے، کسی کو کم دے کر آزماتا ہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ جن کو ان کی ضرورت سے زیادہ دیا ہے وہ کیسے شکرانہ نعمت کرتے ہیں اور کس حد تک ان لوگوں کا خیال رکھتے ہیں جن کو ان کی ضرورت سے کم ملا ہے۔ اور جن کو کم دیا گیا ہے وہ کہاں تک صبر کرتے ہیں اور ناشکری سے بچتے ہیں۔

مقروض کو مہلت دینا بہترین صدقہ ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ مقروض کو مہلت دی جائے اور اگر قرض معاف کر دیا جائے تو یہ قرض خواہ کے حق میں بہت بہتر ہے اور اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہوں۔ سورہ البقرہ کی یہ آیات:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾﴾ (البقرہ: ۲۸۰-۲۸۱)

”اور اگر تمہارا قرض دار تنگ دست ہو، تو فراغت ہونے تک اسے مہلت دو، اور

اگر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اس دن کی رسوائی اور مصیبت سے بچو جب کہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے، وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔“

فقہاء نے اوپر دی گئی سورہ البقرہ کی آیت ۲۸۰ سے یہ مسئلہ بھی استنباط کیا ہے کہ جو شخص ادائے قرض سے عاجز ہو گیا ہو، اسلامی عدالت اس کے قرض خواہوں کو مجبور کرے گی کہ اسے مہلت دیں اور بعض حالات میں وہ پورا قرض یا قرض کا ایک حصہ بھی معاف کرانے کی مجاز ہو گی۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کسی کے رہنے کا مکان، کھانے کے برتن، پہننے کے کپڑے اور وہ آلات جن سے وہ اپنی روزی کماتا ہو، کسی حالت میں قرق نہیں کیے جاسکتے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں مہلت دینے اور معاف کر دینے کی سفارش کی ہے وہاں اس بات کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ اگر آج تم معاف کرو گے تو کل قیامت کے روز یہ نیکی تمہارے کام آئے گی اور ہو سکتا ہے اسی کے طفیل تمہیں معاف کر دیا جائے اور تمہاری بخشش ہو جائے۔ کیا یہ سودا اچھا نہیں؟

طبرانی کی حدیث ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ قیامت کے روز اس کے سر پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو جب کہ اس کے سوا کسی کو سر چھپانے کے لیے کوئی سایہ نہ ملے گا تو اس کو چاہیے کہ تنگ دست مقروض کے ساتھ نرمی برتے اور اسے ڈھیل دے یا اسے معاف کر دے۔

مسند احمد میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس قرض دار کو مہلت دے گا، تو اس کو ہر روز اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا جتنی اس قرض دار کے ذمہ واجب الادا ہے اور یہ حساب قرض کی میعاد پوری ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب قرض کی میعاد پوری ہو جائے اور قرض دار شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مہلت دے تو اس کو ہر روز اس کی دگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ (صحیح: مسند احمد: ۴۶: ۲۳۰)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دور ہو تو اس کو چاہیے کہ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے۔ (ضعیف: مسند احمد: ۴۹: ۴۷۷۔ زید العمی راوی



(ضعیف ہے۔)

ان احادیث میں لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے کا درس دیا گیا ہے۔ ان میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگر آپ لوگوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کریں گے تو آپ کے ساتھ بھی نرمی برتی جائے گی۔ اگر آپ دنیا میں لوگوں کی مدد کریں گے تو اللہ قیامت کے روز آپ کی مدد کرے گا جبکہ اور کہیں سے مدد ملنے کی توقع نہیں ہوگی۔

اللہ کے ذمے قرض

اللہ کے ساتھ انسان کا رویہ تو وہ ہے جس کا اظہار اوپر کیا گیا کہ اس کے دئے ہوئے مال سے بھی اس کے راستے میں خرچ کرنے سے کتراتا ہے۔ لیکن اللہ کا رویہ انسان کے ساتھ اس کے برعکس ہے۔ انسان جو مال بھی اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ اسے اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال اسے لوٹایا جائے گا۔ ملاحظہ ہو سورہ الحدید کی یہ آیت:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ وَلَآ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝﴾

(الحدید: ۱۱)

”کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس

دے۔ اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔“

اللہ بہت ہی کریم ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ اسی کے دئے ہوئے مال میں سے انسان اگر کچھ واپس لوٹاتا ہے تو وہ اسے اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرنے اور اس پر اپنی طرف سے مزید اجر دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی ہستی اتنی کریم ہو سکتی ہے؟ کیا یہ اس بات کی تصدیق نہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ اللہ ستر ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ صحابہ کرام کو اس بات کا بہتر ادراک تھا، اسی لیے انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑادیں اور اپنے اموال لٹا دئے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور

حضور ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں نے اس کو سنا تو حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ

نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں، اے ابوالدحداح۔ انہوں نے عرض کیا: ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھائیے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ اسی میں ان کا گھر تھا، وہیں ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا: دحداح کی ماں! نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولیں: آپ نے نفع کا سودا کیا، دحداح کے باپ، اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل آئیں۔ (ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۲۳۰۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۴۹۸۶۔ شعب الایمان: ۳۱۷۸۔ حمید الاعرج راوی ضعیف و متروک ہے۔) یہ ہے وہ قرض حسن جس کو اللہ نے بڑھا چڑھا کر واپس کرنے اور پھر اس پر مزید اجر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ کوئی ان سا ہو تو سامنے آئے۔

سورہ الحدید آیت ۱۸ میں فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعَفُ لَهُمْ
وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ (الحدید: ۱۸)

”مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔“

سورہ التغابن میں فرمایا:

﴿إِنْ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعَفْ لَكُمْ ۖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ شَكُورٌ
حَلِيمٌ﴾ (التغابن: ۱۷)

”اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہارے قصوروں

سے درگزر فرمائے گا۔ اللہ بڑا قدردان اور بردبار ہے۔“

سورہ الحدید میں کئی گنا بڑھا کر واپس کرنے اور اس پر مزید اجر دینے کا وعدہ تھا۔ یہاں سورہ التغابن میں کئی گنا بڑھا کر واپس کرنے اور ساتھ قصوروں سے درگزر فرمانے کا وعدہ ہے۔ ہر جگہ قرض حسن کا ذکر آیا ہے اور یہ سارے وعدے قرض حسن کے ساتھ مشروط ہیں۔ قرض حسن کے معنی ہیں اچھا قرض اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ خالصتاً اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو اور اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو، اس میں ریا کاری، شہرت یا ناموری مقصود نہ ہو، اور جس پر خرچ کیا جائے اس پر کبھی احسان نہ جتایا جائے۔

صدقہ کا ضیاع

کسی کی مدد کر کے احسان جتنا اللہ کے نزدیک نہایت ہی قیمتی حرکت ہے۔ کسی کی مدد کر کے اس پر احسان جتانے اور اسے شرمندہ کرنے سے تو بہتر ہے کہ مدد نہ کی جائے۔ اس سے صدقہ کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔ دکھاوے کے لیے صدقہ کرنا شرک کے مترادف ہے۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں سے کہا جائے گا کہ اب انہی سے اجر طلب کرو جن کو دکھانے کے لیے یہ کام کیا تھا۔ اجر صرف اسی صدقہ کا ملے گا جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جائے اور لینے والے کو احسان جتا کر تکلیف نہ دی جائے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات و احادیث:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى ۗ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾
 قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ
 حَلِيمٌ ۝ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي
 يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ
 صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ
 مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ
 أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ

أَصَابَهَا وَاِبِلٌ فَاتَتْ أَكْلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَاِبِلٌ فَطَلَّ ۗ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾ (البقرہ: ۲۶۲-۲۶۵)

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دکھ دیتے ہیں، اُن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔“

”اے ایمان لانے والو، اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔“

”بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو۔ اگر زور کی بارش ہو جائے تو دو گنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔“

سورہ النساء میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۗ﴾ ﴿١٦٥﴾ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ
وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٣٦﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٧﴾ (النساء: ۳۶-۳۸)

”یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے، اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافر نعمت لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخر پر۔ سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہو اسے بہت ہی بُری رفاقت میسر آئی۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کو شرفِ ہمکلامی اور نظر عنایت سے محروم رکھے گا جو اپنے عطیے پر احسان جتاتا ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۰۶)

ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ ماں باپ کا نافرمان، صدقہ کر کے احسان جتانے والا، شراب پینے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ضعیف: السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۳۳۔ تنبیہ: اس میں احسان جتانے کا ذکر نہیں ہے، بقیہ بن ولید، مدلس اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ مجھے یہ روایت ابن ماجہ میں نہیں ملی۔)

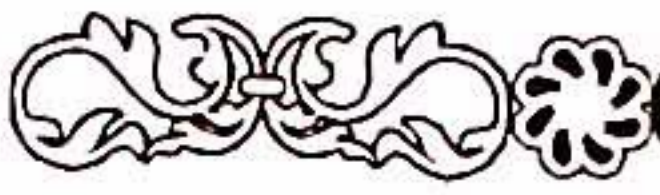
نسائی کی حدیث ہے کہ تین اشخاص کی طرف اللہ قیامت کے روز دیکھے گا بھی نہیں: ماں باپ کا نافرمان، شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا۔ (حسن: سنن نسائی: ۲۵۶۲۔ مسند احمد: ۶۱۸۰)

ان آیات اور احادیث میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ صدقہ دے کر احسان جتانے والا اس کے اجر سے محروم رہتا ہے، اجر صرف اسی کو ملے گا جو نہ احسان جتائے، نہ لینے والے کو تکلیف پہنچائے۔ صدقہ دے کر احسان جتانے والا قیامت کے روز اللہ کی نظر عنایت سے محروم

رہے گا اور اسے جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ ریا کاری کفر ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ دکھاوے کے لیے مال خرچ کرنا یا خرچ کر کے احسان جتانافی الواقع نہایت بیوقوفانہ فعل ہے کیونکہ اس طرح ایک شخص مال خرچ کر کے اپنے لیے جہنم خریدتا ہے، مال سے بھی محروم، اجر سے بھی محروم۔ گویا سو پیاز بھی کھائے اور سو جوتے بھی کھائے۔ اس لیے صدقہ دیتے وقت انسان کو اپنی نیت کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ وہ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا مال خرچ کر رہا ہے اور اس میں ریا کاری کا شائبہ نہیں ہے۔ دینے سے پہلے اپنی نیت کو پاک کرنا نہایت ضروری ہے اور دینے کے بعد بھی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کبھی کسی کے سامنے کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے جس سے لینے والے کو شرمندگی یا تکلیف ہونے کا امکان ہو۔

اگر سوچا جائے تو احسان تو لینے والے کا ہے کہ اس نے آپ کو ثواب کا موقع فراہم کیا۔ اگر زکاة کا مال ہے تو اس نے فرض کی ادائیگی میں آپ کی مدد کی اور اگر عام صدقہ ہے تو اس نے اپنا حصہ آپ سے وصول کر کے ثواب سمیٹنے میں آپ کی معاونت کی۔ یہ مت بھولے کہ آپ کے مال میں غریب اور مسکین کا حق ہے۔





نواں باب:

روزہ

ارکانِ اسلام میں اہمیت کے لحاظ سے روزہ چوتھے نمبر پر ہے۔ رمضان کے روزے دو (۲) ہجری میں فرض کیے گئے۔ قرآن میں اس کے لیے لفظ صوم استعمال کیا گیا ہے جس کی جمع صیام ہے۔ ماہِ رمضان کو ماہِ صیام بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ ماہِ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ صوم کے لفظی معنی ہیں کسی چیز سے بچنا، پرہیز کرنا یا کھانے پینے اور جنسی خواہشات کی تکمیل سے پرہیز کرنا اور بچنا۔ روزے کے اصطلاحی معنی بھی یہی ہیں کہ انسان روزے کے دوران کھانے، پینے اور جنسی خواہشات سے پرہیز کرے۔ البتہ اگر بھول کر کچھ کھاپی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزے کے دوران صرف ترکِ خواہشات ہی نہیں بلکہ جھوٹ، غیبت، ہر قسم کی لغویات، گالی گلوچ اور ان تمام کاموں سے بچنا بھی ضروری ہے جو اللہ نے حرام کیے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ وہ شخص کتنا بیوقوف ہے جو روزے کی وجہ سے وہ جائز خواہشات تو ترک کر دیتا ہے جو روزہ نہ ہونے کی حالت میں اللہ نے جائز قرار دی ہیں، لیکن ان کاموں سے پرہیز نہیں کرتا جو ہر حال میں اس کے لیے حرام قرار دئے گئے ہیں۔ کیا وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے روزہ رکھ رہا ہے یا محض رسم پوری کر رہا ہے؟ ایسا شخص لوگوں کی نظر میں تو روزہ دار شمار ہوگا مگر اللہ کی نظر میں ایسے روزہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ ملاحظہ ہو نبی ﷺ کا یہ فرمان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے روزے کے دوران جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا، اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“ (صحیح بخاری: ۱۹۰۳)

روزے کا مقصد تو تقویٰ یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنا ہے اور اگر روزے کے دوران

بھی انسان اللہ کی نافرمانی سے نہ بچے تو ایسے روزے کا کیا فائدہ؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ کی حالت میں ہو تو نہ کوئی فحش کام کرے، نہ گالم گلوچ کرے اور اگر کوئی شخص اسے گالی دے یا جھگڑا کرے تو کہے میں روزہ دار ہوں۔“ (صحیح بخاری: ۱۸۹۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں کسی کی گالی کا جواب دینا یا اگر کوئی دوسرا شخص آپ کو کسی قسم کے جھگڑے میں ملوث کرنے کی کوشش کرے تب بھی اس میں ملوث ہونا مناسب نہیں، ہر صورت میں اس سے بچنا چاہیے۔

جو شخص روزے کے دوران تقویٰ اختیار کرے اور اللہ کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کرے اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دئے گئے۔“ (صحیح بخاری: ۳۸-صحیح مسلم: ۷۵۹)

اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کا اللہ، اس کے رسول اور آخرت پر مکمل ایمان ہو، روزے کے اجر و ثواب پر بھی کامل اطمینان ہو اور روزے کے دوران اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے رکھے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔ ایسے روزہ داروں کے لیے اللہ نے جنت کا ایک خاص دروازہ مختص کیا ہے۔ ملاحظہ ہو یہ حدیث:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازے کا نام الرِّیَّان ہے

اس میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔“

(صحیح بخاری: ۱۸۹۶-صحیح مسلم: ۱۱۵۲)

اللہ تبارک و تعالیٰ بڑا ہی کریم ہے۔ اس نے ہر نیکی کا اجر دس گنا سے لیکر سات سو گنا

تک بڑھا چڑھا کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کا انحصار بندے کے حالات اور خلوص پر ہے کہ کس کو کتنا بڑھا کر دیتا ہے۔ لیکن روزے کے اجر کی کوئی انتہا مقرر نہیں فرمائی اور یہ فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر بھی میں ہی دوں گا۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انسان کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بڑھا کر دیا جاتا ہے سوائے روزہ کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں دوں گا۔ بندہ میری خاطر اپنی خواہشات اور کھانا پینا ترک کرتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی اسے اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی اسے اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مُشک سے زیادہ خوشگوار ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۹۰۴-۱۹۰۷-۵۹۲-صحیح مسلم: ۱۱۵۱)

ساری عبادات اللہ ہی کے لیے ہیں اور ان کا اجر بھی اللہ ہی دیتا ہے۔ پھر روزہ کو خصوصی طور پر اپنی طرف کیوں منسوب کیا؟ اور یہ کیوں فرمایا کہ اس کا اجر میں دوں گا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام عبادات میں ریاء کا امکان ہے۔ جہاد پوری قوم کے سامنے ہوتا ہے، (بعض فقہانے جہاد کو ارکانِ اسلام میں شامل کیا ہے) حج لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں ہوتا ہے، نماز باجماعت پورے محلے کے ساتھ ادا ہوتی ہے اور انفرادی نماز میں بھی کم از کم گھر کے لوگ تو دیکھتے ہیں، زکاۃ عموماً اداروں کو دی جاتی ہے جن میں کئی لوگ ہوتے ہیں، اگر بہت مخفی طور پر دی جائے تب بھی وصول کنندہ کو تو علم ہوتا ہے۔

اس کے برعکس روزہ ایسی عبادت ہے جس کا علم یا روزہ دار کو ہوتا ہے یا اللہ کو۔ کسی دوسرے شخص کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس میں ریاکاری کا امکان نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے، تو اللہ ہی کے لیے رکھتا ہے، ورنہ نہیں رکھتا۔ اگر کوئی روزہ نہ رکھنا چاہے تو وہ چھپ کر کھا پی سکتا ہے۔ کسی کو خبر نہ ہوگی کہ اس کا روزہ ہے یا نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی

روزہ رکھے گا تو اللہ ہی کے لیے رکھے گا، اللہ کے خوف یا اس کی رضا کے سوا کوئی دوسری قوت یا جذبہ اسے روزہ کی تکمیل پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اسی لیے فرمایا: (الصومُ لي وانا اجزي به) ”کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں دوں گا۔“ اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں ہوں۔“ دونوں ترجموں میں بے انتہا اجر کا اشارہ دیا گیا ہے۔ اگر ”اجر میں دوں گا“ کو اسی حدیث کے ایک دوسرے جملے ”اور روزہ دار کو دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا“ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس کا کم از کم اجر جنت میں دخول ہے۔ کیونکہ وہاں دو ہی ٹھکانے ہیں یا جنت یا دوزخ، اب ظاہر ہے کہ دخولِ دوزخ کی خبر پر تو کوئی خوش نہیں ہو سکتا، لامحالہ جنت میں داخلے کی نوید ہی ہوگی جس پر انسان خوش ہو جائے گا۔

اگر یہ ترجمہ لیا جائے کہ ”اس کی جزا میں ہوں“ تو کیا کہنے! اس سے زیادہ اجر کیا ہو سکتا ہے؟ جسے رب مل گیا اسے کس چیز کی ضرورت؟ اگر جنت کا مالک مل جائے تو پھر جنت کی کیا حیثیت؟

روزے کا مقصد

روزے کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ روزے کا تقویٰ سے اور ماہِ رمضان کا قرآن سے گہرا تعلق ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ روزہ تم پر اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے جو کہ قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دئے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ

کی صفت پیدا ہوگی۔“

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، یہ ماضی کی ساری شریعتوں کا حصہ تھا۔ دوسری یہ کہ روزہ تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ گویا اگر روزہ کا اہتمام کیا جائے تو اس سے انسان کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے تقویٰ کی صفت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ البقرہ کے آغاز ہی میں فرمایا:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱﴾ (البقرہ: ۲)

”یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے متقین کے لیے۔“

یعنی بلاشبہ یہ کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس کے حق اور سرچشمہ ہدایت ہونے میں بھی کوئی شک نہیں لیکن اس سے ہدایت صرف انہیں کو ملے گی جن کے اندر گمراہی سے بچنے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش ہوگی۔

عمر ابن خطاب اور عمر ابن ہشام، دونوں نے یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی۔ ایک فاروق (حق اور باطل کی کسوٹی) بن گیا اور دوسرا ابو جہل (جہالت کا باپ یا سرچشمہ) بن گیا۔ کتاب بھی ایک، معلم بھی ایک۔ فرق کہاں واقع ہوا؟ فرق یہ تھا کہ ایک میں تقویٰ کی فراوانی تھی دوسرے میں فقدان تھا، ایک میں اللہ کی نافرمانی سے بچنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کی خواہش تھی دوسرا اپنی خواہشات کا غلام تھا۔

تقویٰ کیا ہے

لفظ تقویٰ ”کا مادہ وقی“ ہے، جس کے معنی ہیں، حفاظت کرنا، بچانا، روکنا۔ تقویٰ کے اصطلاحی معنی ہیں۔ اپنے نفس کی حفاظت کرنا اور اسے ایسے کاموں سے بچانا جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ اس کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا۔ گویا یہ اللہ کے ساتھ قلبی لگاؤ کی وہ کیفیت ہے جس میں انسان ہر وقت اللہ کی خوشنودی کا طالب رہتا ہے اور کہیں ذرا سی بھی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی کوتاہی کی تلافی میں لگ جاتا ہے۔ اللہ

تبارک و تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہر وقت اس پر غالب رہتا ہے۔

بعض لوگوں نے تقویٰ کی کچھ ظاہری صورتیں بھی تجویز کر دی ہیں، مثلاً جبہ و دستار کا ہونا، داڑھی کا ایک خاص سائز کا ہونا، ظاہری وضع قطع، مخصوص چال ڈھال۔ یہ چیزیں تقویٰ کے مظاہر تو ہو سکتے ہیں مگر تقویٰ نہیں۔ تقویٰ کا تعلق دل سے ہے۔ اس کی تصریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: **اَلتَّقْوٰی هٰهٰنَا** (تقویٰ یہاں ہے) یعنی تقویٰ کا مقام دل ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۶۳)

اگر دل میں اللہ کی محبت اور خشیت نہ ہو تو تقویٰ کے مظاہر دھوکے کا سامان اور وبالِ جان ہیں کہ تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر انسان دوسروں کو دھوکا دے رہا ہے۔

اس طرح کے کاروباری لوگ آج بہت ہیں جو دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور عوام کے لیے مذہب سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ بذاتِ خود ان مظاہر میں کوئی خرابی نہیں۔ اگر یہ مظاہر رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی میں اختیار کیے جائیں تو باعثِ اجر و ثواب اور تقویٰ میں ترقی کا ذریعہ ہیں، ورنہ نفس کا دھوکا اور گمراہی کا سبب۔

تقویٰ کی بہترین تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! کبھی آپ کو ایسے راستے سے گزرنے کا اتفاق ہوا جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں اور راستہ تنگ ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ایسا ہوا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنا دامن سمیٹ لیتا ہوں اور کانٹوں سے بچتا ہوا چلتا ہوں کہ یہ میرے دامن میں الجھ کر اسے تار تار نہ کر دیں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا: بس یہی تقویٰ ہے۔ (دلیل الواعظ الی ادلۃ المواعظ: ۱/ ۵۴۶۔ بغیر سند کے مروی ہے۔ نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ الزهد الکبیر للبیہقی: ۹۶۳۔ تاہم اس کی سند میں بھی نظر ہے۔ تنبیہ: البتہ یہ بات ٹھیک ہے۔)

زندگی کا یہ راستہ جس پر ہم سفر کر رہے ہیں، افراط و تفریط، خواہشات و میلاناتِ نفس، وساوس

وترغیبات، اور گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس راستے پر گناہ کے کانٹوں سے دامن بچاتے ہوئے چلنا، اللہ کی اطاعت اور حق کے راستے پر گامزن رہنا، آخری سانس تک اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے رکھنا ہی تقویٰ ہے۔ مگر ساری زندگی تقویٰ کی راہ پر گامزن رہنا آسان نہیں ہے، خصوصاً جب کہ آپ کا دشمن شیطان ہر وقت گھات میں ہو کہ کیسے آپ کو چت کر کے اللہ کی نافرمانی کے راستے پر ڈال دے۔ اس لیے ہر وقت شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ اگر اللہ کی مدد شامل حال ہو تو کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔

تقویٰ اللہ کو پسند ہے

تقویٰ اللہ کی پسندیدہ صفت ہے اور متقین کی تعریف اور ان کے انعامات کے بیان سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ ان سب کا تو یہاں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں، جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں تقویٰ کا کیا مقام ہے اور متقین کے لیے اس کے ہاں کیا اجر ہے۔

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾﴾

(البقرة: ۱۹۷)

”زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ پس اے عقلمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“

﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴۱﴾﴾ (ال عمران: ۷۶)

”ہاں، جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ یقیناً متقین کو محبوب رکھتا ہے۔“

﴿وَإِنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۹۱﴾﴾ (ال عمران: ۱۷۹)

”اگر تم ایمان اور تقویٰ کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔“

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۸۷﴾﴾ (ال عمران: ۱۸۶)

”اگر تم صبر اور تقویٰ کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔“

﴿إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾﴾

(المائدة: ٨)

”عدل کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈرو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

﴿وَلِبَاسِ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۖ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾﴾

(الاعراف: ٢٦)

”اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ﴾ (الانفال: ٢٩)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لیے کسوٹی بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہارے قصور معاف کرے گا۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾﴾ (النحل: ١٢٨)

”اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔“

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۗ﴾

(الحج: ٣٤)

”نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ ان کے خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“

سورہ الطلاق میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾﴾ ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَحْتَسِبُ ۗ﴾ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٣﴾﴾

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾

(الطلاق: ۲-۵)

”جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا، اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدرہ اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔“

متقین کا انعام

اب ملاحظہ ہوں متقین کے انعام کے بارے میں چند آیات:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ أُدْخِلُوهُمْ بِسَلِيمٍ آمِنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا مَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝﴾ (الحجر: ۴۵-۴۸)

”بے شک، متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔ ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہوگی اسے ہم نکال دیں گے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ انہیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔“

﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَالَّذِينَ فِيهَا جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۗ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝﴾ (النحل: ۳۰-۳۱)

”اور جب متقی لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمہارے رب کی

طرف سے نازل ہوئی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ بہترین چیز نازل ہوئی ہے۔ اس طرح کے متقی لوگوں کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا۔ دائمی قیام کی جنتیں، جن میں وہ داخل ہوں گے، نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ سب کچھ وہاں عین ان کی خواہش کے مطابق ہوگا۔ یہ جزا دیتا ہے اللہ متقیوں کو۔“

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٤﴾ لَا يَدْخُلُونَهَا إِلَّا مَوْتَتَهُمْ الْأُولَىٰ وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾﴾ (الدخان: ۵۱-۵۶)

”متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں، حریر و دیبا کے لباس پہنے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ ہوگی ان کی شان۔ اور ہم گوری گوری آہو چشم عورتیں ان سے بیاہ دیں گے۔ وہاں وہ اطمینان سے ہر طرح کی لذیذ چیزیں طلب کریں گے۔ وہاں موت کا مزہ کبھی نہ چکھیں گے۔ بس دنیا میں جو موت آچکی سو آچکی اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا دیا جائے گا۔“

رمضان..... ماہِ صیام

رمضان برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ ہے۔ انسان کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت اور نعمت اس کی طرف سے ہدایت کا نزول ہے۔ بیشتر الہامی صحیفے اور کتابیں اسی مہینے میں نازل ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے تیسری رمضان، تورات چھٹی رمضان، انجیل تیرھویں

رمضان، زبور اٹھارویں رمضان اور قرآن چوبیسویں رمضان میں اترا ہے۔“

(ضعیف: مسند احمد: ۱۶۹۸۴۔ عمران القطان ضعیف راوی ہے۔ عن وائل بن الاسقع)

نبی ﷺ پر نزول قرآن کا آغاز غار حرا میں روزے کی حالت میں ہوا اور اس کی

تکمیل بھی رمضان میں روزے کی حالت میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزے کا ہدایت سے گہرا تعلق ہے۔ روزہ تقویٰ پیدا کرتا ہے اور تقویٰ سے ہدایت ملتی ہے۔ سورہ البقرہ کے آغاز میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رمضان کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری

روز ہم سے خطاب کیا اور فرمایا:

”اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے جو بڑا ہی برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے) اللہ نے اس ماہ کے روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں کا قیام (رات کو نماز پڑھنا) نفل ہے۔“

”جو کوئی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس ماہ میں کوئی نفل نیکی کرے گا اسے رمضان کے سوا دوسرے مہینوں میں ادا کیے گئے فرض کے برابر ثواب ملے گا۔ جو کوئی اس ماہ میں ایک فرض نیکی کرے گا اسے دوسرے مہینوں میں ادا کیے گئے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔“

”رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے۔ یہ غمگساری کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں جس شخص نے کسی کا روزہ افطار کرایا اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے اور اسے آگ سے رہائی دے دی جائے گی اور اس کے لیے ویسا ہی اجر ہے جیسا کہ روزہ دار کے لیے (جس کا روزہ افطار کرایا گیا) بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔“

(ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۳۳۳۶۔ علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔)

تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۸۷۱)

”ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر کوئی اس بات کی

استطاعت نہیں رکھتا کہ کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دودھ کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور یا پانی کے ایک گلاس سے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کراتا ہے اللہ اس کو بھی یہی ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، اللہ قیامت کے روز اسے میرے حوض (حوضِ کوثر) میں سے پلائے گا جس کے بعد اسے جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔“ (ضعیف: سابقہ حوالہ)

”رمضان وہ مہینہ ہے جس کا پہلا (عشرہ) رحمت ہے، درمیانی (عشرہ) مغفرت ہے اور آخری (عشرہ) آگ سے نجات ہے۔ جو شخص اس ماہ میں اپنے ملازم کے ساتھ نرمی برتے گا (اس کا کام ہلکا کر دے گا) اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔“ (ضعیف: سابقہ حوالہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ماہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔“

(صحیح بخاری: ۱۸۹۹۔ صحیح مسلم: ۱۰۷۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”روزہ اور قرآن بندے کے لیے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے دن میں اسے کھانے اور شہوتوں سے روکا، اس لیے اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے سے روکا، اس لیے اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ تو ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔“ (صحیح: شعب الایمان للبیہقی: ۱۹۶۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رمضان کے دوران رسول اللہ ﷺ

فیض پہنچانے میں ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کا فیض ہوا سے



بھی زیادہ عام ہو جایا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۱۹۰۲)

قرآن رمضان میں نازل کیا گیا اس لیے اس مہینے کے روزے بھی فرض کر دئے گئے تا کہ روزہ کی پاسداری سے انسان کے اندر تقویٰ کی وہ صفت پیدا ہو جائے جو قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ دیکھئے سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ
وَالْفُرْقَانِ ۗ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

(البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہذا، اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔“

اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ قرآن مجید ماہِ رمضان میں نازل ہوا اور اس ماہ کے روزے ہر عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔ البتہ مریض اور مسافر مرض اور سفر کے دوران روزہ چھوڑ سکتے ہیں لیکن رمضان کے بعد انہیں یہ چھوڑے ہوئے روزے رکھنے ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اولین فرصت میں پورے کر لیے جائیں یا پھر اگلے رمضان سے پہلے رکھ لیے جائیں۔ علاوہ ازیں رمضان کے روزے قرآن جیسی نعمت عطا ہونے پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا

شکریہ ادا کرنے اور اللہ کی بڑائی کا اعتراف کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

جو لوگ دائمی مریض ہوں اور جن کے شفا یاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو یا وہ لوگ جو بہت بوڑھے ہو چکے ہوں اور روزے کی مشقت برداشت نہ کر سکتے ہوں انہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن انہیں چھوڑے ہوئے روزوں کا فدیہ دینا ہوگا۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا ہے۔ خیال رہے کہ کھانا اسی معیار کا ہونا چاہیے جس معیار کا فدیہ دینے والا خود کھاتا ہے، یا ایسے کھانے کی قیمت بھی بطور فدیہ دی جاسکتی ہے۔ عورتوں کے لیے حیض اور نفاس کے دوران نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے لیے نماز کی تو قضا نہیں ہے لیکن چھوڑے ہوئے روزے رمضان کے بعد پورے کرنے ہوں گے۔

سحری کھانا مستحب ہے، گو واجب نہیں لیکن سحری کھانا، نہ کھانے سے بہتر ہے۔ اس سے روزے میں آسانی رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سحری کھانے میں تاخیر کرنا اور افطار میں جلدی کرنا دین کی سلامتی کا باعث ہے۔

نفل روزے

رمضان کے سوا کوئی اور روزہ فرض نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی روزے رکھے ہیں اور بعض دنوں کے روزوں کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ آپ نے عاشورہ (دس محرم) کے روزہ کی بڑی تاکید فرمائی اور اس کا حکم بھی دیا۔ عرب دورِ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد بھی مسلمان عاشورہ کا روزہ بدستور رکھتے رہے۔ رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد نبی ﷺ نے اجازت دے دی کہ جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے جو نہ چاہے نہ رکھے۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۰۱)

یہودی دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، اس لیے کہ اس دن اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی تھی۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ دسویں کے ساتھ نویں یا گیارہویں محرم کا روزہ بھی رکھا کرو تا کہ یہود سے مشابہت نہ ہو۔ (ضعیف: مسند احمد:

۲۱۵۲۔ شعب الایمان للبیہقی: ۳۵۱۱۔ ابن ابی لیلیٰ راوی سى الحفظ ہے۔)

عاشورہ کے روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عاشورہ کے روزے کے بارے میں مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ سے امید ہے کہ جو شخص یہ روزہ رکھے گا، یہ اس شخص کے پچھلے ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محرم اللہ کا مہینہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۳)

نفل روزوں میں اس ماہ کے روزے اور نفل نمازوں میں نماز تہجد اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ نبی ﷺ نے ہر ماہ ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ) کے روزے رکھنے والے کو صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے والا) کہا ہے، کیونکہ ایک روزہ کا اجر دس گنا اور تین روزوں کا اجر تیس گنا یعنی ایک ماہ کے برابر ہو گیا۔ اسی طرح جو شخص رمضان کے سارے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اسے بھی صائم الدہر کہا گیا ہے، کیونکہ رمضان اور چھ شوال کے روزے ملا کر چھتیس دن ہو گئے اور ان کا دس گنا تین سو ساٹھ، گویا پورے سال کے روزے ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے سوموار اور جمعرات کے روزہ کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ سوموار کے بارے میں فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲۔ ۱۹۷)

اس لحاظ سے سوموار ایک مبارک دن ہوا۔ گو جمعہ بھی مبارک دن ہے لیکن صرف جمعہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ البتہ اگر اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا دن ملا لیا جائے تو جمعہ کا روزہ رکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ یا اگر کوئی شخص کسی خاص تاریخ کو روزہ رکھنے کا اہتمام کرتا ہو اور کبھی وہ تاریخ جمعہ کے روز پڑ جائے تو جمعہ کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو وصال کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے مجھ جیسا کون ہے؟ مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۰۳)

وصال کا روزہ یہ ہے کہ انسان بغیر افطاری اور سحری کھائے مسلسل روزے رکھے۔
وصال کے روزے سے منع کرنے کی وجہ واضح ہے کہ اس سے کام اور صحت دونوں کو نقصان
پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ تو یہ
چاہتا ہے کہ ہمارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو، تاکہ ہم آخرت کے نقصان سے بچ سکیں۔

جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص کے بارے میں معلوم ہوا
کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھتے ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں بلا کر پوچھا
اور ان کے تصدیق کرنے پر فرمایا: مہینے میں تین دن کے روزے رکھ لیا کر، تم ہمیشہ روزہ
رکھنے والے شمار ہو گے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، میں اس سے زیادہ کی استطاعت
رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھو اور دو دن نہ رکھو۔ انہوں نے عرض کیا:
میں اس سے زیادہ کی استطاعت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھو اور
ایک دن نہ رکھو، یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ سب سے افضل روزہ ہے۔ انہوں نے عرض
کیا: میں اس سے زیادہ کی استطاعت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے افضل کوئی
روزہ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۷۶)

یومِ عرفہ (نوذوالحج) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس دن کا روزہ
گزشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲-۱۹۶)
یہ روزہ ان لوگوں کے لیے ہے جو حج پر نہ ہوں۔ جو لوگ حج کر رہے ہوں ان کے لیے
یومِ عرفہ کا روزہ مکروہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یومِ عرفہ کا روزہ نہیں
رکھا۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحج) میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

قرآن..... اللہ کی کتاب

قرآن اللہ کی کتاب ہے اور انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے جس کے بارے میں
اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾﴾ (البقرہ: ۲)

”یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔“

﴿الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

”قرآن انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل

ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔“

﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَ

مُهَيِّبًا عَلَيْهِ﴾ (المائدہ: ۴۸)

”اے نبی، ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب

میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے، اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی

محافظ اور نگہبان ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ

وَ هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (یونس: ۵۷)

”لوگو! تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس ایک نصیحت آگئی ہے جو

دل کے تمام امراض کے لیے شفا ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ان تمام

لوگوں کے لیے جو اسے مانیں۔“

تنزیلِ قرآن کا مقصد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں قرآن کا مدعا انسان کو اس صحیح رویے کی طرف

دعوت دینا اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے، جسے انسان اپنی غفلت سے گم

اور شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ (مقدمہ تفہیم القرآن، جلد اول)

نزولِ قرآن کا اصل مقصد انسانوں کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور اعمال کی

اصلاح اور درستگی ہے۔ (الفوز الکبیر)

قرآن انسان کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے

حوالے کر دے اور اس کی زندگی کا کوئی پہلو، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، الہامی ہدایت سے

باہر نہ رہے۔ اسی میں اس کے لیے خیر اور بھلائی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۰۸﴾ (البقرہ: ۲۰۸)

”اے ایمان لانے والو، تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں بھی انسان قرآن کی رہنمائی سے قدم باہر نکالے گا، شیطان کی پیروی میں گرفتار ہو جائے گا جس نے اس کو جنت سے نکلوایا اور جو ہر وقت اس تاک میں ہے کہ کہیں پھر انسان جنت کی راہ نہ لگ جائے۔ قرآن نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ قرآن کی پیروی کر کے شیطان کے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لے یا قرآن سے بغاوت کر کے شیطان کا شکار ہو جائے۔

قرآن ہدایت کا وہ خزانہ ہے جس نے آج سے پندرہ سو سال پہلے عرب کے بدوؤں کی کایا پلٹ دی تھی۔ اس میں آج بھی یہ قوت موجود ہے، بشرطیکہ کوئی قوم پوری طرح اس کی پیروی کرنے کو تیار ہو۔ اگر امت مسلمہ اپنی اصلاح چاہتی ہے تو اس کے لیے آج بھی وہی راستہ ہے جس پر چل کر ماضی میں اس نے فلاح حاصل کی تھی۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا تھا جب انہوں نے فرمایا: ”اس امت کے بعد کے حصے کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی، جس سے اس کے اوّل حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔“ اور وہ چیز قرآن ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو شخص دین کو جاننا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن ہی کو اپنا مونس و ہدم بنائے۔ شب و روز قرآن ہی سے تعلق رکھے۔ یہ ربط و تعلق علمی اور عملی دونوں طریقوں سے ہونا چاہیے، ایک ہی پر اکتفا نہ کرے۔ جو شخص یہ کرے گا وہی گوہر مقصود پائے گا۔“ (الموافقات)

سورہ البقرہ کی درج ذیل آیت میں اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۗ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٢١﴾ (البقرہ: ۱۲۱)

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس (قرآن) پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں۔ اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ پڑھنے کا حق ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے سمجھ کر پڑھتے ہیں، بار بار پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

امت کو قرآن کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خبردار! عنقریب ایک بڑا فتنہ سر اٹھائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس سے نجات کیا چیز دلائے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی کتاب! پھر فرمایا:

اس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے حالات ہیں۔

تم سے بعد میں ہونے والی باتوں کی خبر ہے۔

اور تمہارے آپس کے معاملات کا فیصلہ ہے۔

اور یہ ایک دو ٹوک بات ہے، کوئی ہنسی دل لگی کی بات نہیں۔

جو سرکش اسے چھوڑے گا، اللہ اس کی کمر کی ہڈی توڑ ڈالے گا۔

اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور بات کو اپنی ہدایت کا ذریعہ بنائے گا، اللہ اسے گمراہ کر

دے گا۔

خدا کی مضبوط رسی یہی ہے۔

یہی حکمتوں سے بھری ہوئی یاد دہانی ہے۔

یہی بالکل سیدھی راہ ہے۔

اس کے ہوتے ہوئے خواہشیں گمراہ نہیں کرتیں۔

اور نہ زبانی لڑکھڑاتی ہیں۔

- ✽ اہل علم کا دل اس سے کبھی نہیں بھرتا۔
- ✽ اسے کتنا ہی پڑھو طبیعت سیر نہیں ہوتی۔
- ✽ اس کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔
- ✽ جس نے اس کی سند پر کہا، سچ کہا۔
- ✽ جس نے اس پر عمل کیا، اجر پائے گا۔
- ✽ جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا، اس نے انصاف کیا۔
- ✽ جس نے اس کی دعوت دی، اس نے سیدھی راہ کی دعوت دی۔ (ضعیف: جامع ترمذی:

۲۹۰۶- سنن دارمی: ۳۳۳۴- حارث الاعور ضعیف راوی ہے۔)

قرآن کی اس سے زیادہ جامع تعریف نہیں ہو سکتی۔

قرآن کے دو نزول

قرآن مجید، رمضان کی ایک رات میں نازل کیا گیا۔ اس رات کو لیلۃ القدر (قدر کی رات) کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ القدر کی یہ آیت: **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱)** ”ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر (قدر کی رات) میں نازل کیا ہے۔“

سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۵ میں فرمایا گیا کہ قرآن مجید ماہِ رمضان میں نازل کیا گیا اور یہاں سورہ القدر کی آیت ۱ میں فرمایا گیا کہ یہ قرآن شبِ قدر میں نازل کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید رمضان کی ایک رات میں نازل ہوا۔

یہ دونوں آیات دراصل قرآن کے نزولِ اول کے بارے میں ہیں۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے نکال کر جبریل امین کے حوالے کیا، وہ اسے لے کر نیچے اترے اور اللہ کے حکم سے آسمانِ زمینی میں ایک مقام پر رکھا جسے بیت العزت کہا جاتا ہے۔ یہ قرآن کا پہلا نزول ہے جو یکبارگی ہوا اور پورا قرآن لوح محفوظ سے اٹھا کر بیت العزت میں رکھوا دیا گیا۔

پھر اس میں سے جبریل امین اللہ کے حکم سے حسبِ ضرورت قرآن کے مختلف اجزا

رسول اللہ ﷺ کو پہنچاتے رہے اور یہ نزول تیس سال میں مکمل ہوا، یہ قرآن کا دوسرا نزول ہے۔

قرآن کی موجودہ ترتیب پہلے نزول کے مطابق ہے۔ جب بھی کوئی آیت یا رکوع یا سورت نازل ہوتی تھی، رسول اللہ کا تبین وحی کو بتا دیتے تھے کہ اس کو کہاں، کس ترتیب سے رکھا جائے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً مدنی سورتیں پہلے ہیں اور مکی سورتیں بعد میں۔ حالانکہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے تو مکی سورتیں پہلے اور مدنی بعد میں ہونی چاہئیں تھیں۔ یاد رہے کہ لوح محفوظ اللہ کا خصوصی علم ہے اس تک کسی فرشتے یا بندے کی رسائی نہیں۔ یہ غیب کا علم ہے، اس میں سے اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو جتنا چاہے دے۔ ملاحظہ ہو سورہ ال عمران کی یہ آیت:

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَ عَلَى الْغَيْبِ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ ۗ وَ إِن تَوَمَّنُوا وَ تَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (ال عمران: ۱۷۹)

”اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کر دے۔ (غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو) وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ لہذا (امور غیب کے بارے میں) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔“

اسی طرح سورہ الجن میں فرمایا:

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْأَلُكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝﴾ (الجن: ۲۶-۲۷)

”وہ (اللہ) عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو۔ تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔“

محافظوں سے مراد فرشتے ہیں جو اس بات کی نگرانی کرتے ہیں کہ اس میں کوئی آمیزش نہ ہو سکے اور نہ ہی کوئی نقب لگائی جاسکے اور غیب کا یہ علم من و عن رسول تک پہنچ جائے۔

ترکِ قرآن کا وبال

اللہ نے ہماری رہنمائی کے لیے دو چیزیں بھیجیں۔ ایک اپنا رسول ﷺ اور دوسری اپنی کتاب۔ اللہ کا رسول ﷺ تو واپس چلا گیا اور اپنی سنت چھوڑ گیا اور اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے، ہمیں اس کی قدر کرنا چاہیے۔ لیکن ہم نے اسے پس پشت ڈالا ہوا ہے اور اس کی اس طرح قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے۔ اسی لیے قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ ہماری شکایت کریں گے۔ ملاحظہ ہو سورہ الفرقان کی یہ آیت:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝﴾

(الفرقان: ۳۰)

”اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب، میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔“

اور قرآن خود بھی شکایت کرے گا۔ ملاحظہ ہو نبی ﷺ کی یہ حدیث:

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا (پڑھنا سیکھا) مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا۔ نہ اسکی تلاوت کی پابندی کی، نہ اس کے احکام میں غور کیا۔ قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔“ (ضعیف: تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۷۔ کتاب کے محقق نے کہا: اس کی سند میں ابوہدبہ راوی کذاب ہے۔)

قرآن ہمیں اس لیے دیا گیا تھا کہ ہم اسے پڑھیں، اسے سمجھیں، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔ ہم نے من حیث القوم



اپنی اجتماعی زندگی سے قرآن کو بالکل بیدخل کر دیا ہے اور اس کا انجام ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کثرتِ تعداد اور کثرتِ اموال کے باوجود ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس وقت مسلمان دنیا کی آبادی کا تیس (23) فیصد ہیں اور ان کی کل آبادی دو بلین کے قریب ہے، ان کی ستاون آزاد ریاستیں ہیں جو او۔ آئی۔ سی۔ کی رکن ہیں، ان کے پاس وسائل کی بھی کمی نہیں۔

لیکن اس کے باوجود دنیا میں ان کی کوئی عزت نہیں۔ ہر طرف مسلمان کا خون بہہ رہا ہے۔ کہیں اپنے ہاتھوں کہیں غیروں کے ہاتھوں۔

کشمیر اور فلسطین کے مسلمان آزادی کو ترس رہے ہیں۔ ستاون ریاستوں میں سے کوئی ان کا حق دلانے کے لیے ان کے ساتھ کھڑا نہیں ہوتا۔ صومالیہ ایک عرصہ سے خانہ جنگی میں مبتلا ہے اور اب یمن بھی اس کی لپیٹ میں ہے۔ عراق، شام اور افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہے۔ پاکستان ایک عرصہ سے دہشت گردی کا شکار ہے۔

الغرض مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور یہ سب قرآن سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔ دورِ اول میں جب مسلمان قرآن پر پوری طرح کار بند تھے، ہر میدان میں نئی رفعتوں کو چھوتے رہے۔ بعد کے ادوار میں جب انہوں نے قرآن سے بے اعتنائی برتنا شروع کی تو آہستہ آہستہ زوال کی طرف بڑھنا شروع ہو گئے اور جب انہوں نے مکمل طور پر قرآن کو چھوڑ دیا تو ان کا زوال بھی مکمل ہو گیا۔ درج ذیل حدیث اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ سے بعض اقوام کو عروج بخشتا ہے

اور بعض کو مٹا دیتا ہے“ (صحیح مسلم: ۸۱۷)

جو قوم اس پر عمل کرتی ہے وہ ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اوجِ ثریا تک پہنچ جاتی

ہے جیسا کہ دورِ اول کے مسلمان پہنچے اور جو قوم اس سے منہ موڑتی ہے وہ قعرِ مذلت میں گر

جاتی ہے جیسا کہ دورِ حاضر کے مسلمان۔

قرآن کی عظمت

قرآن کی عظمت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ”جو شخص تلاوتِ قرآن میں اس قدر مصروف اور

منہمک رہا کہ اسے (تلاوتِ قرآن کے علاوہ) میرا ذکر کرنے اور مجھ سے مانگنے

کی فرصت ہی نہ ملی ہو، میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ اور بہتر عطیات دیتا

ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو دیگر تمام کلاموں (علوم) پر ایسی فضیلت حاصل ہے

جیسی فضیلت اللہ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۲۹۲۶۔

۳۳۵۹۔ عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔)

وہ ہستی جو ایک ایسی وسیع کائنات کی خالق و مالک ہے جس کی وسعت کا ہم ابھی تک احاطہ نہیں کر سکے اور جو آج تک کی ریسرچ کے مطابق ہمارے اندازوں سے بھی زیادہ وسیع ہے، اس کے سامنے مخلوق کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ اللہ کے کلام کے سامنے دوسرے کلاموں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

قرآن اللہ کا کلام ہے۔ یہ حقیقت کہ قرآن صرف اللہ کا پیغام نہیں بلکہ اس کا کلام بھی ہے، قرآن کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ اسی لیے وہ رسول ﷺ جس پر قرآن نازل ہوا، سب رسولوں سے افضل۔ وہ امت جس کے لیے قرآن نازل ہوا، سب امتوں سے افضل۔ وہ مہینہ جس کے دوران قرآن نازل ہوا، سب مہینوں سے افضل اور وہ رات جس میں قرآن نازل ہوا، سب راتوں سے افضل قرار پائی۔

یوں تو کائنات کا وجود اور اس کا بے مثال اور محکم نظام اللہ کے وجود پر گواہ ہے۔ مگر قرآن کی حیثیت منفرد ہے، یہ نہ صرف اس کے وجود کی گواہی دیتا ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے۔

یہ قرآن کائنات کے ان سر بستہ رازوں سے بھی ہمیں آگاہی بخشتا ہے جن کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے انسان آج تک سرگرداں ہے۔ انسان یہ جاننے کی فکر میں ہے کہ یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ مثلاً:

آج کی دنیا کا سب سے بڑا سائنس دان سٹیفن ہاکنگ اپنی سب سے زیادہ شہرت یافتہ اور سب سے زیادہ بکنے والی کتاب ”زمانے کی مختصر تاریخ“ کے آخری باب کے آغاز میں لکھتا ہے: ”ہم اپنے آپ کو ایک حیران کن دنیا میں پاتے ہیں۔ ہم اپنے ارد گرد جو کچھ دیکھتے ہیں اسے سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ ہماری اس میں کیا حیثیت ہے؟ یہ کائنات اور ہم کیسے وجود میں آئے؟ یہ کائنات اپنی موجودہ شکل میں کیوں ہے؟“

اس باب کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے: ”بہر حال اگر ہم ایک مکمل تھیوری تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کو سمجھنے والے نہ صرف چند سائنس دان ہوں گے بلکہ وقت کے ساتھ اس کے موٹے موٹے اصول ہر کسی کی سمجھ میں آ جائیں گے۔ اس وقت ہم سب بشمول فلاسفوں، سائنس دانوں اور عوام کے اس بحث میں حصہ لے سکیں گے کہ یہ کائنات اور ہم کیوں کر وجود میں آئے؟ اگر ہم اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ انسانی عقل کی حقیقی فتح ہوگی۔ تب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا کیا چاہتا ہے۔“

بڑے بڑے فلاسفر اور سائنس دان ان سوالات یا ان جیسے دوسرے سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لیے ساری عمر ٹاک ٹوٹیاں مارتے رہتے ہیں لیکن ان کا کوئی حتمی یا یقینی جواب نہیں تلاش کر پاتے۔ قرآن ان سب سوالات اور ان جیسے دیگر تمام سوالات کا مکمل جواب ایسے انداز میں دیتا ہے جو ایک فلاسفر سے لے کر ایک عام آدمی کی سمجھ میں آسانی سے آ سکتا ہے۔ یہ تو انسان کی بد قسمتی ہے کہ ایک یقینی ذریعہ علم کو چھوڑ کر اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا رہتا ہے۔ زیادہ حیرانی تو مسلمانوں پر ہوتی ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب بھی مانتے ہیں اور اس سے رہنمائی بھی نہیں لیتے۔ اللہ ہم سب کو سمجھ عطا کرے!

آئے اب قرآن کی عظمت کے بارے میں قرآن کے بھیجنے والے کے چند ارشادات ملاحظہ کیجئے۔ مثلاً سورہ ال عمران میں فرمایا:

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ (ال عمران: ۳)
 ”اے نبی، اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔“

سورہ النساء میں فرمایا:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ﴾
 (النساء: ۱۰۵)

اے نبی، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے، تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔“

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴾ (النساء: ۱۷۴)

”لوگو، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن (قرآن) آگئی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف راستہ دکھانے والی ہے۔“

سورہ المائدہ میں فرمایا:

﴿ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ﴾ (المائدہ: ۱۵-۱۶)

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی واضح کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی

طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔“

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّبًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ: ۴۸)

”اے نبی، ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی اور کتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ اور نگہبان ہے، لہذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔“

سورہ الانعام میں فرمایا:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (الانعام: ۹۲)

”یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ بڑی خیر و برکت والی ہے۔ اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی اور اس لیے نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم بستیوں کے اس مرکز (مکہ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو متنبہ کرو۔“

اور اسی سورہ کی آیت ۱۵۵ میں فرمایا:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(الانعام: ۱۵۵)

”اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، ایک برکت والی کتاب۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

سورہ ص میں فرمایا:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (ص: ۲۹)

”یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق حاصل کریں۔“

سورہ خم السجدہ میں فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝﴾ (خم السجدہ: ۴۱-۴۲)

”حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔“

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔“ (صحیح بخاری: ۵۰۲۷)

آج ہماری جہالت اور قرآن سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ ہم قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کو جاہل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ ابھی چند دن پہلے ہمارے وزیر اطلاعات نے اطلاع دی ہے کہ دینی مدارس (جن میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے) جہالت کی فیکٹریاں ہیں۔ ہمارے حکمران اگر اس سوچ کے مالک ہوں تو پھر ہم کیوں نہ ذلیل و خوار ہوں؟ اس میں کونسی اچنبھے کی بات ہے؟ ہاں اگر اس کے برعکس ہو تو واقعی حیرانی کی بات ہے!

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کسی شخص پر حسد (ریشک) کرنا جائز نہیں سوائے دو آدمیوں کے۔ ایک وہ شخص

جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن (کا علم) دیا ہو اور وہ دن رات اس کی تلاوت

کرتا ہو، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات

اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہو۔“ (صحیح بخاری: ۷۱۴۱-صحیح مسلم: ۸۱۵)

حسد یہ ہے کہ انسان یہ خواہش کرے کہ دوسرے کو جو نعمت ملی ہے وہ ضائع ہو جائے

اور ریشک یہ ہے کہ انسان یہ خواہش کرے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہے وہ مجھے بھی مل جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس طرح پانی لگنے سے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اسے صاف کیسے کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کثرت سے موت کو یاد کرنے اور کثرت سے تلاوتِ قرآن کرنے سے۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۱۸۵۔ عبداللہ بن عبدالعزیز الواراد راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۶۰۹۶)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے اللہ کی کتاب سے ایک حرف کی تلاوت کی اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔“ (ترمذی، دارمی)

گویا صرف الم کی تلاوت سے تیس نیکیاں ملیں گی۔ اور پورا قرآن تلاوت کرنے سے بیس لاکھ چھتیس ہزار سات سو دس (32,36,710) نیکیاں ملیں گی کیونکہ قرآن میں تین لاکھ تیس ہزار چھ سو اکتھتر (3,23,671) حروف ہیں۔ قرآن میں الفاظ کی تعداد ستر ہزار نو سو چونتیس (70934) اور آیات کی تعداد چھ ہزار دو صد چونتیس (6,234) ہے۔“

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے قرآن حفظ کیا اور اس پر عمل کیا، قیامت کے روز اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی دنیا میں سورج کی روشنی سے بہتر ہوگی۔ پھر اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا ہو؟“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۱۴۵۳۔ مسند احمد: ۱۵۶۴۵۰ زبان بن فائد راوی ضعیف ہے۔ تنبیہ:

مستدرک حاکم: ۲۰۸۶ کی ایک روایت اسی معنی کی حسن درجے کی موجود ہے۔) مصر کے مشہور و معروف قاری عبدالباسط عبدالصمد کی زبانی روایت ہے کہ ایک دفعہ مصر

کے صدر روس کے دورے پر گئے۔ وہاں روسیوں نے مصری صدر سے کہا کہ چھوڑو اسلام کو، ہمارے ساتھ مل جاؤ، تم ترقی یافتہ قوموں میں شامل ہو جاؤ گے۔ دوسری دفعہ جب صدر روس کے دورے پر گئے تو مجھے ساتھ لے گئے۔ میٹنگ کے بعد صدر نے کہا، یہ میرے دوست ہیں، یہ آپ کے سامنے کچھ پڑھیں گے۔

چنانچہ صدر کے کہنے پر میں نے سورہ طہ کی تلاوت شروع کر دی۔ میں نے دو رکوع تلاوت کئے۔ (انہی دو رکوعوں میں یہ آیت بھی شامل ہے:

﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طہ: ۱۴)

”میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔“

یہی آیات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایمان لائے تھے۔

جب دو رکوع پڑھنے کے بعد میں نے سر اٹھایا تو یہ معجزہ دیکھا کہ ان دہریوں میں سے چار افراد آنسوؤں سے رو رہے تھے۔ سب حیران ہو گئے، ہمارے صدر نے پوچھا، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے ہمیں یہ تو پتہ نہیں کہ اس نے کیا پڑھا۔ لیکن اس کے پڑھنے میں ایسی تاثیر تھی کہ ہمارے دل موم ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (ماخوذ از دوائے دل مصنفہ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی۔) پیر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے خود قاری عبد الباسط صاحب کی زبانی سنا۔

لیلة القدر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مہینہ تم پر آچکا ہے۔ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو اس سے محروم رہ گیا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے سوائے بد بخت کے کوئی محروم نہیں رہتا۔“ (سندہ ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۱۶۴۴۔ قتادہ مدلس عنعنہ سے روایت کر رہا ہے، نیز اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔ تاہم اس کے معنی صحیح ہیں۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے

ایمان اور احتساب کے ساتھ لیلة القدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے۔“
(صحیح بخاری: ۱۹۰۱۔ صحیح مسلم: ۷۶۰)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شب قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہے۔ جو شخص اجر کی طلب میں ان راتوں میں عبادت کے لیے کھڑا رہا، اللہ اس کے پچھلے گناہ معاف فرمادے گا۔“ (حسن: مسند احمد: ۲۲۷۱۳)

حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرة المنتہیٰ پر ہے، جبریل امین کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسے نہیں جن کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب پیتا ہو یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔“

شب قدر کے بارے میں چالیس مختلف اقوال ملتے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔
ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”شب قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۲۰۔ صحیح مسلم: ۱۱۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لیلة القدر رمضان کی ستائیسویں یا اثنیسویں رات ہے۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۱۰۷۳۶۔ مسند الطیالسی: ۲۶۶۸۔ سند میں عمران القطان راوی ضعیف ہے۔)

انہی سے دوسری روایت ہے کہ ”یہ رمضان کی آخری رات ہے۔“ (مسند احمد: ۲۲۷۱۳۔ عن عبادہ بن الصامت)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”لیلة القدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔“ (صحیح: صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۹۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”لیلة القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۲۱)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شب قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق رات ہے۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۲۷۱۳)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر، حضرت حذیفہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”شب قدر کو تلاش کرو جب رمضان میں نو دن باقی ہوں، یا سات دن، یا پانچ دن، یا تین دن یا آخری رات میں۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۰۳۷۶)

یہ پانچوں رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتیں ہیں۔ بیشتر احادیث کالب لباب یہی ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔ ہر طاق رات کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث مل جاتی ہے۔ سب سے زیادہ احادیث ستائیسویں رات کے متعلق ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ستائیسویں رمضان ہی شب قدر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس رات کا علم دیا گیا تھا، لیکن پھر بھلا دیا گیا۔ (صحیح بخاری: ۲۰۲۳)

اس رات کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ آخری عشرہ میں زیاد سے زیادہ عبادت کر کے آگ سے رہائی حاصل کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں۔ اسی لیے اعتکاف کی عبادت بھی اسی عشرے کے ساتھ مختص کی گئی جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر کسی کو شب قدر مل جائے تو وہ اس میں کیا دعا مانگے۔ اس پر آپ ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی: ”اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي“ (اے اللہ! تو بڑا معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، مجھے معاف فرما دے)۔ (ضعیف: جامع ترمذی: ۳۵۱۳۔ سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۰۔ مسند احمد: ۲۵۸۹۸۔ عبد اللہ بن بریدہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔)

درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے معافی کا پروانہ مل جانا ہی سب سے بڑی عطا ہے۔ یہ ہمارے گناہ ہی ہیں جو اللہ کی رحمت کے راستے میں حائل ہوتے ہیں۔ جس کو معافی مل

گئی اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت مل گئی اور جسے اللہ تعالیٰ کی رحمت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے شبِ قدر کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خصوصی دعا سکھائی۔

شبِ قدر..... پندرہ شعبان یا رمضان کی رات

درج بالا احادیث سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ شبِ قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے کیونکہ بعض روایات میں اس رات کے متعلق یہ بات منقول ہوئی ہے کہ اس میں قسمتوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ متقدمین میں سے حضرت عکرمہؓ اور بعض دوسرے مفسرین اس رائے کے حامل ہیں لیکن متقدمین کی اکثریت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رمضان کی وہی رات ہے جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔

علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ سورہ الدخان کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لیلۃ مبارکہ جس میں قرآن شریف نازل ہوا وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے، لیکن اس قول کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے کہ نص قرآن میں قرآن کا رمضان میں نازل ہونا ثابت ہے اور جس حدیث میں مروی ہے کہ شعبان میں اگلے شعبان تک کے تمام کام مقرر کر دئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ نکاح کا اور اولاد کا اور میت کا ہونا بھی، وہ مرسل ہے اور ایسی حدیثوں سے نص قرآنی کا معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۷/ ۲۳۶)

مولانا عبدالحق حقانوی دہلوی سورہ الدخان کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یہ مبارک رات میں اترتا ہے..... اس رات میں ہر حکمت کی بات بیان اور ظاہر کی جاتی ہے۔ یعنی جو حوادث دنیا میں ظاہر ہونے والے ہیں (جیسا کہ کسی کا مرنا، کسی کا امیر ہونا، کسی کا فقیر ہونا، بیمار و تندرست ہونا، قحط و ارزانی کا ہونا، سلطنت و حکومت کا تبدیل و تغیر وغیرہ) ان کو بارگاہِ قدس سے ملائکہ مدبرانِ عالم پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ گولوح محفوظ میں روزِ اول لکھے گئے تھے مگر اس رات میں انتظامِ عالم کے لیے ایک سال کے حوادث ان کے مدبر اور کارکن ملائکہ پر ظاہر کیے جاتے ہیں تاکہ اس کی تعمیل کریں۔“..... اسی ضمن میں آگے چل کر لکھتے ہیں: ”عکرمہ اور ایک

جماعت کہتی ہے کہ لیلہ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے جس کو شبِ برات بھی کہتے ہیں۔ امام نووی شرح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں یہ قول غلط ہے۔ (تفسیر حقانی)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی سورہ الدخان میں مذکور لیلہ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”برکت (خیر کثیر) رات میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اسی رات میں وہ قرآن نازل ہوا جو تمام دینی اور دنیوی منافع کا ضامن ہے۔ اسی رات میں ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مبارک رات سے مراد ہے شبِ قدر۔ قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ دونوں بزرگوں کا بیان ہے کہ شبِ قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا.....

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نصف شعبان کی رات مراد ہے مگر یہ خیال غلط ہے۔ اللہ نے خود فرمایا ہے

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

اور دوسری آیت میں آیا ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شبِ قدر رمضان میں ہے۔

قاسم بن محمد نے بوساطت اب عن جد بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نصف شعبان کی رات کو اللہ آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور ہر شخص کو بخش دیتا ہے سوا اس شخص کے جس کے دل میں کینہ ہو یا وہ مشرک ہو۔ (رواہ البغوی) اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن کا نزول نصف شعبان کی رات میں ہوا.....

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ شبِ قدر میں آئندہ سال میں ہونے والے تمام واقعات لوح محفوظ سے نقل کر لیے جاتے ہیں۔ خیر و شر، رزق اور میعادِ زندگی یعنی موت۔ یہاں تک کہ یہ بھی لکھ لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس سال حج کرے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۳۰)

حسن، مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ ماہِ رمضان کے اندر شبِ قدر میں ہر (ایک کی) موت، عمل، پیدائش، رزق اور آئندہ سال کے اندر ہونے والے واقعات کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا



ہے۔“ (تفسیر مظہری)

مولانا امین احسن اصلاحی سورہ الدخان کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یہ اسی شبِ مبارک کی تفسیر ہے کہ اس میں تمام مہنی برحمت امور کی تقسیم ہوتی ہے۔ اس آیت کو اگر سورہ قدر کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کو زمین سے متعلق تمام امورِ کلیہ سے آگاہ فرماتا ہے اور وہ ان سے زمین میں مامور ملائکہ کو آگاہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے نقشہ کے مطابق اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔“ (تدبر القرآن)

مولانا مفتی محمد شفیع سورہ الدخان کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”لَيْلَةَ مُبَارَكَةٍ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شبِ قدر ہے جو رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس رات کو مبارک فرمانا اس لیے ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیرات و برکات نازل ہوتی ہیں اور قرآنِ کریم کا شبِ قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورہ القدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلہ مبارکہ سے مراد شبِ قدر ہی ہے..... حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بروایت واثلہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحیفِ ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، زبور بارہویں میں، انجیل اٹھارہویں میں، اور قرآن چوبیسویں تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا۔ (ضعیف: مسند احمد: ۱۶۹۸۴۔ عمران القطان راوی ضعیف ہے۔) بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد شبِ براءت یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے۔ مگر اس رات میں نزولِ قرآن، دوسری تمام نصوصِ قرآن اور روایاتِ حدیث کے خلاف ہے۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

اور

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱)

جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے بغیر کسی قوی دلیل کے نہیں کہا جاسکتا کہ نزولِ قرآن

شبِ براءت میں ہوا.....

شبِ براءت کے متعلق جو یہ مضمون بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور ایسی روایت نصوصِ صریحہ کے مقابلہ میں قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قاضی ابو بکر ابن عربی نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت و حیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کی فضیلت میں بھی کوئی قابلِ اعتماد حدیث نہیں آئی۔“ (معارف القرآن)

مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی سورہ الدخان میں مذکور لیلہ مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جس شب میں قرآن اتارا گیا ہے اس شب کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ کائنات کے جتنے اہم امور ہیں، بالخصوص جن کا تعلق انسانی بھلائی سے ہے ان کے حکیمانہ فیصلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی رات میں کیے جاتے ہیں اور سورہ القدر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسی رات میں وہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کیے جاتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق وقت مقرر پر ان فیصلوں کو رو بہ عمل لائیں اور ان کی تنفیذ کریں۔“ (تفسیر روح القرآن)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ الدخان میں مذکور لیلہ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے شاہی نظم و نسق میں یہ ایک ایسی رات ہے جس میں وہ افراد اور قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کے فیصلے کر کے اپنے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر وہ انہی فیصلوں کے مطابق عمل درآمد کرتے رہتے ہیں۔“

بعض مفسرین کو جن میں حضرت عکرمہؓ سب سے نمایاں ہیں، یہ شبہ لاحق ہوا ہے کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے کیونکہ بعض احادیث میں اسی رات کے متعلق یہ بات منقول ہوئی ہے کہ اس میں قسمتوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابن زید، ابو مالک، ضحاک اور دوسرے بہت سے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رمضان کی وہی رات ہے جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے،

اس لیے کہ قرآن مجید خود اس کی تصریح کر رہا ہے، اور جہاں قرآن کی صراحت موجود ہو وہاں اخبارِ احاد کی بنیاد پر کوئی دوسری رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ”عثمان بن محمد کی جو روایت امام زہری نے شعبان سے شعبان تک قسمتوں کے فیصلے ہونے کے متعلق نقل کی ہے وہ ایک مرسل روایت ہے۔ (مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو۔ یہ ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے) اور ایسی روایات نصوص کے مقابلے میں نہیں لائی جاسکتیں۔“ قاضی ابو بکر ابن العربی کہتے ہیں کہ ”نصف شعبان کی رات کے متعلق کوئی حدیث قابلِ اعتماد نہیں ہے، نہ اس کی فضیلت کے بارے میں اور نہ اس امر میں کہ اُس رات قسمتوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔ احکام القرآن“ (تفہیم القرآن)

یہ تو ان لوگوں کی رائے اور تبصرہ تھا جن کا تفسیر میں بڑا نام ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں قرآن اس سلسلہ میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔ پوری سورہ القدر اور سورہ الدخان کی ابتدائی چار آیات میں اس رات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ القدر:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ۚ سَلَامٌ شَاهِي حَتَّىٰ مَطَلَعِ الْفَجْرِ ۗ﴾ (القدر: ۱-۵)

”ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر رات ہے۔ فرشتے اور رُوح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔“

ان آیات سے یہ بات تو طے ہو گئی کہ قرآن مجید شبِ قدر میں نازل ہوا جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے، جس میں جبریل امین دوسرے فرشتوں کے ساتھ ہر قسم کے احکام لے کر آتے ہیں اور یہ ساری رات سلامتی کی رات ہے۔ اب سورہ الدخان کی ابتدائی آیات ملاحظہ کیجئے:

﴿حَمَّ ۝ وَالْكِتَابِ الْبَيِّنِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبْرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝﴾

﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۝﴾ (الدخان: ۱-۴)

”ح-م-قسم ہے اس کتابِ مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے، کیونکہ ہم لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ وہ رات ہے جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کتاب (قرآن) کو ایک ایسی رات میں نازل کیا گیا جو بڑی مبارک ہے اور اس رات میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حکیمانہ فیصلے صادر فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ فیصلے افراد، قوموں اور ملکوں کے بارے میں ہوتے ہیں۔

سورہ القدر میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت جبریل اور دوسرے فرشتے اللہ کے اذن سے احکام لے کر اترتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فیصلے فرشتوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ سال بھر انہی فیصلوں کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔ گویا اس رات کو اگلے سال کا میزانیہ (بجٹ) پاس ہوتا ہے۔

قرآن کی ان آیات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ لیلۃ مبارکہ جس کا ذکر سورہ الدخان میں ہوا ہے اور لیلۃ القدر یا شبِ قدر جس کا ذکر سورہ القدر میں ہوا ہے ایک ہی رات ہے اور اسی رات میں قسمتوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہی رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، یہی فضیلتوں اور برکتوں والی رات ہے اور اس کی فضیلتوں اور برکتوں کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ اب اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید رمضان میں نازل ہوا جیسا کہ سورہ البقرہ کی آیت ایک سو پچاسی (۱۸۵) سے واضح ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ

وَالْفُرْقَانِ ۝﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر

ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور

حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔“
 جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ قسمتوں کے فیصلے پندرہ شعبان کی رات کو ہوتے ہیں
 انہیں اپنے نظریے پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ یہ نظریہ قرآن کی صریح نص سے متعارض
 ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اعتکاف

اعتکاف کا مادہ عَكَفَ ہے، جس کے معنی ہیں وابستہ ہونا، چمٹ جانا، وقف کر دینا، تنہائی
 اختیار کرنا، لوگوں سے الگ تھلگ رہنا۔ اعتکاف ایک ایسی ہی عبادت ہے جس میں یہ
 سارے مفہوم شامل ہیں۔ اعتکاف کے دوران بندہ مخلوق سے الگ ہو کر خالق کے ساتھ
 وابستہ ہو جاتا ہے، لوگوں سے کٹ کر اللہ سے چمٹ جاتا ہے، مسجد کے ایک کونے میں گوشہ
 نشین ہو کر اللہ کو یاد کرتا ہے، چوبیس گھنٹے مسجد میں گزارتا ہے۔

اعتکاف کے دوران دنیا سے اس کا اتنا ہی تعلق رہتا ہے جتنا جسم و جان کے رشتے کو قائم
 رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس دوران وہ گھر سے اور بیوی بچوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔
 کھانے پینے یا رفع حاجت کے لیے اسے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت تو ہے لیکن صرف
 مجبوری کی حالت میں۔ اگر مسجد سے ملحقہ غسل خانہ اور وضو کی جگہ ہو تو ان ضروریات کے لیے
 گھر نہیں جانا چاہیے۔ اسی طرح اگر مسجد میں کھانے پینے کا انتظام ہو سکے تو ان کے لیے مسجد
 سے باہر نہیں جائے گا۔

کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر اعتکاف کے دوران مسجد سے باہر جانا جائز نہیں۔ اسی
 لیے اعتکاف کسی ایسی مسجد میں کرنا چاہیے جس میں پانچ وقت کی نماز باجماعت اور نماز جمعہ کا
 اہتمام کیا جاتا ہو، تاکہ معتکف کو نماز کے لیے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے۔

اعتکاف کے دوران کسی کی بیمار پرسی کے لیے جانا یا کسی عزیز کے جنازے میں شریک ہونا
 جائز نہیں۔ اگر کسی کی بیمار پرسی کے لیے جانا یا جنازے میں شرکت ناگزیر ہو تو اعتکاف توڑ کر جا
 سکتا ہے، بعد میں اس کی قضا کر لے۔ اس لیے شرکت نہ کرنا شرکت کرنے سے بہتر ہے۔

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سنت اعتکاف یہ ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کے لیے نہ جائے اور جنازے میں حاضر نہ ہو اور بیوی کو ہاتھ نہ لگائے اور اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے اور کسی حاجت سے نہ نکلے مگر ایسی حاجت جس کے بغیر چارہ نہ ہو (قضائے حاجت، غسل جنابت) اور نہیں ہے اعتکاف مگر روزے کے ساتھ اور نہیں ہے اعتکاف مگر ایسی مسجد میں جس میں نماز باجماعت ہو۔“ (ابوداؤد)

روزے کی طرح اعتکاف کا مقصد بھی تقویٰ کا حصول ہے۔ اس لیے اعتکاف کے دوران ایسے کاموں سے پرہیز ضروری ہے جو اللہ کی ذات سے توجہ ہٹانے کا سبب ہوں، جیسا کہ سورہ البقرہ کی اس آیت میں فرمایا:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾﴾

(البقرہ: ۱۸۷)

”اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ کی روش اختیار کریں۔“

اعتکاف کے دوران کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ سارا وقت سو کر ہی نہ گزارا جائے۔ یہ دس دن تو انسان دنیا والوں اور دنیا کے دھندوں سے الگ ہو کر اللہ کی یاد میں گزارنے کے لیے وقف کرتا ہے، اس لیے اس کا زیادہ تر وقت اللہ کے ذکر، قرآن مجید کی تلاوت، اس کو سمجھنے اور نوافل میں گزرنا چاہیے۔ سونے اور دیگر ضروریات میں اتنا ہی وقت صرف کیا جائے جو ناگزیر ہو۔

اعتکاف اللہ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جب بندہ دس دن مسلسل اللہ

کی یاد اور اس کے ذکر و فکر میں گزارے گا تو ان شاء اللہ اس کے اثرات بھی اس کی ذات پر ہوں گے۔ اعتکاف اور روزہ مل کر ان شاء اللہ اس کے اندر تقویٰ کی وہ صفت پیدا کریں گے جو روزے کا مقصد ہے، اللہ کو مطلوب ہے اور اللہ کی کتاب سے فائدہ اٹھانے کے لیے ناگزیر ہے۔

اعتکاف، سنت کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی بستی یا محلے کے چند لوگ اعتکاف کر لیں تو پوری بستی یا محلے کے لیے کافی ہے۔ بستی یا محلے کے لوگ ترک سنت کے الزام سے بچ جائیں گے۔ اگر پوری بستی یا محلے میں سے کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو اس بستی یا محلے کے تمام لوگ ترک سنت کے مرتکب ہوں گے۔

اعتکاف کرنے والے کے لیے ضروری کہ وہ بیس رمضان کو مغرب سے پہلے اعتکاف کی جگہ پر پہنچ جائے اور عید کا چاند نظر آنے تک وہیں قیام کرے۔

اللہ کے رسول ﷺ ہر سال رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں گزارتے تھے۔ ایک سال آپ ﷺ اعتکاف نہ کر سکے تو اگلے سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”نبی کریم ﷺ اپنی وفات تک ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۲۶۔ صحیح مسلم: ۱۱۷۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

”نبی ﷺ رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں گزارتے تھے۔ ایک سال ﷺ آپ نے اعتکاف نہیں کیا پھر جب اگلا رمضان آیا تو آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۸۰۳۔ سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۰)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں (نیکی کے راستے میں) جتنی

تگ و دو کرتے تھے دوسرے دنوں میں اتنی نہیں کرتے تھے۔“

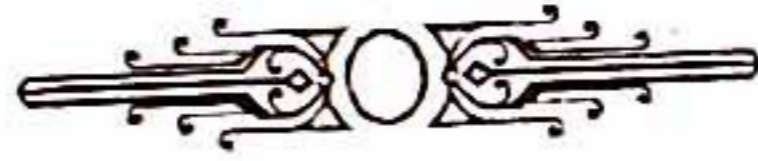
(صحیح مسلم: ۱۱۷۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی ﷺ اپنا تہبند مضبوط باندھتے

(عبادت کے لیے کمر کس لیتے) اور راتوں میں خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی

جاگاتے۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۲۴)



حج

حج کے لغوی معنی ہیں قصد کرنا، ارادہ کرنا اور اس کے شرعی یا اصطلاحی معنی ہیں حج کے مہینوں میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے جانا اور وہاں جا کر حج کے مخصوص دنوں میں کچھ مراسمِ عبودیت ادا کرنا۔ حج کے مہینے شوال، ذوالقعد، ذوالحجہ ہیں اور حج کے ایام آٹھ (۸) ذوالحجہ سے لیکر تیرہ (۱۳) ذوالحجہ تک ہیں۔ حج کے مہینوں میں انسان کسی وقت بھی حج کے لیے جاسکتا ہے لیکن آٹھ (۸) ذوالحجہ تک لازماً مکہ پہنچ جانا چاہیے۔ اور ماہِ شوال سے پہلے بھی حج کے لیے احرام نہیں باندھا جاسکتا۔ حج کی رسم تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے لیکن امتِ مسلمہ پر حج نو (۹) ہجری میں فرض کیا گیا۔ جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہ کرے اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ کو کوئی غرض نہیں کہ وہ یہودی مرے یا نصرانی یعنی اس کا حشر یہود و نصاریٰ جیسا ہوگا۔

عبادات کا مجموعہ

حج اسلام کا پانچواں رکن اور بہت بڑی عبادت بلکہ عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسلام میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ ایک بدنی اور دوسری مالی۔ حج میں یہ دونوں عبادتیں شامل ہیں۔ اس میں مالی اخراجات بھی اچھے خاصے ہیں اور مشقت بھی بہت ہے جو ایک تندرست اور توانا انسان ہی برداشت کر سکتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ حج جوانی ہی میں کر لیا جائے اور بوڑھے ہونے کا انتظار نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارے ملک اور بڑے صغیر کے دوسرے ملکوں میں رواج ہے۔ ویسے بھی زندگی کا کیا بھروسا کہ کب بلاوا آجائے؟ لہذا فرض ہوتے ہی حج کر لینا چاہیے۔

بیت اللہ

خانہ کعبہ پہلا گھر ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے زمین پر بنایا گیا۔ ملاحظہ ہوں سورہ
ال عمران کی یہ آیات:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٦﴾
فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ
حَكِيمٌ ﴿٥٧﴾ الْحَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ
الْعَالَمِينَ ﴿٥٨﴾﴾ (ال عمران: ۹۶-۹۷)

”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے
جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے
مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے اور
اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو امانوں ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے
کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس
حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں
سے بے نیاز ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کو مکہ بہت پسند تھا۔ آپ ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو مکہ سے
نکلنے وقت فرمایا: ”اے مکہ، اللہ کی قسم! تو اللہ کے نزدیک بہترین شہر ہے، تیری زمین اللہ کو
تمام روئے زمین سے زیادہ پیاری ہے۔ اگر میں یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو کبھی
یہاں سے نہ نکلتا۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۳۹۲۵)

بیت اللہ کی برکات

ان آیات میں چند باتیں بڑی معنی خیز اور توجہ طلب ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ اس گھر کو خیر و
برکت دی گئی۔ غور کیجئے کہ مکہ کی وادی ہمیشہ کی طرح اب بھی بے آب و گیاہ ہے، وہاں کچھ
بھی پیدا نہیں ہوتا لیکن ضروریاتِ زندگی کی وہاں کبھی کمی نہیں رہی۔ بیت اللہ ہمیشہ سے مرجع



خلاق رہا ہے، روزانہ لاکھوں زائرین بیت اللہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں، کبھی کسی کو کھانے پینے یا رہائش کے معاملہ میں کسی تنگی کا سامنا نہیں ہوا۔ کیا یہ برکت نہیں کہ مکہ جو کبھی ایک چھوٹی سی بستی تھا ہمیشہ سے ہزاروں، لاکھوں زائرین کا متحمل رہا ہے اور کبھی کسی کو کسی چیز کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی۔

زائرین مکہ میں قیام کے دوران بے تحاشا پانی استعمال کرتے ہیں اور پانی کے استعمال میں بہت اسراف کرتے ہیں اور جب گھروں کو لوٹتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ پانی ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ سارا پانی ایک ہی چشمے سے آتا ہے، پورے مکہ میں یہ پانی استعمال ہوتا ہے بلکہ مسجد نبوی میں بھی پینے کے لیے یہی پانی استعمال ہوتا ہے۔ ہزاروں سال سے یہ چشمہ بہ رہا ہے اور ہزاروں سال سے ساری دنیا کے لوگ اس سے مستفیض ہو رہے ہیں لیکن ابھی تک اس میں کمی نہیں آئی۔ کیا یہ برکت نہیں ہے؟ کیا اس سے بڑی برکت کوئی ہو سکتی ہے؟

اس گھر کی یہ برکت کیا کم ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا اسے امن مل گیا؟ اس میں جسمانی اور روحانی دونوں طرح کا امن شامل ہے۔ جسمانی امن تو یہ ہے کہ حرم کے اندر کسی قاتل پر بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ جب تک کوئی شخص حرم کے اندر ہے وہ قانون کی دسترس سے باہر ہے۔ لیکن جسمانی سے زیادہ روحانی امن و سکون ہے جو اس گھر کی خصوصیت ہے۔ جو بھی اس گھر میں داخل ہوتا ہے ہر قسم کے غم اور تفکرات سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ اس گھر کے اندر رہے گا ہر پریشانی سے دور رہے گا۔ یہ ہر اس شخص کا ذاتی تجربہ ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے اور اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

اس گھر کو دشمنوں سے امن دیا گیا اور اس کی وجہ سے اہل مکہ کو بھی دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ورنہ ابرہہ کے لشکر کا مقابلہ اہل مکہ کے بس کی بات نہ تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پرندوں سے اس کے لشکر کو تباہ کروا کر اسے نشانِ عبرت بنا دیا اور اپنے گھر اور اہل مکہ کو محفوظ رکھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی پکار

یہ گھر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو چکے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اس گھر کی زیارت کے لیے آنے کا اعلان عام کریں۔ دیکھئے سورہ الحج کی یہ آیت:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾﴾ (الحج: ۲۷)

”اور لوگوں کو حج کے لیے پکارو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔“

اس حکم کی تعمیل کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ابوقبیس پر چڑھ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پکارا: اے لوگو! تمہارے رب نے اپنی عبادت کے لیے ایک گھر بنوایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کر دیا ہے۔ یہ اعلان آپ نے مشرق، مغرب، شمال اور جنوب ہر طرف منہ کر کے کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت حیران تھے کہ ان سنگلاخ چٹانوں میں کون ان کی آواز سنے گا۔ مگر آج دیکھئے، ان کی آواز کہاں نہیں پہنچی؟ آج دنیا کے کونے کونے سے لوگ کشاں کشاں اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں، حالانکہ مکہ نہ تو کوئی پکنک سپاٹ ہے، نہ وہاں سبزہ ہے، نہ وہاں نہریں بہتی ہیں، نہ وہاں کوئی آبشار ہے، نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو لوگوں کے لیے دلچسپی اور کشش کا باعث ہو۔ پھر بھی ہجوم ہے کہ کبھی کم نہیں ہوتا۔ اگر بیت اللہ کوچ میں سے نکال دیا جائے تو وہاں کون جائے؟ کیا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی نہیں ہے؟

ابراہیم علیہ السلام کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا بھی قابل توجہ ہے جو سورہ ابراہیم میں درج کی گئی ہے اور جس کا بیت اللہ اور اس کی آبادی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ملاحظہ ہو:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ



مِّنَ الشَّرِكِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٤﴾ (ابراہیم: ۳۷)

”پروردگار، میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہذا تو لوگوں کے دلوں کو انکا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔“

ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ اہل مکہ کو کبھی خوراک کی کمی نہیں ہوئی اور جواری حرم کے باسی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے دورِ جاہلیت میں بھی لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ اسی عزت و تکریم کی وجہ سے دورِ جاہلیت میں مختلف قبائل، قریش کو محفوظ راہداری مہیا کرتے تھے۔ جس سے ان کی تجارت بہت پھلی پھولی اور ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی رہی۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھا کہ قریش کو عزت ملی اور دولت بھی۔

مقامِ ابراہیم

اس میں مقامِ ابراہیم ہے جو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں تعمیر کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ دیوار کی بلندی کے ساتھ ساتھ یہ پتھر خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور نیچے اترتے وقت نیچا ہو جاتا تھا۔ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نیچے پگھل گیا اور آپ کے دونوں قدموں کے نشانات اس پتھر پر ثبت ہو گئے جو آج بھی موجود ہیں۔

پہلے یہ پتھر بیت اللہ کے دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ تھا، بعد میں اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں موجودہ جگہ پر رکھ دیا گیا۔ سعودی حکومت نے اسے شیشے کے ایک خول کے اندر رکھ دیا ہے تاکہ موسمی اور انسانی دست برد سے محفوظ رہے۔ گزشتہ صدیوں میں چونکہ یہ پتھر باہر رہا، لوگ برکت کے حصول کے لیے اس میں پانی ڈال کر پیتے، اس پر ہاتھ پھیرتے اور اسے چومتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدموں کے یہ نشانات کافی

گہرے ہو گئے ہیں۔ ایک پتھر کا ضرورت کے مطابق بلند و پست ہونا اور موم کی طرح نرم ہو کر قدموں کا مکمل نقشہ اپنے اندر لے لینا، یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلی عبادت گاہ

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿١١﴾﴾

(ال عمران: ۹۶)

”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔“

سورہ ال عمران کی یہ آیت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کے لیے سب سے پہلے جو گھر بنا وہ مکہ میں تھا۔ اس آیت میں مکہ کو بکہ اس لیے کہا گیا ہے کہ قدیم صحیفوں میں مکہ کا نام بکہ ہی آیا ہے۔ بابلی زبان میں شہر یا آبادی کو بک یا بکہ کہتے تھے، جیسے بعلبک (بعل کا شہر۔ بعل اہل بابل کا سب سے بڑا دیوتا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بابل سے آئے تھے اس لیے انہوں نے اس نئی آبادی کا نام بکہ رکھ دیا۔ لہذا مکہ میں واقع بیت اللہ ہی دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ ہے، اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑی برکتیں رکھ دی ہیں اور یہ دنیا کے لیے باعث ہدایت ہے۔

بیت اللہ کی تاریخ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ذریعے انہیں حکم دیا کہ وہ بیت اللہ (خانہ کعبہ) تعمیر کریں۔ انہوں نے تعمیل کر لی تو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے (عبادت گاہ) بنایا گیا۔“ (ضعیف: دلائل النبوة للبیہقی: ۲ / ۳۵۔ ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔

تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۱۰۶)

بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”مسجد حرام۔“

انہوں نے عرض کیا:

اس کے بعد کونسی مسجد ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسجد بیت المقدس۔“

انہوں نے پھر عرض کیا کہ ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان دونوں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہے۔“

(صحیح مسلم: ۵۲۰)

بیت المقدس کی ابتدائی تعمیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی کی تھی، بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں گھر پہلی مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہی تعمیر کیے تھے۔ پہلے بیت اللہ اور اس کے بعد بیت المقدس۔ طوفان نوح میں یہ دونوں تباہ ہو گئے اور دونوں کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھی۔ طوفان نوح کے دوران منہدم ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہوں

سورہ البقرہ کی یہ آیات:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۵﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَارِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۶﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۷﴾﴾ (البقرہ: ۱۲۷-۱۲۹)

”اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے۔ اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمائے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔“

ان آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی دیواروں کو انہی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا جو پہلے سے موجود تھیں۔ ساتھ ہی انہوں نے امت مسلمہ اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے لیے بھی دعا فرمائی اور ان کی یہ دونوں دعائیں مقبول بارگاہ ایزدی ہوئیں۔

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۶﴾﴾ (الحج: ۲۶)

”اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔“ سورہ الحج کی اس آیت میں بھی یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں جن کی نشاندہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر خانہ کعبہ کی عمارت تعمیر کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تعمیر کسی حادثہ کے نتیجے میں منہدم ہوئی تو قبیلہ بنو جرہم کی ایک جماعت نے اسے تعمیر کیا۔ اس کے بعد پھر منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے لیکر عمالقہ کی تعمیر تک بیت اللہ پر چھت نہیں تھی۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد چوتھی مرتبہ خانہ کعبہ کی تعمیر قصی بن کلاب قریشی نے کی۔ انہوں نے بیت اللہ پر لکڑی کی چھت بھی ڈلوائی اور اس گھر کی زیارت کے لیے آنے والوں کے لیے سقایہ (پانی پلانے) اور رفادہ (کھانا کھلانے) کے محکمے قائم کئے۔

اس کے بعد نبی ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے جب آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس (۳۵) برس تھی، یہ عمارت آگ لگنے کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر تباہ ہو گئی تو قریش نے اس کی تعمیر کی۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر پر کسی قسم کی ناجائز کمائی خرچ نہیں کی جائے گی، صرف وہ مال خرچ کیا جائے گا جو ہر شک و شبہ سے پاک ہوگا۔ جب حلال ذرائع سے کمائے ہوئے فنڈز کم پڑ گئے تو فنڈز کی کمی کی وجہ سے بنائے ابراہیمی میں سے حطیم والا حصہ چھوڑ کر باقی حصہ پر عمارت تعمیر کر دی گئی۔

قریش کی تعمیر کے دوران جب حجرِ اسود نصب کرنے کے سلسلہ میں قبائل میں جھگڑا کھڑا ہوا تو نبی ﷺ کو حکم مقرر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھا کر اس پر حجرِ اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھا اور قریش کے مختلف قبائل کے سرداروں سے کہا کہ چادر کے کنارے پکڑ کر اسے بیت اللہ کے قریب لائیں۔ پھر آپ ﷺ نے حجرِ اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے کونے میں نصب کر دیا۔

تمام قبائل خوش ہو گئے کہ وہ اس اعزاز میں شامل رہے۔ یوں آپ ﷺ کی خداداد ذہانت اور حکمت کی وجہ سے خانہ جنگی کا خطرہ بھی ٹل گیا اور اعزاز اسی کے حصہ میں آیا جو فی الواقع اس کا مستحق تھا۔

حجرِ اسود کے بارے میں کئی ایک روایات ہیں جن میں سب سے معروف روایت یہ ہے کہ یہ جنت کا ایک پتھر ہے جسے آدم علیہ السلام جنت سے نکلتے وقت بطور نشانی اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ ایک سفید پتھر تھا جو مرورِ زمانہ کے ساتھ سیاہ ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کے چھونے اور چومنے کی وجہ اس کے گناہوں کے اثرات سے سیاہ ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(صحیح: جامع ترمذی: ۸۷۷)

پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں اپنی حکومت کے دوران رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق بنائے ابراہیمی پر کعبہ کی تعمیر کی۔ انہوں نے حطیم والا حصہ عمارت میں شامل کر لیا۔ پھر مکہ میں ان کی حکومت ختم کرنے کے بعد حجاج بن یوسف نے قریش کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حطیم والا حصہ پھر عمارت کے باہر چھوڑ دیا، جو آج تک قائم ہے۔ گو حجاج بن یوسف نے یہ کام تعصب کی بنیاد پر کیا لیکن علمۃ الناس کے حق میں یہ بہتر ثابت ہوا۔

اموی دور کے بعد جب بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ کو بنائے ابراہیمی کے مطابق تعمیر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، جس پر امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ ایسا نہ کیا جائے، ورنہ بیت اللہ بادشاہوں کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا۔ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت (جو بھی آیا اس نے نئی عمارت تعمیر کی) والا معاملہ ہوگا۔ کوئی نظریاتی اور کوئی ذوقی اختلاف کی وجہ سے اس کی تعمیر نو کی کوشش کرے گا۔ بات خلیفہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ اس خواہش کی تکمیل سے رک گیا اور اس کے ساتھ ہی بیت اللہ میں اکھاڑ پچھاڑ کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے رک گیا۔

حطیم کو کعبہ کی عمارت سے باہر رکھنے کی حکمت

بیت اللہ کو بنائے ابراہیمی پر تعمیر نہ کرنے اور حطیم والا حصہ خانہ کعبہ کی عمارت کے باہر چھوڑ دینے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ اگر یہ حصہ بھی عمارت کے اندر آجاتا تو عام آدمی بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے سے کلیتاً محروم رہ جاتا کیونکہ کعبہ شریف کی عمارت کے اندر جانے کی اجازت تو صرف خواص ہی کو ملتی ہے۔ حطیم والا حصہ باہر ہونے کی وجہ سے اب ہر شخص کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کا اعزاز حاصل کر سکتا ہے۔

بیت اللہ کا غلاف

بیت اللہ پر غلاف چڑھانے کا سلسلہ بھی بہت پرانا ہے۔ سب سے پہلے خاندان حمیر کے ایک بادشاہ اسعد ابو کرب حمیری نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح

مکہ کے بعد یعنی چادر کا غلاف چڑھایا۔ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف مسلم حکمران اپنی طرف سے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے رہے ہیں اور اس کام کو بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ جب سے سعودی عرب میں تیل کی فراوانی کی وجہ سے دولت کی ریل پیل ہوئی ہے یہ اعزاز سعودی حکومت نے اپنے لیے مختص کر لیا ہے۔

حج کی اہمیت

﴿وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (ال عمران: 97)

”لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“

سورہ آل عمران کی اس آیت میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کا اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے جانا ان پر فرض ہے اور یہ اللہ کا حق ہے، جو لوگ استطاعت کے باوجود نہیں جاتے وہ اللہ کی حق تلفی کے مرتکب ہیں۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تو بے نیاز ہے، اسے اس بات کی حاجت نہیں کہ کوئی اس کے گھر کی زیارت کرے۔ یہ زیارت تو لوگوں کے اپنے فائدے کے لیے فرض کی گئی ہے تاکہ وہ چند دن اللہ کے گھر کے جوار میں رہ کر ان برکتوں اور رحمتوں سے مستفیض ہو سکیں جو وہاں کی خصوصیت ہے اور یوں اپنے من کی صفائی کر سکیں۔ سورہ الحج کی ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿وَإِذْ نُن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَا تُوكِ رَجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۗ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ (الحج: 27-28)

”اور لوگوں کو حج کے لیے پکارو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں، تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے

گئے ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”نبی ﷺ سے پوچھا گیا: کون سے اعمال افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا: اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر پوچھا گیا: اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی والا حج۔“ (ایسا حج جو مسنون طریقے سے کیا جائے اور جس میں اللہ کی نافرمانی سے مکمل طور پر بچا جائے)۔“ (صحیح بخاری: ۲۶)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے۔ پھر ہم (عورتیں) بھی کیوں نہ جہاد کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن افضل جہاد، حج مبرور (نیکی والا حج) ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

”جس نے اللہ کے لیے حج کیا، اور اس کے دوران اس نے نہ کوئی فحش کام کیا، نہ اللہ کی نافرمانی کی، وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر واپس لوٹتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۲۱)

وہ گناہوں سے ایسا پاک، صاف اور معصوم ہو جاتا ہے جیسا ایک بچہ اپنی پیدائش کے وقت معصوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو عمرے ان کی درمیانی مدت میں کیے گئے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اور مقبول حج کی جزا تو جنت ہی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۳۳۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



”پے در پے حج اور عمرہ کرتے رہو۔ یہ دونوں غربت اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے کھوٹ کو مٹا دیتی ہے اور مقبول حج کا اجر تو سوائے جنت کے کچھ نہیں ہے۔“ (حج مقبول کا اجر لازماً جنت ہے) (صحیح: جامع ترمذی: ۸۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حج اور عمرے کے لیے جانے والے اللہ کے خصوصی مہمان ہیں۔ وہ اللہ سے دعا کریں تو قبول فرماتا ہے اور بخشش طلب کریں تو بخش دیتا ہے۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۲۸۹۲۔ صالح بن محمد بن صالح راوی منکر الحدیث ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تمہاری کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لیے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔“ (ضعیف جدا: مسند احمد: ۵۳۷۱۔ محمد بن عبدالرحمن البلیمانی مہتمم بالکذب راوی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۴۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے لیے گھر سے نکلا پھر راستے میں اسے موت آگئی تو اللہ نے اس کے لیے غازی اور حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھ دیا۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۳۸۰۶۔ محمد بن اسحاق مدلس عنہ، حسین بن عبدالاول مجروح ضعیف راوی ہے۔)

اللہ کے نزدیک عرفہ کا دن تمام دنوں سے بہتر ہے۔ اس دن اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا پر خصوصی طور پر متوجہ ہو کر فرشتوں کے سامنے اپنے حاجی بندوں کی عاجزی اور درماندگی کی حالت پر فخر کرتا ہے۔ فرشتوں سے فرماتا ہے: ”فرشتو! میرے بندے پریشان، دھوپ میں میرے سامنے کھڑے ہیں، یہ لوگ دُور دُور سے یہاں آئے ہیں، میری رحمت کی امید نہیں

یہاں لائی ہے، حالانکہ انہوں نے میرے عذاب کو نہیں دیکھا۔“ اس فخر کے بعد لوگوں کو جہنم کے عذاب سے آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور عرفہ کے دن میں اتنے لوگ بخشے جاتے ہیں کہ اتنے کسی دن بھی نہیں بخشے جاتے۔ (ضعیف: صحیح ابن حبان: ۳۸۵۳۔ ابوالزبیر مدلس اور عنعنہ سے بیان کر رہے ہیں، تاہم صحیح مسلم: ۱۳۴۸ میں لوگوں کی معافی اور فرشتوں کا ذکر موجود ہے۔)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے میدانِ عرفات میں قیام فرمایا، آفتاب غروب ہونے کو تھا کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کر دو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: خاموش ہو جاؤ، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو! ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے، انہوں نے مجھے اللہ کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا کہ اللہ نے تمام عرفات والوں کو بخش دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ پیغام ہم صحابہ کے لیے خاص ہے یا ساری امت کے لیے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے ہے اور ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو تمہارے بعد یہاں آئیں۔“ (الترغیب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو کسی بیماری، یا کسی حقیقی ضرورت، یا کسی ظالم و جابر حکمران نے روک نہ رکھا ہو اور پھر بھی وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے یا نصرانی۔“

(ضعیف: سنن دارمی: ۱۸۲۶۔ لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔)

یعنی جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہ کرے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے، میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں۔

حج کس پر فرض ہے

حج فرض ہونے کے لیے عاقل و بالغ ہونے کے علاوہ کچھ دوسری شرائط بھی ہیں، جن میں صاحب استطاعت ہونا، سواری کا مہیا ہونا، راستہ محفوظ ہونا، عورت کے لیے محرم کا ساتھ

ہونا شامل ہیں۔ صاحب استطاعت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جس سے اس کے سفر کے اخراجات، حج کے دوران حرمین میں قیام کے اخراجات، اور واپسی تک اسکے اہل خانہ کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ استطاعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کی صحت ایسی ہو کہ اتنے لمبے سفر کی صعوبت برداشت کر سکتا ہو۔

آج کل کی سواری تو ہوائی جہاز ہی ہے۔ سعودی عرب کے سوا دیگر ممالک کے جہاز تو ہوائی جہاز کے ذریعے ہی سفر کرتے ہیں، اس لیے سواری کا مہیا ہونے سے مراد ہوائی جہاز میں سیٹ کا ملنا ہوگا اور جس شخص کو ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملے اسے بھی معذور سمجھا جائے گا۔ راستہ محفوظ ہونے سے مراد یہ ہے کہ راستے میں ایسے ممالک نہ آتے ہوں جہاں جنگ ہو رہی ہو اور اس کی وجہ سے ہوائی راستہ غیر محفوظ ہو، یا اگر زمینی سفر ہو تو چوروں، ڈاکوؤں کا خطرہ نہ ہو۔

عورت کا اکیلے لمبا سفر کرنا منع ہے، وہ صرف محرم کے ساتھ ہی حج و عمرہ کا سفر کر سکتی ہے۔ اس لیے باقی شرائط پوری ہونے کے باوجود اگر محرم کا ساتھ میسر نہ ہو تو وہ معذور سمجھی جائے گی اور حج نہ کرنے پر معتوب نہیں ہوگی۔ محرم میں خاوند، باپ، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجا شامل ہیں۔ اگر کوئی حقیقی محرم نہ ہو تو عورت حج و عمرہ کے لیے کسی ایسے گروپ کے ساتھ بھی جاسکتی ہے جس میں اس کے بھروسے کے لوگ ہوں اور اس میں عورتوں کے ساتھ ان کے محرم مرد بھی ہوں۔

حج کیسے کیا جائے

جب کوئی شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ حج کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے سچی توبہ کرے۔ اگر کسی کی حق تلفی کی ہو تو اس کی تلافی کرے، کسی سے زیادتی کی ہو تو اس سے معافی مانگے۔ اگر والدین زندہ ہوں تو ان سے اجازت لے، اگر وہ بہت بوڑھے یا بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی مدد کے محتاج ہوں تو ان کی دیکھ بھال کا مناسب انتظام کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط کرے۔ یہ یاد رکھے کہ وہ اللہ تبارک و

تعالیٰ کا مہمان بننے جا رہا ہے، اس لیے میزبان کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار ہونے چاہئیں۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کر لے کہ وہ یہ سفر اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اختیار کر رہا ہے اور اس بات کا خصوصی خیال رکھے کہ کہیں نام و نمود یا ریاکاری کا شکار نہ ہو جائے۔

میقات

میقات پر پہنچ کر یا اس سے پہلے احرام باندھے، چاہے تو گھر سے نکلتے وقت بھی احرام باندھ سکتا ہے۔ میقات کی جمع موافقت ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں سے آگے حج یا عمرہ کرنے والا احرام باندھے بغیر نہیں جاسکتا۔

مختلف سمتوں سے آنے والوں کے لیے مختلف موافقت ہیں۔ مدینہ منورہ یا اس سمت سے آنے والوں کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفر حج کے لیے احرام باندھا تھا۔ اب تو مدینہ منورہ اتنا پھیل چکا ہے کہ یہ مقام اس کے اندر ہی آ گیا ہے۔ اہل شام اور اس طرف سے آنے والوں کے لیے میقات جحفہ ہے جو رابغ کے قریب ایک مقام ہے۔ اہل عراق اور اہل نجد یا ان اطراف سے جو لوگ آئیں ان کے لیے میقات ذات عرق یا قرن المنازل ہے جو طائف کے قریب ایک مقام ہے۔ یمن اور برصغیر ہند و پاک یا ان اطراف سے آنے والوں کے لیے میقات یلملم ہے جو جدہ کے قریب ایک مقام ہے۔

جن لوگوں کو یہ موافقت راستے میں نہ پڑتے ہوں وہ ان کے محاذی مقامات (وہ مقامات جو ایک ہی لائن پر ہوں) سے احرام باندھیں۔ یہ میقات مکانی ہیں یعنی وہ مقامات جہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے احرام کے بغیر نہیں گزر سکتے۔ اہل مکہ اور وہ لوگ جو ان موافقت کے اندر رہتے ہوں وہ اپنی رہائش گاہ سے احرام باندھ سکتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جن لوگوں کا قیام میقات اور مکہ کے درمیان ہے وہ احرام اسی جگہ سے باندھیں جہاں سے انہیں

سفر شروع کرنا ہے، یہاں تک کہ مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں۔“
(صحیح بخاری: ۱۵۲۴)

میقات مکانی کے علاوہ میقاتِ زمانی بھی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھنا درست نہیں ہے۔

احرام

احرام سے مراد، دل سے حج یا عمرہ کی نیت کرنا، حج اور عمرہ کا مخصوص لباس پہننا، دو رکعت نماز نفل پڑھ کر تلبیہ کہنا ہے۔ نیت کرنے کے لیے الفاظ کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ یہ چار کام کرنے کے بعد انسان محرم ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جو احرام باندھنے سے پہلے اس کے لیے حلال تھیں، حرام ہو جاتی ہیں۔ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا اور غسل کرنا مسنون ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر غسل فرمایا اور خوشبو بھی لگائی۔ البتہ بعد میں احرام کے دوران خوشبو کا استعمال منع ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۸۹)

مردوں کے لیے احرام کا خصوصی لباس دو چادریں ہیں۔ مرد سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، سر نہیں ڈھانک سکتا، بند جوتا نہیں پہن سکتا۔ عورت احرام کے دوران روزمرہ کا لباس اور جوتے پہن سکتی ہے۔ البتہ لباس مکمل طور پر ساطر اور سادہ ہونا چاہیے۔ احرام کے دوران عورت چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے اور اگر ڈھانکنا چاہے تو اس طرح ڈھانکے کہ کپڑا چہرے کے ساتھ مس نہ کرے۔

اس سلسلہ میں دو حدیثوں سے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ ایک تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں وہ فرماتی ہیں کہ سفر حج کے دوران جب ہمیں کسی قافلے کا سامنا ہوتا تو ہم اپنے چہرے ڈھانک لیتے تھے اور دوسرے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ جس میں حجۃ الوداع کے دوران فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا قبیلہ نخعیم کی ایک خوبصورت عورت کو دیکھنا اور نبی ﷺ کا ان کو منع کرنا منقول ہے۔

ظاہر ہے اس عورت کا چہرہ کھلا تھا اسی لیے اس کی طرف دیکھا گیا اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ عورت خوبصورت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام کے دوران چہرہ کھلا رکھنے کی



اجازت ہے ورنہ رسول اللہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھنے سے منع کرنے کے ساتھ اس عورت کو بھی چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیتے۔

احرام باندھنے کے فوراً بعد اور سفر کے دوران چڑھائی چڑھتے وقت یا اترائی اترتے وقت تلبیہ کہنا چاہیے۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

((لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ - لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ - إِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ - لَا شَرِيكَ لَكَ))

”حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں،
میں حاضر ہوں۔ تمام حمد تیرے لیے ہے اور تمام نعمتیں تیری ہی طرف سے ہیں،
ملک تیرا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۴۹)

احرام..... مساوات کا پیغام

احرام کا لباس اور تلبیہ کے الفاظ یومِ حشر کی یاد دلاتے ہیں کہ جب سب لوگ اللہ
تبارک و تعالیٰ کے دربار میں ہونگے اور نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ سب فرق مٹ جائیں
گے، نہ کوئی امیر ہوگا نہ غریب، نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ مالک نہ مملوک، نہ آقا نہ غلام۔ میدانِ
عرفات میں بھی یہ سب فرق مٹ جاتے ہیں۔ امیر غریب، بادشاہ اور رعایا، چھوٹا اور بڑا،
بوڑھا اور جوان سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔ کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔
مکمل مساوات کا منظر نظر آتا ہے۔ ایسی مساوات جو اس کے سوا کبھی کہیں نظر نہیں
آتی۔ اس لحاظ سے حج ایسی بے نظیر عبادت ہے جو ان تمام حدوں کو مٹا دیتی ہے جو انسان نے
انسانیت کو تقسیم کرنے کے لیے کھینچی ہیں۔ امیر ہو یا غریب، گورا ہو یا کالا، ہر کسی کے لبوں پر
ایک ہی پکار ہوتی ہے: ”اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔“ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کی
وحدانیت اور بادشاہی کا اقرار کر رہا ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا رہا ہوتا ہے
اور اپنے گناہوں کی معافی کا طلبگار ہوتا ہے۔

انسان جب احرام باندھ کر عازمِ حج یا عمرہ ہو تو یہ خیال اس کے دل میں جاگزیں ہونا

چاہیے کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے جا رہا ہے۔ راستہ میں اللہ کو یاد کرتا رہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی نافرمانی سے بچائے۔ مکہ پہنچ کر جب حرم کے مینار نظر آئیں تو دعا مانگے۔ مینار حرم پر پہلی نظر پڑتے وقت جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

طواف

حرم میں داخلے کے وقت جب پہلی بار خانہ کعبہ پر نگاہ پڑے تو دعا مانگے۔ پہلی بار خانہ کعبہ نظر آنے پر جو دعا مانگی جائے وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر نماز کا وقت ہو تو نماز پڑھے ورنہ حج یا عمرہ کا طواف کرے۔ حرم کے اندر بیت اللہ کا طواف بہت بڑی عبادت ہے۔ اس میں آپ تلاوت بھی کر سکتے ہیں، دعائیں بھی مانگ سکتے ہیں، اللہ کا ذکر بھی کر سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اللہ کے گھر کے گرد پروانہ وار گھوم رہے ہوتے ہیں۔

بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانے سے ایک طواف مکمل ہوتا ہے۔ طواف کا آغاز حجر اسود سے ہوتا ہے اور حجر اسود سے لیکر حجر اسود تک ایک چکر (پھیرہ، شوط) بنتا ہے۔ طواف کا آغاز حجر اسود کو چوم کر یا چھو کر کرنا چاہیے۔ اگر ہجوم (رش) کی وجہ سے حجر اسود کو چومنا یا چھونا مشکل ہو تو دور سے ہی حجر اسود کی محاذی کھنچی ہوئی لائن پر کھڑے ہو کر طواف کی نیت کریں، بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر حجر اسود کی طرف اشارہ کریں اور طواف کا آغاز کر دیں۔ حجر اسود کو چومنا اور چھونا سنت ہے، اس لیے اگر ممکن تو ہر چکر (پھیرا، شوط) کے آغاز میں اسے چومنا چاہیے، لیکن آج کل ہجوم کی وجہ سے ایسا کرنا خاصا دشوار ہے۔ حجر اسود کو چومنے کے لیے دھکم پیل کرنا جائز نہیں کیونکہ کسی مسلمان کو ایذا دینا حرام ہے۔ ایک سنت کو پورا کرنے کے لیے ایک حرام فعل کا ارتکاب کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

رسول ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”اے عمر! تم ایک طاقتور آدمی ہو، لہذا تم مزاحمت نہ کرو، اس لیے کہ اس طرح

تم کمزوروں کی تکلیف کا باعث بنو گے۔ جب تم جگہ پاؤ، تو استلام کرو (چھوؤ)

ورنہ بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر گزر جاؤ۔“ (حسن: مسند احمد: ۱۹۰)

رمل اور اضطباع

طواف کے دوران بیت اللہ آپ کی بائیں جانب ہونا چاہیے۔ طوافِ قدوم کے دوران رمل اور اضطباع بھی کرنا چاہیے۔ رمل اور اضطباع صرف پہلے طواف میں ہے اس کے بعد نہیں ہے۔ رمل یہ ہے کہ کندھے ہلا کر تیز تیز چلا جائے۔ اگر ہجوم کی وجہ سے تیز نہ چلا جاسکے تو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلنے کا تاثر دیا جائے۔ اور اضطباع یہ ہے کہ جسم کے اوپر کے حصہ پر لپیٹی جانے والی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالی جائے تاکہ دائیاں کندھا ننگا رہے۔ نماز کے دوران کندھا ڈھانپ لینا چاہیے۔ رمل صرف طواف کے پہلے تین چکروں میں ہوگا۔ اور حجرِ اسود سے لیکر رکنِ یمانی تک ہوگا۔ رکنِ یمانی سے حجرِ اسود تک معمول کی چال چلنا چاہیے۔ عورت کو رمل نہیں کرنا چاہیے۔

طواف کی مسنون دعائیں

رکنِ یمانی بیت اللہ کا جنوبی کونہ ہے۔ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان درج ذیل

دعائیں پڑھنا مسنون ہے:

((سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ))

”اللہ پاک ہے اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے سوا کسی میں طاقت اور قدرت نہیں۔“

(ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۲۹۵۷۔ حمید بن ابی سویہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔)

((اللَّهُمَّ قِنْعِي بِمَا رَزَقْتَنِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ وَاخْلُفْ عَلَيَّ كُلِّ غَائِبَةٍ لِي

بِخَيْرٍ))

”اے اللہ! جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس پر قناعت کی توفیق عطا فرما، اور اس

میں برکت دے، اور میری ہر اس چیز کی حفاظت فرما جس کی مجھے خبر نہیں ہے۔“

(ضعیف: مستدرک حاکم: ۱۸۷۸۔ الادب المفرد: ۶۸۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوءِ
الْإِخْلَاقِ))

”اے اللہ! میں دین میں شک کرنے، شرک کرنے، منافقت کرنے، تیری
نافرمانی کرنے اور بری عادات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

(نیل الاوطار: ۵/ ۵۷۔ سند کے بغیر مذکور ہے۔)

رکنِ یمانی کو چھونا مسنون ہے لیکن بوسہ دینا کہیں منقول نہیں، اس لیے بوسہ نہیں دینا چاہیے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رکنِ یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں۔ جو لوگ طواف کے
دوران یہاں پہنچ کر دعا کرتے ہیں، یہ فرشتے ان کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔“
رکنِ یمانی سے حجرِ اسود تک یہ دعا پڑھنا چاہیے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، رَبَّنَا إِنَّا فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ))

”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں درگزر اور بھلائی کی درخواست کرتا ہوں۔
اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور
آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔“ (حسن: صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۲۱۔ مسند احمد: ۱۵۳۹۹)

طواف کے دوران مسنون دعائیں کرنا بہتر ہے۔ اگر مسنون دعائیں یاد نہ ہوں تو اپنی
زبان میں بھی دعائیں کی جاسکتی ہیں۔ بس ایک بات کا خیال رہے کہ جو بھی دعا مانگیں اور جس
زبان میں بھی مانگیں پورے یقین اور نہایت عاجزی کے ساتھ مانگئے۔ اللہ کے خزانے محدود
نہیں اور نہ ہی اس کے خزانوں میں دینے سے کمی واقع ہوتی ہے۔ بس مانگنے کا سلیقہ ہونا
چاہیے۔ طواف کے دوران قرآن مجید کی تلاوت بھی کی جاسکتی ہے۔

بیت اللہ کے گرد سات چکر پورے کرنے کے بعد ملتزم پر کھڑے ہو کر اللہ کے حضور
گڑگڑا کر دعا مانگئے۔ اگر موقع ملے تو بیت اللہ سے لپٹ کر دعا مانگئے۔ ملتزم بیت اللہ کے

دروازہ اور حجرِ اسود کا درمیانی حصہ ہے۔ یہ دعاؤں کی قبولیت کا مقام ہے۔ آپ اللہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو خالی ہاتھ لوٹائے؟ وہ تو اکرم الاکرمین ہے۔ پورے اعتماد کے ساتھ دستک دیجئے۔ اس کی بنائی ہوئی چیزوں کی بجائے اسی کو مانگئے۔ اس کے مقابلے میں تو ہر چیز ہیچ ہے خواہ جنت الفردوس ہی کیوں نہ ہو۔

دعا سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھنا چاہیے، ان نوافل میں پہلی رکعت میں سورہ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ الاخلاص پڑھنا مسنون ہے۔ ان نوافل کے دوران مقامِ ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان رہے۔ اگر ہجوم کی وجہ سے مقامِ ابراہیم کے قریب جگہ نہ ملے تو یہ دو رکعت نوافل حرم میں کہیں بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

مقامِ ابراہیم پر نوافل سے فارغ ہونے کے بعد آبِ زمزم پیجئے اور خوب جی بھر کر پیجئے۔ اب آپ کا طوافِ قدوم مکمل ہو گیا۔ طوافِ قدوم ان لوگوں کے لیے ہے جو حجِ افراد کی نیت سے آئیں۔ جو لوگ حجِ قرآن یا حجِ تمتع کی نیت سے آئیں انہیں طوافِ عمرہ کی نیت کرنا ہوگی۔ طوافِ قدوم اور طوافِ عمرہ میں سوائے نیت کے کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا طریقہ ایک ہی ہے۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد حج اور عمرہ کے لیے آنے والوں کے لیے اگلا عمل سعی ہے۔

طواف کی اقسام

طوافِ قدوم اور طوافِ عمرہ پہلا طواف ہے جو حج اور عمرہ کی نیت سے آنے والا حرم میں داخل ہونے کے بعد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ طواف کی دو اور قسمیں بھی ہیں۔ ایک طوافِ افاضہ جو دس ذوالحجہ کو اس دن کے مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد کیا جاتا ہے۔ اس کو طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔ دوسرا طواف، طواف الوداع ہے جو آخری مرتبہ مکہ چھوڑنے پر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام طواف الوداع ہے۔

حج اور عمرہ کے طواف کے علاوہ بھی آپ جب چاہیں اور جتنی مرتبہ چاہیں طواف کر سکتے ہیں۔ یہ نفل طواف ہے۔ حیض و نفاس کے دوران عورت کے لیے بیت اللہ کا طواف جائز نہیں اور نہ ہی بغیر وضو کے طواف جائز ہے۔ عورت حج کے دوسرے مناسکِ حیض و نفاس کی

حالت میں ادا کر سکتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں عورت کے لیے سعی کرنا بھی جائز نہیں لیکن حدیث میں اس ممانعت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نفل طواف کا طریقہ بھی وہی ہے جو حج اور عمرہ کے طواف کا طریقہ ہے۔ مگر اس میں رمل اور اضطباع نہیں ہے اور احرام کی پابندی بھی نہیں ہے۔ طواف کا بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔

طواف کی اہمیت

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت

نفل نماز پڑھی اور پھر سیر ہو کر آب زمزم پیا، اللہ اس کے تمام گناہ معاف فرما

دیتا ہے۔“ (الدر المنثور: ۱/۲۹۳۔ سند مذکور نہیں۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے پچاس بار طواف کر لیا وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسے اس

کی ماں نے آج ہی اس کو جنم دیا ہو۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۸۶۶۔ ابواسحاق

مدلس عنعنہ روایت کرتا ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

”ان دونوں (حجر اسود اور رکن یمانی) پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کا کفارہ ہے، اور یہ بھی

سنا ہے: جس نے اللہ کے اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا اور شعور و توجہ کے ساتھ کیا

تو اس کا صلہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ طواف میں

بندہ جو قدم بھی رکھے اور اٹھائے گا اس کے ہر قدم کے بدلے اللہ ایک گناہ معاف

کرے گا اور ایک بھلائی اس کے لیے لکھے گا۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۹۵۹)

عمر بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ”انسان جب بیت اللہ کے طواف کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت میں داخل ہو

جاتا ہے، پھر جب وہ طواف شروع کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے، اس کے

بعد وہ جو قدم اٹھاتا اور زمین پر رکھتا ہے، ہر قدم پر اسے پانچ سونکیاں ملتی ہیں، اس کے پانچ سو گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے پانچ سو درجات بلند کیے جاتے ہیں۔“ (درمنثور: ۱/ ۲۹۴۔ اس کی سند مذکور نہیں۔ لہذا ضعیف ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت جب تک حرم مقدس کی عظمت و احترام کا حق ادا کرتی رہے گی، بخیر رہے گی اور جب وہ اس کا احساس و احترام ضائع کر دے گی، تباہ و برباد ہو جائے گی۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۳۱۱۰۔ یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔)

حج کی اقسام

صرف حج جس میں عمرہ نہ شامل ہو، حج افراد کہلاتا ہے اور حج افراد کرنے والا مفرد کہلاتا ہے۔ مفرد کے لیے قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی قربانی کرنا چاہے تو ممانعت نہیں ہے۔ جو لوگ قربانی نہ کرنا چاہیں انہیں حج افراد ہی کرنا چاہیے۔ جو لوگ قربانی کرنا چاہتے ہوں انکے لیے حج قرآن یا تمتع بہتر ہے۔

حج تمتع اور حج قرآن کرنے والوں کے لیے قربانی کرنا لازمی ہے۔ حج کی ان دونوں قسموں میں عمرہ بھی شامل ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ حج تمتع کرنے والا صرف عمرہ کی نیت کرے گا اور عمرہ مکمل کرنے کے بعد احرام کھول دے گا اور احرام کی تمام پابندیاں اس پر سے ختم ہو جائیں گی۔ پھر آٹھ (۸) ذوالحجہ کو دوبارہ حج کی نیت سے احرام باندھے گا اور حج کرے گا۔ جو لوگ حج سے کافی عرصہ پہلے مکہ چلے جاتے ہیں ان کے لیے حج تمتع بہتر ہے کیونکہ عمرہ مکمل کرنے کے بعد وہ احرام کھول سکتے ہیں۔ اگر زیادہ عرصہ احرام میں رہیں گے تو احرام کی خلاف ورزی کا امکان زیادہ ہے۔ ممکن ہے دم دینا پڑ جائے۔ (دم ایک جانور کی قربانی ہے جو احرام کی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں دی جاتی ہے)۔

حج قرآن میں حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کی جاتی ہے اور عمرہ مکمل کرنے کے بعد احرام کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ حج کی تکمیل تک احرام میں ہی رہنا پڑتا ہے۔ جو لوگ حج کے موقع پر یا چند دن پہلے مکہ پہنچیں ان کے لیے قرآن بہتر ہے۔ بہر حال قرآن ہو یا تمتع،

عمرہ اور قربانی دونوں میں شامل ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حج قرآن افضل ہے، بعض کہتے ہیں کہ حج تمتع افضل ہے۔ کچھ لوگوں نے حج افراد کو بھی افضل کہا ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اللہ کو آپ کے تقویٰ سے غرض ہے اور افضل حج وہی ہے جس میں اللہ کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے۔ جیسا کہ سورہ البقرہ کی اس آیت میں فرمایا:

﴿ الْحَجُّ أَشْهَدُ مَعْلُومَاتٍ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقًا ۚ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۗ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ (البقرہ: ۱۹۷)

”حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔ اور جو نیک کام تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ سفر حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“

افضل وہی ہے جو اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حج قرآن کیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو عمرہ کرنے کے بعد میں احرام کھول دیتا، یعنی حج تمتع کرتا۔ صحابہ کرام میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ عمرہ کرنے کے بعد اپنے احرام کھول دیں۔ حج تمتع کرنے والے کو تمتع اور حج قرآن کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

سعی کی تاریخ

صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے لگانا سعی کہلاتا ہے۔ صفا اور مروہ وہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام پیاس سے نڈھال ہوئے تو حضرت ہاجرہ نے ننھے اسماعیل علیہ السلام کو

اس جگہ چھوڑا جہاں آج چاہِ زمزم ہے اور خود پانی کی تلاش میں نکلیں۔ پہلے قریبی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید پانی کا کوئی سراغ ملے۔ جب کوئی سراغ نہ ملا تو دوسری پہاڑی مروہ کی طرف چلیں اور ساتھ اسماعیل علیہ السلام کو بھی دیکھتی جاتی تھیں۔ جب نشیب میں پہنچیں اور اسماعیل علیہ السلام نظر سے اوجھل ہو گئے تو دوڑ لگا دی۔ جب دوبارہ نظر آنا شروع ہو گئے تو معمول کی چال چلنے لگیں اور مروہ پر پہنچ گئیں۔ وہاں بھی پانی کا کوئی سراغ نہ پایا تو واپس صفا کی طرف چل پڑیں۔

اسی طرح دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔ ہر چکر میں جہاں سے اسماعیل علیہ السلام نظر سے اوجھل ہو جاتے، دوڑ پڑتیں اور جب دوبارہ نظر آ جاتے، دوڑنا بند کر دیتیں۔ ایک ماں کی بچے کے لیے یہ بے چینی بارگاہِ ایزدی میں اتنی مقبول ہوئی کہ بچے کے پاؤں میں پانی کا چشمہ بہا دیا جو آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا اور حضرت ہاجرہ کے ان سات چکروں کو امر کر دیا۔

آج حج و عمرہ کرنے والے ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے اور جب نشیب میں پہنچے تو اسی طرح دوڑے جیسے حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں۔ اس عمل کو سعی کہتے ہیں جو کہ حج و عمرہ کرنے والوں کے لیے واجب ہے۔ اس نشیبی حصے کو جہاں حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں میز کرنے کے لیے سبز ستون بنادئے گئے ہیں جو دونوں طرف سے آتے ہوئے نظر آ جاتے ہیں۔ ان ستونوں کو میلین اخضرین بھی کہتے ہیں۔

چاہِ زمزم کی تاریخ

اسماعیل علیہ السلام جب پیاس کی شدت سے بے حال ہوئے تو انہوں نے زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑیں جس سے زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر کاٹنے کے بعد جب حضرت ہاجرہ واپس آئیں تو پانی دیکھ کر خوش ہوئیں، انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔

توراة کا بیان ہے کہ خدا کے فرشتے نے ہاجرہ کو آسمان سے پکارا اور کہا: اے ہاجرہ!

تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے، خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔ (توراة، سفر پیدائش، باب: ۲۱)

یہ روایت بھی ہے کہ زم زم جبرائیل علیہ السلام کے زمین پر اپنا پر مارنے سے پھوٹ نکلا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۳۶۳۔ مفصل واقعہ ہے۔)

کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو چاروں طرف سے کھود کر کنویں کی شکل دے دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کئی دفعہ یہ کنواں خشک ہوا۔ جب جب یہ خشک ہوا لوگوں نے اسے مزید گہرا کیا، حتیٰ کہ یہ ایک گہرا کنواں بن گیا۔

مدتوں بنو جرہم اس کے متولی رہے۔ جب بنو خزاعہ کو اقتدار ملا تو بنو جرہم، غلاف کعبہ اور حجرِ اسود چاہِ زم زم میں ڈال کر بھاگ گئے اور جاتے جاتے اس کا منہ بند کر گئے۔ مدتوں یہ چشمہ غائب رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی خواب میں رہنمائی کی گئی اور انہوں نے اسے کھود کر نکالا۔ اس میں سے دو سونے کے ہرن، بہت سی تلواریں اور زرہیں بھی نکلیں۔ انہوں نے ہرنوں سے حاصل ہونے والا سونا بیت اللہ کے دروازوں پر لگا دیا اور باقی چیزیں خود رکھ لیں۔ (علامہ ابن خلدون کے مطابق یہ سونے کے ہرن ایرانی زائرین نے خانہ کعبہ پر چڑھائے تھے)۔

۱۴۵ ہجری میں ابو جعفر منصور نے اس کے اندر سنگِ مرمر کا فرش کروایا، پھر مامون الرشید نے مٹی نکلوا کر اسے گہرا کیا۔ چاہِ زم زم کو کئی دفعہ کھودا گیا۔ ۲۲۳ ہجری میں اس کی اکثر دیواریں منہدم ہو گئیں اور اندر بہت ملبہ جمع ہو گیا۔ اس وقت طائف کے ایک شخص محمد بن بشیر نے اس کی مرمت کی۔

۱۰۲۰ ہجری میں سلطان احمد خان کے حکم سے چاہِ زم زم کے اندر سطحِ آب سے سواتین فٹ نیچے لوہے کا جال ڈال دیا گیا تا کہ اگر کوئی چیز کنویں میں گر جائے تو تہ تک نہ جاسکے اور

آسانی سے نکالی جاسکے۔ ۱۰۳۹ ہجری میں سلطان مراد خان مرحوم نے جب کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا تو چاہ زم زم کی بھی نئی تعمیر کی۔ تہ آب سے اوپر تک سنگ مرمر لگایا۔ زمین سے ایک گز اونچی، دو گز چوڑی منڈیر بنوا دی۔ ارد گرد دو دو گز تک سنگ مرمر کا فرش بنوا کر اس پر دیواریں اٹھادیں اور ان پر چھت ڈال کر کمرہ بنوادیا اور اس پر سبز جالیاں لگوا دیں۔

سعی کا طریقہ

سعی، صفا سے شروع کرنا چاہیے۔ صفا پر قبلہ رو کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہیں پھر یہ دعا پڑھیں:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعَدَهُ، وَ نَصَرَ عَبْدَهُ، وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ))

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اسی کی ہے اور تعریف بھی اسی کو سزاوار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تمام گروہوں کو اکیلے شکست دی۔“ (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)

اس دعا کے بعد درود شریف پڑھیں اور پھر وہیں پر کھڑے کھڑے جو دعائیں چاہیں مانگیں۔ یہ دعا کی قبولیت کا مقام ہے۔ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلیں اور اس دعا کا ورد جاری رکھیں:

((رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ، إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ))

”اے پروردگار، تو مغفرت فرما اور رحم فرما۔ بے شک تو بہت طاقت والا اور عزت والا ہے۔“ (مناسک الحج والعمرة للالبانی، رقم: ۵۵۔ تہنیه: موقوف صحیح ہے، مرفوع ضعیف ہے۔)

جب سبز ستونوں کے پاس پہنچیں تو دوڑ پڑھیں اور جب اگلے سبز ستونوں کے پاس

پہنچیں تو دوڑنا بند کر دیں۔ البتہ عورتوں یا کمزور افراد کے لیے دوڑنا ضروری نہیں ہے۔ سعی کے دوران یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے:

((سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ))

”اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔“

جب مروہ پر پہنچیں تو وہاں بھی قبلہ رخ کھڑے ہو کر وہی دعائیں مانگیں جو صفا پر مانگیں تھیں۔ یہ بھی دعاؤں کی قبولیت کا مقام ہے۔ مروہ پر پہنچ کر آپ کا ایک چکر پورا ہو جائے گا۔ وہاں سے دوسرا چکر شروع ہوگا جو صفا پر پہنچ کر پورا ہو جائے گا۔ اسی طرح سات چکر پورے کریں۔ ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ سات چکر پورے ہونے پر آپ کی سعی مکمل ہو جائے گی۔ سعی کے دوران مسنون دعاؤں کے علاوہ بھی جو دعائیں چاہئیں مانگ سکتے ہیں، چاہئیں تو قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتے ہیں۔

طواف اور سعی کے دوران اگر نماز باجماعت شروع ہو جائے تو طواف اور سعی چھوڑ کر نماز میں شامل ہو جائیں اور نماز کے بعد وہیں سے شروع کریں جہاں طواف یا سعی کو چھوڑا تھا۔ سعی مکمل ہونے کے بعد اگلا عمل حلق (سر منڈانا) یا قصر (بال ترشوانا) ہے۔ سر منڈانے یا بال ترشوانے سے عمرہ مکمل ہو جائے گا۔ اب عمرہ کرنے والا اور حج تمتع کرنے والا احرام ختم کر سکتا ہے لیکن جس نے حج قرآن کا ارادہ کیا ہو وہ حج مکمل ہونے تک احرام میں ہی رہے گا۔ حج تمتع کرنے والا آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ حج کی نیت سے احرام باندھے گا۔

حج کا طریقہ

جو لوگ حج کی نیت سے آئے ہوں انہیں آٹھ ذوالحجہ کو ظہر کی نماز سے پہلے منیٰ پہنچ جانا چاہیے۔ آٹھ ذوالحجہ کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں اور نو ذوالحجہ کی فجر کی نماز منیٰ میں پڑھنا مسنون ہے۔ نویں ذوالحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے۔ منیٰ سے طلوع آفتاب کے بعد نکلنا چاہیے۔

عرفات میں مسجد نمبرہ کے قریب قیام کرنا مستحب ہے۔ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اگر یہ ممکن نہ ہو تو عرفات میں کہیں بھی قیام کیا جاسکتا ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد عرفات میں داخل ہونا سنت ہے۔ عرفات میں ظہر اور عصر ملا کر ظہر کے وقت پڑھنا سنت ہے۔ دونوں نمازیں ایک ہی اذان سے پڑھی جائیں گی لیکن اقامت دونوں کے لیے الگ الگ کہنا ہوگی۔

جبلِ رحمت کے دامن میں وقوف مستحب ہے لیکن پہاڑ کے اوپر چڑھنا مسنون نہیں ہے۔ اگر ہجوم کی وجہ سے وہاں ٹھہرنے کا موقع نہ ملے تو کوئی بات نہیں۔ اس سے حج میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ وقوف کے دوران قبلہ رو ہونا مستحب ہے۔

عرفات میں قیام کے دوران خوب گڑگڑا کر دعائیں مانگنی چاہئیں۔ عرفہ کا دن دعاؤں کی قبولیت کا دن اور عرفات کا میدان دعاؤں کی قبولیت کا مقام ہے۔ دعائیں مانگتے وقت یہ تصور کریں کہ آپ میدانِ حشر میں اللہ جلّ جلالہ کے دربار میں کھڑے ہیں، میدانِ عرفات بھی تو میدانِ حشر کا سماں پیش کرتا ہے۔ سب ایک ہی لباس میں ملبوس اور ایک ہی رنگ یعنی اللہ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ ہر طرف ایک ہی منظر ہوتا ہے، ہر کوئی اللہ کے سامنے گڑگڑا رہا ہوتا ہے۔

میدانِ عرفات میں سورج غروب ہونے تک رکنا چاہیے۔ سورج غروب ہونے پر بغیر نمازِ مغرب ادا کیے وہاں سے مزدلفہ کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ غروبِ آفتاب سے پہلے میدانِ عرفات سے نہ چلے۔ اگر غروبِ آفتاب سے پہلے چل پڑا تو دم یعنی ایک جانور کی قربانی دینا واجب ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص عرفہ کے دن (9 ذوالحجہ) زوالِ شمس سے اگلے دن فجر تک یعنی یومِ النحر (دس ذوالحجہ) کی فجر تک تھوڑی دیر تک عرفات میں رہا اس کا حج ہو گیا۔

عرفات سے مزدلفہ کا راستہ تو تقریباً چار یا ساڑھے چار میل ہوگا لیکن ہجوم (رش) کی وجہ سے وقت بہت لگ جاتا ہے۔ عموماً پیدل چلنے والے گاڑیوں والوں سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ رات مزدلفہ میں قیام واجب ہے۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھنی چاہئیں۔ فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھ کر نکلنا چاہیے۔ بے شک فجر معمول

سے ذرا سویرے پڑھ لے تا کہ جلدی منی پہنچ جائے۔

رمی کرنا

منی پہنچ کر سب سے پہلا کام جمرہ عقبہ کی رمی کرنا ہے۔ جمرہ عقبہ کی رمی واجب ہے، اگر یہ رہ جائے تو دم (ایک جانور کی قربانی) لازم ہے۔ دس ذوالحج کو رمی کا وقت طلوع آفتاب سے زوال آفتاب تک ہے۔ بہتر ہے کہ پہلے رمی کرے اور اس کے بعد اپنے کیمپ میں جائے۔ البتہ اگر ساتھ سامان ہو تو سامان کیمپ میں رکھ کر رمی کے لیے جاسکتا ہے۔ رمی سے پہلے کوئی دوسرا کام نہ کرے۔ رمی میں سات چھوٹی کنکریاں استعمال کرنی چاہئیں۔ کنکری کا سائز مکئی یا سفید چنے کے دانے جتنا ہونا چاہیے۔ کنکری اتنی ہو کہ دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر پھینکی جاسکے۔ جمرہ عقبہ پر رمی کا آغاز کرتے وقت تلبیہ ختم کر دینا چاہیے۔ بعض فقہاء کے نزدیک جمرہ عقبہ کی رمی ختم کرنے کے بعد تلبیہ بند کرنا چاہیے۔ ہر جمرہ پر سات کنکریاں پھینکنی ہوتی ہیں۔ ہر کنکری پھینکتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ دس ذوالحج کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی زوال آفتاب سے پہلے کی جائے گی اور گیارہ و بارہ ذوالحج کو تینوں جمرات کی رمی زوال آفتاب کے بعد شروع ہوگی اور اس کا مسنون وقت غروب آفتاب تک ہے۔

بہتر ہے کہ رمی غروب آفتاب سے پہلے کر لی جائے، لیکن کمزور اور بوڑھے افراد ہجوم کی وجہ سے اگر دن میں نہ کر سکیں تو غروب کے بعد کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ نیز ایسے لوگ رمی کے لیے کسی کو نیابت بھی دے سکتے ہیں۔ بہر حال خود رمی کرنا زیادہ افضل ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم رمی جمار کرو گے تو یہ قیامت کے روز تمہارے لیے نور ہوگی۔“

(ضعیف: مسند بزار (کشف الاستار) ۱۱۴۰ - صالح بن نبهان ضعیف راوی ہے۔)

جو لوگ تیرہ ذوالحج تک رکیں انہیں تیرہ کو زوال آفتاب کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنے کے بعد منی سے نکلنا چاہیے۔ رمی کی ترتیب یہ ہوگی کہ تینوں دن (گیارہ، بارہ اور تیرہ) پہلے جمرہ اولیٰ، پھر جمرہ وسطیٰ اور آخر میں جمرہ عقبہ کی رمی کی جائے گی۔ مسنون یہ ہے

کہ جمرہ اولیٰ کی رمی کرنے کے بعد ایک طرف قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے اور پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کرنے کے بعد بھی یہی عمل دہرایا جائے۔ البتہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد رک کر دعا کرنا مسنون نہیں ہے۔

رمی کی حقیقت

جمرات کو لوگ چھوٹا، درمیانہ اور بڑا شیطان بھی کہتے ہیں۔ یہ جمرات دراصل وہ مقامات ہیں جہاں شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دینے سے روکنے کی کوشش کی۔ اللہ کے حکم پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو جمرہ عقبہ کے مقام پر ایک بزرگ صورت شخص سے ملاقات ہوئی جس نے آپ کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

آپ نے نور نبوت سے پہچان لیا کہ وہ شیطان ہے، چنانچہ آپ نے اللہ اکبر کہہ کر اس پر کنکریاں اٹھا کر پھینکیں تو وہ بھاگ گیا۔ پھر اس نے جمرہ وسطیٰ کے مقام پر آپ کو ورغلانے کی کوشش کی، آپ نے دوبارہ وہی عمل دہرایا تو وہ لعین بھاگ نکلا۔ تیسری مرتبہ جمرہ اولیٰ کے مقام پر اس نے اپنی آخری کوشش کی لیکن خلیل اللہ پر اس کا بس نہ چلا، آپ نے اللہ اکبر پڑھ کر اس پر کنکریاں پھینکیں تو ابلیس مایوس ہو کر چلا گیا۔

بعد میں ان مقامات کی پہچان کے لیے وہاں بڑے بڑے پتھر نصب کر دئے گئے اور اب تو ان کے گرد چار دیواری بنا دی گئی ہے۔ آج ہر حاجی ان جمرات پر کنکریاں پھینک کر فی الواقع اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ جس طرح ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان مردود کو دھتکار دیا تھا، ہم بھی اسی طرح اسے دھتکارتے ہیں۔ رمی کے ذریعے وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم تجھ سے نفرت کرتے ہیں، تجھ سے بیزار ہیں اور تمہارے جال میں پھنسنے والے نہیں ہیں۔

بعض لوگ جوشِ مخاصمت میں جوتے اور پتھر بھی پھینک دیتے ہیں جیسے وہاں پتھر نہیں بلکہ فی الواقع شیطان موجود ہو۔ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ ایسا کرنے سے شیطان تو اس کے جوتے یا پتھر کا شکار ہونہ ہو، انسان ضرور شکار ہو جائے گا اور اگر کوئی انسان شکار ہو گیا تو گویا

شیطان کا شکار کرتے کرتے آپ خود اس کا شکار ہو گئے۔

قربانی، حلق/تقصیر، طواف الافاضہ

دس ذوالحج کو جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد قربانی کی جائے گی۔ پھر حلق (سر منڈانا) یا تقصیر (بال ترشوانا) کرانا ہوگا اور اس کے بعد مکہ جا کر طواف الافاضہ یا طواف الزیارہ کرنا ہوگا۔ حلق یا تقصیر کے بعد احرام کھولا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد وہ سارے کام حلال ہو جائیں گے جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئے تھے۔ البتہ میاں بیوی کے تعلقات طواف الافاضہ سے پہلے جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے مطابق طواف الافاضہ کا آخری وقت بارہ ذی الحجہ اور امام مالک کے نزدیک تیرہ ذی الحجہ ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنے کی صورت میں قربانی دینا ضروری ہو گی۔ باقی ائمہ کے نزدیک آخری وقت کا کوئی تعین نہیں۔ جب چاہے کر لے اور اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔ طواف الافاضہ کے رکن حج ہونے پر اجماع ہے اس لیے جب تک یہ نہ کیا جائے حج مکمل نہیں ہوگا۔

قارن اور متمتع کے لیے قربانی کا نعم البدل

اگر قارن یا متمتع کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو وہ تین روزے حج سے پہلے اور سات روزے حج کے بعد گھر واپس آ کر رکھے گا۔ جیسا کہ سورہ البقرہ کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

﴿فَإِذَا أَمِنْتُمْ^۱ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ^۲ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةَ إِذَا رَجَعْتُمْ^۳ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ^۴ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي السُّجْدِ الْحَرَامِ^۵﴾

(البقرہ: ۱۹۶)

”پھر اگر تمہیں امن نصیب ہو جائے، تو جو شخص تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے وہ حسب مقدور قربانی دے، اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس

روزے رکھ لے۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے، جن کے گھر مسجد حرام کے

قریب نہ ہوں (وہ مکہ معظمہ کے رہنے والے نہ ہوں)۔“

حج سے پہلے والے روزے احرام باندھنے کے بعد رکھے جائیں گے۔ بہتر ہے کہ احرام آٹھ ذوالحج سے پہلے باندھ لیا جائے تاکہ یہ تین روزے یومِ عرفہ سے پہلے پورے ہو جائیں کیونکہ حاجی کے لیے یومِ عرفہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ نبی ﷺ نے عرفہ کے میدان میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

طواف الوداع

یہ الوداعی طواف ہے جو آخری بار مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے۔ یہ طواف واجب ہے۔ اگر یہ طواف کسی وجہ سے رہ جائے تو ایک جانور کی قربانی دینا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

” (حج سے فارغ ہونے کے بعد) کوئی شخص اس وقت تک نہ لوٹے جب تک

کہ وہ آخری مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف نہ کر لے۔“ (صحیح مسلم: ۱۳۲۷)

مدینہ منورہ کی زیارت

حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی زیارت کرنا بھی مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دیا اور میں مدینہ کے دونوں

حروں (سیاہ رنگ کے پتھروں کی زمین) کے درمیانی فاصلہ کو حرمت والا علاقہ

قرار دیتا ہوں۔ نہ اس کے درخت کو کاٹا جائے گا اور نہ اس میں کسی جانور کا شکار

کیا جائے گا۔“ (صحیح مسلم: ۱۳۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”نبی ﷺ نے مدینہ کے دونوں حروں کے درمیانی علاقہ کو حرمت والا علاقہ



قرار دیا ہے اور مدینہ کے گرد بارہ میل کے علاقہ کوچمی (ممنوعہ علاقہ جس میں نہ کوئی درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ کسی جانور کا شکار کیا جا سکتا ہے) قرار دیا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۸۷۳-صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

رسول ﷺ نے اپنی مسجد اور قبر مبارک کی زیارت کی بھی ترغیب دلائی ہے۔ یہ دونوں کام بڑے اجر و ثواب کے حامل اور آپ ﷺ کی شفاعت کا باعث ہیں۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنا، مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں ہزار نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔“

(صحیح: مسند احمد: ۱۶۱۱۷-۱۶۱۱۸-۱۶۱۱۹-۱۶۱۲۰: ۱۶۲۰)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”تین مساجد کے علاوہ کسی اور کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں (سفر نہ اختیار کیا جائے): مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔“

(صحیح مسلم: ۱۳۹۷)

مسجد نبوی کو ایک ایسی خصوصیت بھی حاصل ہے جو اس کے علاوہ کسی اور مسجد کو حاصل نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی جگہ) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۸۸۸-صحیح مسلم: ۱۳۹۰)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جو شخص میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھے اور اس کی ایک نماز بھی فوت نہ ہو اس کے لیے جہنم، عذاب اور نفاق سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۱۲۵۸۳-عبیط بن عمر راوی مجہول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

سلسلۃ الضعیفہ: ۳۶۴)

اپنی قبر شریف کی زیارت کی ترغیب دلاتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“ (ضعیف: سنن دار

قطنی: ۲۶۹۴۔ ہارون بن ابی قذعہ ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: (۱۰۲۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔“ (ضعیف: سنن دار قطنی: ۲۶۹۵۔ موسیٰ بن ہلال مجہول ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی، اس نے میرے ساتھ جفا کی۔“ (ضعیف: البدراہمیر لابن الملقن: ۶/۲۹۹۔ نعمان بن شبل ضعیف راوی ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری قبر کی زیارت کی، قیامت کے روز میں اس کی شفاعت کرنے اور گواہی دینے والا ہوں گا۔“ (ضعیف: مسند ابی داؤد الطیالسی: ۶۵۔ ایک راوی مجہول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ارواء الغلیل: ۱۱۲)۔

جمہور علماء (جن میں مالکی، شافعی، حنبلی اور عام محدثین شامل ہیں) کے نزدیک نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے۔ ظاہریہ اور بعض مالکی علماء کے نزدیک واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک ان دونوں کے درمیان یعنی واجب سے کم اور مستحب سے زیادہ ہے۔ زیارت آرامگاہ رسول ﷺ کی شرعی حیثیت جو بھی ہو، رسول اللہ ﷺ اور دیار رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان جب بھی حج یا عمرہ کے لیے مکہ جائے تو روضہ رسول ﷺ پر ضرور حاضری دے۔ یہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ایمان کی بنیادی شرط ہے۔

مسجد نبوی اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت

مسجد نبوی کی زیارت عبادت ہے اور اس میں نماز پڑھتے وقت اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اس میں باوضو داخل ہونا چاہیے اور داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھنا چاہیے اور مسنون دعا پڑھنا چاہیے جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اللہ کے

نام سے اور درود و سلام اس کے رسول ﷺ پر۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“

اس کے بعد ریاض الجنۃ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھیں۔ اگر وہاں جگہ نہ ملے تو جہاں بھی جگہ ملے دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ روضہ رسول ﷺ پر حاضری دیتے وقت رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام پوری طرح ملحوظ خاطر رہے۔ خصوصاً سورہ الحجرات کی یہ آیات ذہن میں تازہ کر لیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ①
إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ② وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ③﴾ (الحجرات: ۲-۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔“

سورہ الحجرات کے اس پیغام کو عزت بخاری نے بہت خوبصورت انداز میں ان الفاظ میں رقم کیا ہے:

ادب گاہست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

روضہ مبارک پر حاضری سے پہلے اپنے دل کا جائزہ لیں اور نہایت عاجزی اور محبت کے ساتھ حجرہ شریف کا رخ کریں اور نبی ﷺ کو سلام عرض کریں اور مواجہہ شریف (رخ

انور) کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

”اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام۔ اے سب مخلوق میں افضل! آپ پر سلام۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یقیناً آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے، امانت ادا کر دی ہے، امت کی خیر خواہی کر دی ہے، اور اللہ کے دین کے لیے آپ نے پوری کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل پر، آپ کی بیویوں پر، اور آپ کی اولاد پر رحمت کرے اور بہت بہت سلامتی عطا کرے۔“

پھر تھوڑا سا دائیں طرف ہو کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرتے ہوئے کہیں: ”اے ابو بکر صدیق! آپ پر سلامتی ہو، آپ رسول اللہ ﷺ کے چنے ہوئے اور غار کے ساتھی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو امت رسول ﷺ کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔“

پھر تھوڑا سا اور دائیں طرف ہو کر عمر رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں سلام عرض کریں:

”اے عمر فاروق! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکات ہوں، اللہ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے اچھی جزا عطا کرے۔“

اس کے بعد وہاں سے ہٹ کر قبلہ کی طرف رخ کر کے جو دعا چاہیں مانگیں۔

مدینہ منورہ میں اہم مقامات کی زیارت

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ان مقامات کی زیارت کرنا چاہیے جن کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق رہا ہو۔ ان میں سب سے مساجد (سات مسجدیں جو دراصل جنگِ خندق کے دوران نبی ﷺ اور مختلف صحابہ کرام کے مورچے تھے) اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا باغ (جس میں کھجور کا ایک پودا نبی ﷺ کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے اور سب درختوں سے بلند اور نمایاں ہے) تو اب عوام کے لیے بند کر دئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک تاریخی مقامات ہیں جو اب عوام کے لیے بند ہیں۔ سعودی حکومت نے غالباً شرک کے خدشے کے پیش نظر ان



مقامات کو عوام کے لیے بند کر دیا ہے اور یوں ان کو انکے اس تاریخی ورثے کی زیارت سے محروم کر دیا ہے جو ان کے جذباتِ خیر کے لیے مہمیز کا کام دیتا اور ان کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوتا۔

بہر حال مسجدِ قبلتین، مسجدِ قبا، جبلِ اُحد، شہدائے اُحد کے مزار اور جنت البقیع اب بھی عوام کے لیے کھلے ہیں۔ ان مقامات کی زیارت سے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے دور کی یاد تازہ ہوتی ہے جو ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہے۔

مسجدِ قبا کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:
”جو اپنے گھر سے اچھی طرح وضو کر کے مسجدِ قبا کی طرف نماز کے لیے جاتا ہے، اسے ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔“

(صحیح: سنن نسائی: ۷۰۰۔ سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۲)

احد کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“

(صحیح بخاری: ۲۸۸۹۔ صحیح مسلم: ۱۳۹۲)

جنت البقیع میں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور اللہ کے نیک بندے رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بھی جنت البقیع میں جایا کرتے تھے اور اس کے باسیوں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔



قربانی

دوسری عبادات کی طرح قربانی بھی ہر شریعت کا حصہ رہی ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یا کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنا سکھاتا ہے۔ اس جذبے کے بغیر کوئی بڑا کام سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی کا ذکر سورہ المائدہ میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

تاریخ انسانی کی پہلی قربانی

﴿وَإِذْ قَرَّبْنَا قُورْبَانًَا فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ۗ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۗ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
الْمُتَّقِينَ ﴿۲۷﴾﴾ (المائدہ: ۲۷)

”(اے نبی!) اور ان کو آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا سچا قصہ سناؤ، جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی تو اس (قابیل) نے کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ (اس پر) ہابیل نے کہا، اللہ تو پرہیزگاروں کی قربانی ہی قبول کرتا ہے۔“

قربانی کی اہمیت

سورہ الحج میں فرمایا گیا کہ ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی ہے۔ ملاحظہ ہو درج

ذیل آیت:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ
بِهَيْبَةٍ الْأَنْعَامِ ۗ﴾ (الحج: ۳۴)

”ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ (اس امت



کے) لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔“
دوسرے مراسمِ عبودیت کی طرح قربانی بھی صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی
خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے جیسا کہ سورہ الانعام کی ان آیات میں فرمایا گیا ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

”(اے نبی!) کہو: میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ
رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے
اور سب سے پہلے سِرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔“

حجِ قرآن اور حجِ تمتع کرنے والوں کے لیے قربانی کرنا لازم ہے لیکن حجِ افراد کرنے
والوں کے لیے لازم نہیں ہے۔ چاہیں تو کر لیں اور اگر گنجائش نہ ہو تو بے شک نہ کریں۔
سورہ الکوثر میں قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۱﴾﴾ (الکوثر: ۲)

”اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔“

جو لوگ استطاعت رکھتے ہوں ان پر قربانی واجب ہے۔ جن لوگوں پر صدقہ فطر واجب

ہے ان پر قربانی بھی واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص وسعت رکھنے کے

باوجود قربانی نہ دے، ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔“ (حسن: سنن ابن ماجہ: ۱۴۲۱)

آپ ﷺ کے اس فرمان میں استطاعت کے باوجود قربانی نہ دینے والوں کے لیے

بڑی وعید ہے۔ گویا ایسے لوگوں کا نبی ﷺ یا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

سنتِ ابراہیمی

قربانی سنتِ ابراہیمی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم قربانی کی یاد دلاتی ہے جو انہوں

نے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا ارادہ کر کے دی۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں سورہ الصافات کی یہ

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ
السَّعْيَ قَالَ يُبْنِيَ لِي فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَدْبَحُكَ فَأَنْظِرْ مَاذَا تَرَى ۗ قَالَ
يَأْتِيكَ أَفْعَلٌ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا
وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقَتِ الرُّعْيَاءُ إِنَّا كَذَلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَ قَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ
عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾ كَذَلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾﴾ (الصفات: ١٠٠-١١١)

(ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) ”اے پروردگار، مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اسے ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا: بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالنے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا۔ اور ہم نے نذادی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔“

ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی عزیز ترین

شے قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ جب بندہ اپنی عزیز ترین چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس کی ایسے ہی قدر دانی کرتا ہے جیسے اس نے ابراہیم علیہ السلام کی کی تھی اور اسے دنیا اور آخرت میں سرخرو کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۗ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۗ﴾ (ابراہیم: ۱۲۴)

”یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب باتوں میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔“

اور اللہ نے انہیں واقعتاً سب لوگوں کا پیشوا بنا دیا۔ آج تمام الہامی مذاہب کے پیروکار (یہودی، عیسائی اور مسلمان) ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

قربانی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک یوم النحر (دس ذوالحج) کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور گھروں سمیت حاضر ہوگا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ اللہ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ لہذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۴۹۳۔ سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۶۔ ابوشی سلیمان بن یزید الخزاعی ضعیف راوی ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس میں ہمارے لیے کیا اجر و ثواب ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ نے پوچھا، اور اُون کے بدلے یا رسول اللہ! فرمایا: ہاں، اُون کے ہر روئیں کے بدلے بھی ایک نیکی ملے گی۔“ (ضعیف: سنن ابن

ماجہ: ۳۱۲۷۔ عائد اللہ الجاشعی ضعیف ہے۔)

قربانی کا فلسفہ

بعض تعلیم یافتہ حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قربانی مال کے ضیاع کا سبب ہے، ہر سال کروڑوں افراد قربانی کرتے ہیں جس پر اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اگر یہی روپیہ غرباء و مساکین کی بہبود پر خرچ کیا جائے تو زیادہ مفید ہوگا، بہت سے لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے اور اس سے ملکی معیشت بھی بہتر ہوگی، وغیرہ، وغیرہ۔

بلاشبہ اہل حاجت کی مدد کا جذبہ بڑا اچھا جذبہ ہے اور یقیناً ان کی مدد ہونی چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہم سے زیادہ اپنے بندوں کی فکر ہے اور اس نے حاجت مندوں کی مدد کے لیے پورا پورا انتظام کیا ہے اور اس کے لیے زکاۃ اور صدقات کا نظام لاگو کیا ہے اگر اہل نصاب حضرات اس پر دیانت داری سے عمل کریں تو چند سالوں میں مسلم معاشروں سے غربت دور ہو جائے گی۔

دراصل قربانی کا وہ مقصد ہی نہیں جو یہ معترض حضرات اس سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ قربانی کا مقصد تو اللہ کی رضا کے لیے اپنی پیاری سے پیاری چیز واردینا ہے۔ قربانی کی تاریخ تو یہی درس دیتی ہے۔ اسلام میں قربانی کے موجودہ نظام کی ابتدا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قربانی کو سنتِ ابراہیمی فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ قرآن میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے جس میں سے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی رضا کے لیے قربان کرنے کا واقعہ اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی قربانیوں سے عبارت ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے آگ میں ڈالا جانا گوارا کیا، اپنا گھر اور وطن چھوڑا، ساری عمر اولاد کو ترستے رہے اور بڑھاپے میں جب بیٹا پیدا ہوا تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں اسے اور اس کی ماں کو مکہ کے بیابان میں چھوڑا اور وہی بیٹا جب دوڑنے بھاگنے اور باپ کی مدد کرنے کے قابل ہوا تو اللہ کی رضا کے لیے اسے بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ تب اللہ نے اپنی طرف سے مینڈھا بطور فدیہ بھیج کر

اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور امت مسلمہ میں ہمیشہ کے لیے قربانی کی رسم جاری فرمادی۔ اس قصہ پر غور کر لیجئے۔ آپ کو قربانی کا فلسفہ سمجھ آ جائے گا۔ کیا اس میں کہیں بھی کوئی معاشی پہلو نظر آتا ہے؟ کیا اس میں مستحقین کی امداد کا کوئی تصور ہے؟ یہ تو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے واردینے کا قصہ ہے اور قربانی سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے واردینے کے جذبے کی آبیاری کرنے کے لیے واجب کی گئی ہے۔ اس میں سود و زیاں کا کیا حساب؟ اس میں تو سود و زیاں کے چکر میں پڑنے کی نفی کی گئی ہے۔ ہمارے جو دانشور اس میں سود و زیاں کا حساب کرتے ہیں اور معاشی پہلو تلاش کرتے ہیں وہ قربانی کے فلسفے سے ہی نا بلد ہیں۔ اللہ ان کی اور ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

قربانی کا وقت

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا گیا تو وہ شرعاً قربانی نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عید کی نماز کے بعد سے لیکر بارہ ذوالحجہ کی شام تک قربانی کا وقت ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک تیرہ ذوالحجہ کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ حج یا عمرہ کرنے والا حدود حرم میں کہیں بھی قربانی کر سکتا ہے۔

ذبح کا طریقہ

ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹانا اور یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۲۴﴾

”میں نے (سب سے تعلق ختم کر کے) اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے

سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔“

(صحیح: سنن ابی داؤد: ۲۷۹۵۔ سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۱)

جب ذبح کرنے لگے تو یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُمَّ هَذَا مِنْكَ وَلَكَ))

”اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ تیری طرف سے ہے اور

تیرے لیے ہے۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۲۷۹۵)

مستحب یہ ہے کہ خود ذبح کرے، لیکن اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو کسی دوسرے سے ذبح کروانا بھی جائز ہے۔ جانور کی گردن میں چار رگیں ہوتی ہیں، ان میں سے تین کا کٹ جانا ضروری ہے۔ اگر صرف دو رگیں کٹیں تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ ذبح کرتے وقت تیز چھری استعمال کرنا چاہیے۔

گوشت تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ

قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اسے تین حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ ایک حصہ خود کھائیں، ایک حصہ خیرات کر دیں اور ایک حصہ احباب و اقرباء میں تقسیم کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”کھاؤ، ذخیرہ کرو اور خیرات کرو“ (صحیح بخاری: ۵۵۶۹۔ صحیح مسلم: ۱۹۳۷)

ذبح کرنے والے قصاب کی مزدوری قربانی کے گوشت میں سے دینا جائز نہیں ہے۔ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو وہ ذوالحج کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ بال کٹوائے نہ ناخن کاٹے۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

قربانی کی روح کا تقاضا تو یہی ہے کہ اچھا پلا ہوا اور خوبصورت جانور ذبح کیا جائے لیکن اگر بہت اچھا نہ ہو تب بھی کم از کم درمیانہ درجہ کا تو ہونا ہی چاہیے۔ عیب دار جانور کی

قربانی جائز نہیں ہے۔ کانے، لنگڑے، کان کٹے، سینگ ٹوٹے، بیمار اور بہت کمزور جانور کی قربانی قابل قبول نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”چار جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں۔ واضح طور پر آنکھ کا کانا، واضح بیمار، لنگڑا جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو اور کمزور جس میں چربی نہ ہو۔“
(صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۸۰۲۔ جامع ترمذی: ۱۵۷۱)

نبی ﷺ نے فرمایا:

”مسنہ ہی ذبح کرو، الا یہ کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا جذع ذبح کر سکتے ہو۔“

(صحیح مسلم: ۱۹۶۳)

”جذع“ بھیڑ کا وہ بچہ جو ایک سال کا ہو یا اس کے قریب قریب۔ بھیڑ کے علاوہ بکری، گائے اور اونٹ میں ”مسنہ“ (جس کے سامنے کے دودھ کے دو دانت ٹوٹ کر نئے دانت نکل آئیں) ضروری ہے۔ عموماً بکری دوسرے سال میں، گائے تیسرے سال میں اور اونٹ پانچویں سال میں دانت توڑتا ہے، اس لیے بکریوں میں وہ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو، گائے میں وہ جو دو سال کی ہو کر تیسرے سال میں داخل ہو اور اونٹوں میں وہ جو چار سال سے تجاوز کر کے پانچویں سال میں داخل ہو جائے کی قربانی جائز ہے۔



اللہ کی راہ میں جہاد

جہاد کی تعریف

لفظ جہاد کا مادہ جہَد ہے جس کے معنی ہیں کوشش کرنا، تگ و دو کرنا، کسی کام کے کرنے میں اپنے آپ کو تھکا دینا، اپنی طرف سے انتہائی کوشش کرنا، کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے لڑنا۔ جہاد کے اصطلاحی معنی ہیں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں استعمال کرنا، اپنی جسمانی، ذہنی اور مالی صلاحیتیں اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے لگا دینا اور اگر ضرورت ہو تو اللہ کی راہ میں قتال کرنا۔ اگر یہ سارے کام اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے کیے جائیں گے تو یہ جہاد فی سبیل اللہ یا اللہ کی راہ میں جہاد ہوگا۔

احناف کے نزدیک جہاد کی تعریف، دین کی طرف دعوت دینا اور جو اسے قبول نہ کرے اس کے خلاف جان و مال کے ساتھ لڑائی کرنا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے کسی غیر معاهد کافر سے لڑائی کرنا جہاد ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جہاد کی بڑی جامع تعریف کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جہاد یا تو دل کے ساتھ ہوتا ہے، مثلاً اسلام پر عمل کے لیے پختہ ارادہ کر لینا یا زبان سے ہوتا ہے جیسے اسلام اور اسلامی شریعت کی طرف دعوت دینا جہاد ہے۔ باطل پرستوں کے خلاف دلیل و برہان قائم کرنا، حق کو واضح کر دینا اور شبہات کا خاتمہ کر دینا بھی جہاد ہے، مسلمانوں کے اجتماعی فائدے کے لیے رائے و تدبیر کرنا بھی جہاد ہے۔ یا جہاد ہاتھ سے ہوتا ہے، جیسے اعداء اللہ کے خلاف اپنی جان کے ساتھ لڑائی کرنا۔ پس ان تمام صورتوں میں سے جو ممکن ہو، یا جس کی ضرورت ہو اس کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کا جہاد دل و جان، دعوت و بیان اور سیف و

سان کے ساتھ تھا اور آپ کے تمام اوقات جہاد بالقلب، جہاد باللسان اور جہاد بالیڈ کے لیے وقف تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاد دل سے بھی ہوتا ہے، زبان سے بھی اور ہاتھ سے بھی۔ اعلیٰ کلمۃ اللہ کی خواہش دل میں پالنا، زبان سے اس کی دعوت دینا اور اس کے راستے کی رکاوٹوں کو بزور دور کرنا سب جہاد میں شامل ہیں۔

جہاد فرض عین یا فرض کفایہ

اکثریت کے نزدیک جہاد فرض کفایہ ہے۔ لیکن بعض لوگ اسے فرض عین بھی سمجھتے ہیں۔ فرض کفایہ اجتماعی فریضہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اتنے لوگ اس میں شریک ہو جائیں جو ضرورت کے لیے کافی ہوں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور جہاد میں شریک نہ ہونے والوں میں سے کوئی بھی گناہگار نہیں ہوتا اور اگر بقدر ضرورت لوگ شامل نہ ہوں تو سوائے شرکاء کے باقی سب لوگ گناہگار ہوں گے۔ اس کے برعکس فرض عین انفرادی فریضہ ہے۔ یعنی یہ ایسا فرض ہے جس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

دونوں فریقین کے پاس دلائل ہیں۔ جو لوگ جہاد کے فرض کفایہ ہونے کے قائل ہیں ان کے پاس سب سے بڑی دلیل تو نبی ﷺ کا اپنا عمل ہے کہ آپؐ نے کسی غزوہ میں بنفس نفیس شرکت فرمائی اور کسی میں نہیں فرمائی۔ اگر جہاد فرض عین ہوتا تو نبی ﷺ ہر جہادی مہم میں خود شرکت فرماتے۔

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ اس نے جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی ہو یا اسی زمین میں ہی بیٹھا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔“ (صحیح بخاری: ۲۷۹۰)

اس حدیث میں جہاد کے بغیر جنت میں داخلے کی بشارت دی گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ فرض عین نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے

کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے۔

جو لوگ جہاد کو فرضِ عین سمجھتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾

(التوبہ: ۴۱)

”نکو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔“

﴿إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ

شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (التوبہ: ۳۹)

”تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو

اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اس

حال میں فوت ہوا کہ نہ تو اس نے کسی غزوہ میں حصہ لیا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی اس کا

خیال آیا تو وہ نفاق کے ایک حصہ پر مرا۔“ (صحیح مسلم: ۱۹۱۰)

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک جہاد فرضِ عین ہے۔

درحقیقت جہاد کے دو پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ برائی کے خلاف جدوجہد کی

جائے، خواہ وہ برائی انسان کے اپنے اندر ہو یا معاشرے میں موجود ہو، اور اس طرح سے ایک

ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں اللہ کے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ

ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف قتال کے ذریعے اسلام کی اشاعت کے

راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ جہانتک پہلے پہلو کا تعلق تو یہ فرضِ عین ہے اور دوسرا

پہلو فرضِ کفایہ ہے۔ اپنے اندر کی برائی کے خلاف لڑنا تزکیہٴ نفس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

ایک موقع پر جب آپؐ ایک غزوہ سے لوٹ رہے تھے، اسے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف واپس آ گئے ہو۔“ صحابہ

کرام نے عرض کیا: وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی کی خود اپنے نفس کے خلاف جدوجہد۔“ اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں اپنے اندر کے دشمن یعنی نفسِ امارہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور جس طرح باہر کے دشمنوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اسی طرح اس اندر کے دشمن کا قلع قمع کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر اس اندر کے دشمن پر قابو نہ پایا جائے تو دین کے لیے یہ باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

معاشرے کے اندر موجود برائیوں کے خلاف جہاد کرنا اور انہیں ختم کرنے کے لیے تگ و دو کرنا بھی معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ جب تک معاشرے کا ہر فرد اس جنگ میں شامل نہ ہو معاشرتی برائیاں ختم نہیں کی جاسکتیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۲۹)

مراد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے دائرہ اختیار میں ذمہ دار اور مسئول ہے۔ مرد گھر کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے سارے گھرانے کا ذمہ دار ہے، عورت ماں ہونے کی حیثیت سے بچوں کی تربیت کی ذمہ دار ہے اور اگر ان کے دائرہ اختیار میں کوئی برائی سرزد ہوتی ہے تو برائی کرنے والوں کے ساتھ ان سربراہان سے بھی باز پرس ہوگی جن کے دائرہ اختیار میں یہ برائی واقع ہوئی۔

فرمانِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق برائی کے خلاف کوشش کرنا ہر شخص کا فرض ہے۔

ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے (بزور) بدل دے (ختم کر دے)، اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے (اس کے خلاف آواز اٹھائے) اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے (اسے بُرا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“ (صحیح مسلم: ۴۹)

یعنی اگر کسی کے دل میں برائی کے خلاف نفرت بھی نہ ہو تو گویا وہ شخص ایمان سے عاری ہے۔

جہاد کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے دین کے راستے کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے

اور آج اللہ کے دین کے قیام کے راستے میں ہمارا نفس اور ہمارا معاشرتی بگاڑ ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت آزاد ہے۔ ان کی اپنی آزاد مملکتیں ہیں۔ اگر آج مسلم ممالک اپنی ملکی حدود میں اللہ کے دین کو نافذ کرنے کا فیصلہ کر لیں تو کوئی انہیں روک نہیں سکتا۔ لیکن آزادی کے باوجود بھی اسلامی نظام کہیں نافذ نہیں ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلم معاشروں میں اس کی خواہش ہی نہیں۔

اصل مسئلہ ہمارا اپنا نفس ہے۔ اسی لیے نفس کے خلاف جہاد کو جہاد اکبر فرمایا۔ اس کے خلاف جہاد کیے بغیر بیرونی دشمن سے بھی جہاد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جہاد فرض عین ہے جو ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ بیرونی دشمن کے خلاف قتال اجتماعی فریضہ ہے جو اجتماعی طور پر ہی ادا کیا جاسکتا ہے اور یہ فرض کفایہ ہے۔ لیکن نفس کے خلاف جہاد انفرادی فریضہ ہے جو انفرادی طور پر ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نفسی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف تگ و دو کرنا بھی جہاد ہے اور یہ جہاد کی وہ قسم ہے جو فرض عین ہے۔

جہاد کب فرض ہوا

مکی دور میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہیں تھی۔ یہ تربیت کا دور تھا۔ اس دور میں مسلمان ظلم سہتے رہے لیکن جوابی کارروائی کی انہیں اجازت نہیں تھی۔ سب سے پہلے انہیں کفار کے خلاف قتال کی اجازت سورہ الحج کی درج ذیل آیات میں دی گئی جو ذوالحجہ ایک (۱) ہجری میں نازل ہوئیں۔

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِإِثْمِهِمْ ظَلِمُوا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۱﴾
﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ ﴿۲﴾

(الحج: ۳۹-۴۰)

”اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو (لڑنے کی)، جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے

تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔“

اس آیت میں صرف اجازت دی گئی ہے، اس اجازت کے چند ماہ بعد جنگ بدر سے پہلے رجب

یا شعبان ۲ ہجری میں سورہ البقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ ۝۱۱﴾ ۱۱ ﴿وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُم

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ

يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۗ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ۝۱۲﴾ ۱۲ ﴿فَإِنْ انْتَهَوْا

فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۳﴾ (البقرہ: ۱۹۰-۱۹۲)

”اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرنا

کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکے سے) وہاں سے تم بھی ان کو

نکال دو۔ اور (دین سے گمراہ کرنے کا) فساد قتل و خونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے

اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں، تم بھی وہاں

ان سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں، تو تم ان کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا

ہے اور اگر وہ باز آ جائیں تو خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔“

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ ۗ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ

لَّكُمْ ۗ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

تَعْلَمُونَ ۝۲۱۶﴾ (البقرہ: ۲۱۶)

” (مسلمانوں) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہیں

ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی

ہو۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو۔ اور (ان

باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ (البقرہ: ۲۴۴)

”مسلمانو! اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور خوب جان رکھو کہ اللہ سننے والا اور جاننے

والا ہے۔“

جہاد کے مقاصد

جہاد کے مختلف مقاصد ہیں، جن میں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دین کے راستے کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے تاکہ لوگوں کو اپنے لیے زندگی گزارنے کا طریقہ (دین) منتخب کرنے کی آزادی ہو اور دین (زندگی گزارنے کے طریقے) کے معاملہ میں ان پر کوئی پابندی اور جبر و اکراہ نہ رہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی رائج نظام، خواہ وہ کتنا ہی کمزور اور بودا کیوں نہ ہو، کسی نئے نظام کے لیے خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ و ارفع ہو، جگہ نہیں چھوڑتا جب تک کہ اس پرانے نظام کے حامیوں کو اس پر مجبور نہ کر دیا جائے اور اس مقصد کا حصول بغیر جہاد کے ناممکن ہے۔ اسی لیے یہ حکم دیا گیا:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ يَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا

عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴾ (البقرہ: ۱۹۳)

”تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے

پھر اگر وہ باز آجائیں، تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔“

اور سورہ محمد میں حکم دیا گیا کہ کفار کا زور توڑ دو تا کہ وہ اللہ کے دین کی مزاحمت نہ کر سکیں:

﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّى إِذَا أَثْخَنْتَهُمْ فَشُدُّوا

الْوَتَاكَ ۖ فَمَا مِمَّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۗ ﴾ (محمد: ۴)

”پس جب ان کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے، یہاں تک

کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمہیں

اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کر لو، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔“

جہاد کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ان کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کی جائے جو کفار کے

غلبے کی وجہ سے ظلم و ستم کا شکار ہوں۔ خصوصاً ایسے مسلمان جو اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کر



رہے ہوں اور بغیر مدد کے اس پر قادر نہ ہوں۔ ملاحظہ ہو سورہ النساء کی یہ آیت:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۗ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۗ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۗ﴾ (النساء: ۷۵)

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔“

جہاد کا ایک مقصد مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کی حفاظت بھی ہے۔ اللہ جہاد کے

ذریعے ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الحج کی یہ آیت:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتَّتِ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَكَانَ اللَّهُ مِنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۗ﴾ (الحج: ۴۰)

”اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔“

قیام امن کے لیے بھی جہاد و قتال کا نظام بہت ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا ظلم اور فساد سے بھر جاتی۔ یہ اللہ کا عین فضل ہے کہ وہ جہاد کے ذریعے ظلم کا خاتمہ کرواتا رہتا ہے۔

ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۗ﴾ (البقرہ: ۲۵۱)

”اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے ہٹاتا نہ

رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے“ (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔

جہاد کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مومنین کی آزمائش کرنا چاہتا ہے کہ کون اللہ کے راستے میں جاں فشانی کرتا ہے، اپنی جان لڑاتا ہے، اللہ کی راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کرتا ہے، ثابت قدم رہتا ہے، مشکلات میں صرف اللہ، اس کے رسول اور مومنین پر بھروسا کرتا ہے اور کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف نہیں جھکتا۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ (ال عمران: ۱۴۲)

”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔“

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَ لَا رَسُولِهِ وَ لَا الْمُؤْمِنِينَ لِيَجْزِيَ اللَّهُ خَيْرًا بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (التوبة: ۱۶)

”کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دئے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس کی راہ میں) جانفشانی کی اور اللہ اور رسول اور مومنین کے سوا کسی کو جگری دوست نہ بنایا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجْهِدِينَ مِنْكُمْ وَ الصَّابِرِينَ وَ نَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ﴾ (محمد: ۳۱)

”ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ

کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔“
ان سب مقاصد کے حصول کے لیے طاقت کی ضرورت ہے اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اندر اتنی قوت پیدا کریں کہ دشمن کو ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔ ملاحظہ ہو سورہ الانفال کی یہ آیت:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ
عَدُوَّ اللَّهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ آخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۗ لَا تَعْلَبُونَهُم ۗ اللَّهُ
يَعْلَبُهُمْ ۗ﴾ (الانفال: ۶۰)

”اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔“

جہاد کی اہمیت

نیکی اور برائی کی قوتیں انسانی فطرت کا حصہ ہیں اور انسانی فطرت کا حصہ ہونے کی وجہ سے ان کا وجود ہر انسانی معاشرے کا جزو لا ینفک ہے، خواہ وہ غیر ترقی یافتہ معاشرہ ہو یا ترقی یافتہ۔ نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان جنگ بھی ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ ہر قوت دوسری پر غالب آنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ کبھی ایک غالب آ جاتی ہے کبھی دوسری۔ بہر حال حق یہی ہے کہ نیکی کی قوت غالب رہے، انسان کی بھلائی اسی میں ہے، لیکن اس کا انحصار حق پرستوں کی جانفشانی اور جدوجہد پر ہے۔ نیکی کی قوت کو غالب کرنے کی کوششوں کا دوسرا نام جہاد ہے۔ جو شخص نیکی کو پھلتا پھولتا اور معاشرے میں غالب قوت کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے اس کے لیے جہاد ناگزیر ہے۔ جہاد کی ابتدا اپنے نفس سے ہوتی ہے اور انتہا اللہ کے راستے میں قتال پر۔ گو بظاہر یہ ایک مشکل کام ہے لیکن خیر اسی میں ہے۔

ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالَ وَهُوَ كَرِهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (البقرہ: ۲۱۶)

”تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو، اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔“

کامیابی انسان کی تمنا ہے، ہر انسان کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ انسان کی سب سے بڑی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے جس کی ضمانت صرف اللہ کے راستے میں جہاد کرنے میں ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ النساء کی یہ آیت:

﴿ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (النساء: ۷۴)

”اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اُسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔“

جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے جی چراتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ کی یہ آیت:

﴿ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴾ (التوبة: ۲۴)

”اے نبی، کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور

تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔“

درحقیقت جہاد سے وہی لوگ جی چراتے ہیں جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کے مال و متاع کی آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ کی یہ آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِثَّا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۗ أَرْضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۗ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝﴾ (التوبة: ۳۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔“

جہاد سے بچنے کی کوشش کرنا ایمان کے منافی ہے، سچے اہل ایمان کبھی ایسی کوشش نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہوں سورہ التوبہ کی درج ذیل آیات:

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ بِالْمُتَّقِينَ ۝﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝﴾ (التوبة: ۲۴-۲۵)

”جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ

کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں۔“

ایمان اور اسلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک معاہدے کا دوسرا نام ہے جس میں انسان اپنے جان و مال اللہ کے ہاں جنت کے بدلے بیچ دیتا ہے اور اس کے بعد اس کا کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے جہاد و قتال کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ کی یہ آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۗ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۗ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۱﴾ (التوبة: ۱۱۱)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تو رات اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔“

مومنین کو کفار کے خلاف جنگ میں نرم نہیں پڑنا چاہیے۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ کی یہ آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ (التوبة: ۱۲۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جنگ کرو ان منکرین حق سے جو تم سے قریب ہیں

اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔“

اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تو ایک سعادت ہے جو صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے

جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے کام کے لیے چن لے۔ ملاحظہ ہو سورہ الحج کی یہ آیت:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۗ هُوَ اجْتَبَكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۗ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۗ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَ فِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۗ﴾

(الحج: ۷۸)

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے، اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور اس (قرآن)

میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مشرکوں کے خلاف اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ذریعے جہاد کرو۔“

(صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۵۰۴۔ سنن نسائی: ۳۰۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑتا رہوں حتیٰ کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کام کریں تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۵۔ صحیح مسلم: ۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا: ”اس فتح کے بعد ہجرت نہیں، لیکن جہاد باقی رہے گا اور اس کی نیت بھی، اور

جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل پڑو۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۶۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم بیع عینہ (سودی کاروبار کی ایک قسم) شروع کر دو گے اور گائے بیلوں کی دموں کو پکڑ لو گے اور کھیتی

باڑی ہی میں راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔“ (یعنی جب تک تم جہاد کی طرف نہیں راغب ہو گے) (صحیح: سنن ابوداؤد: ۳۴۶۲۔ سلسلہ الصحیحہ: ۱۱)

جہاد کی فضیلت

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا مددگار کہا ہے۔ کیا انسان کے لیے اس سے بڑا اعزاز ہو سکتا ہے؟ اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اس خالق کائنات کا مددگار کہلائے جو بے نیاز ہے اور کبھی کسی کا محتاج نہ تھا، نہ ہے، اور نہ ہوگا، جو ہر کسی کی مدد پر قادر ہے اور جس کی جب چاہے مدد کرتا ہے۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑاتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان کے لیے اللہ کی رحمت، مغفرت اور نعمت بھری جنت ہے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ دنیا میں ان کے لیے اللہ کی مدد اور آخرت میں دردناک عذاب سے نجات اور ابدی جنتوں کا وعدہ ہے۔ حقیقت میں یہی کامیاب لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی فضیلت اور انعامات کا بے شمار آیات میں تذکرہ ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۗ﴾ (النساء: ۷۴)

”اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اُسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔“

﴿لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقُعْدِينَ دَرَجَةً ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَفَضَّلَ اللَّهُ

الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقُعَيْبِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۗ
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾ (النساء: ۹۵-۹۶)

”مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں، اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے، مگر اُس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤٧﴾﴾ (الانفال: ۷۴)

”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی، اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔“

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ
أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ ۗ وَجَنَّتِ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٥١﴾ خُلْدًا فِيهَا
أَبَدًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٥٢﴾﴾ (التوبة: ۲۰-۲۲)

”اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا، وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ

کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُمْ بُنْيَانٌ
مَرصُوصٌ﴾ (الصف: ۴)

”اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں
گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۗ
ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَيُدْخِلْكُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَ مَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۗ ذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا ۗ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِيرُ
الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الصف: ۱۰-۱۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم
سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں
اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ
تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن
کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا
فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی، اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں
دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔
اے نبی، اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔“

جہاد کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ سے بھی بے شمار احادیث مروی ہیں جن میں سے
چند ایک درج ذیل ہیں۔ ملاحظہ کیجئے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے
رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: وقت

پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: والدین سے اچھا سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! اس عمل کی طرف رہنمائی فرمائیے جو جہاد کے برابر ہو۔ رسول اللہ نے فرمایا: میں ایسا کوئی عمل نہیں پاتا جو جہاد کے برابر ہو، پھر ارشاد فرمایا: کیا تم میں اتنی ہمت و استطاعت ہے کہ مجاہد کے جہاد پر جانے کے فوراً بعد تم اپنی مسجد میں داخل ہو جاؤ اور اس کے لوٹ آنے تک مسلسل قیام کرو اور کبھی سست نہ پڑو اور مسلسل روزے رکھو اور کبھی افطار نہ کرو؟ پھر آپؐ نے خود ہی فرمایا: یہ طاقت کس میں ہو سکتی ہے؟“ (صحیح بخاری: ۲۷۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ پس تم جب بھی اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو، یہ سب جنتوں کے درمیان میں ہے اور سب سے عالی شان جنت ہے، اسی سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں اور اسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔“ (صحیح بخاری: ۷۴۲۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرو، کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعے پریشانی اور غم سے نجات عطا فرمادیتے ہیں۔“ (حسن: مسند احمد: ۲۲۶۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین بندے ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ پر حق ہے: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، ایسا مکتب غلام جو رقم کی ادائیگی کرنا چاہتا ہو، اور وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ رکھتا ہو۔“ (صحیح: صحیح بخاری: ۵۲۷)

جامع ترمذی: ۱۶۵۵۔ مستدرک حاکم: ۲۶۷۸۔ صحیح ابن حبان: ۴۰۳۰)

حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”جس شخص کے قدموں پر جہاد کے راستے پر چلنے کی وجہ سے گرد و غبار پڑی، اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگئی۔“ (صحیح بخاری: ۲۸۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ کے راستے میں لمحہ بھر کھڑا ہونا حجرِ اسود کے قریب لیلۃ القدر کے قیام سے بہتر ہے۔“ (صحیح: صحیح ابن حبان: ۴۶۰۳۔ شعب الایمان: ۳۹۸۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”کیا تو جانتا ہے کہ میری امت کا کونسا گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والے قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آئیں گے اور اسے کھٹکھٹائیں گے تو جنت کا دربان ان سے پوچھے گا: کیا تمہارا حساب و کتاب ہو چکا؟ وہ جواب دیں گے، ہمارا کس چیز کا حساب! ہمارا حال تو یہ تھا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کرتے ہوئے) تلواریں ہمیشہ ہمارے کندھوں پر رہیں حتیٰ کہ ہمیں موت آگئی۔“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ان لوگوں کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہ لوگوں کے جنت میں داخل ہونے سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو کر اس میں آرام کریں گے۔“ (صحیح: مستدرک حاکم: ۲۳۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ میں لڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا عبادت گزار اور قرآن خوان جو کبھی روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے سے نہیں تھکتا جب تک کہ وہ جہاد سے واپس نہ آجائے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ بہت سے

مسلمان مجھ سے جدا ہو کر ناخوش ہوں گے تو میں کبھی کسی جہاد سے پیچھے نہ رہتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا۔ لیکن میرے پاس کافی سواری نہیں ہے (کہ میں سب مسلمانوں کو جو جہاد میں شامل ہونا چاہتے ہیں اپنے ساتھ لے جا سکوں) اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔“ (صحیح بخاری: ۲۷۹۷-صحیح مسلم: ۱۸۷۶)

شہادت

اللہ کی راہ میں شہادت ایک ایسا اعزاز ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ بے شمار لوگ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرتے ہیں، شہادت کا رتبہ کتنوں کو ملتا ہے؟ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بے مثال جرنیل اور نہایت جری مجاہد تھے۔ شہادت کی بے انتہا خواہش رکھتے تھے اور بستر پر مرنا انہیں سخت ناگوار تھا۔ جسم پر اسی (۸۰) سے زیادہ تلوار اور نیزے کے زخم تھے، لیکن موت بستر پر آئی:

اِس سَعَادَتِ بَزْوِرٍ بَازُو نَيْسِتِ
تَا نَهْ بَخْشَدِ خَدَائِ بَخْشَدِهْ

(یہ سعادت تو اللہ کی دین ہے، بزور حاصل نہیں کی جاسکتی)۔

موت تو ناگزیر حقیقت ہے جو بھی پیدا ہوا ہے اس نے مرنا ہے سوائے شہید کے۔ وہ مر کر ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ بات اصطلاحاً نہیں کی جا رہی بلکہ حقیقت ہے۔ زندگی اور موت کا مالک اگر کہتا ہے کہ شہید کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہے، میں اسے روزی دے رہا ہوں لیکن تمہیں اس کی زندگی کا شعور نہیں ہے تو ہم اس کی حیات میں شک کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ایک مومن کے لیے تو قرآن و حدیث کی گواہی کافی ہے۔ شہید کی زندگی اور درجات کے لیے ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات اور احادیث:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ۚ وَ لَكِنَّ لَكُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵۴)

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو

حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔“

﴿وَلَيْنُ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَكَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (ال عمران: ۱۵۷)

”اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔“

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (۱۶۱) ﴿فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَ يُسْتَبَشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۗ إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۱۶۲) ﴿يُسْتَبَشِرُونَ بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلِ ۗ وَ أَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۶۳)

(ال عمران: ۱۶۱-۱۶۳)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُس پر خوش و خرم ہیں، اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں، ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ﴾ (۵۸) ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ (الحج: ۵۸-۵۹)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر قتل کر دیے گئے یا مر گئے، اللہ ان کو اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔ وہ انہیں ایسی جگہ

پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔ بے شک اللہ علیم اور حلیم ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۸۶)

اور ایک دوسری روایت میں فرمایا: ”اللہ کے راستے میں قتل ہونا قرض کے علاوہ

ہر چیز کا کفارہ بن جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۸۶-۱۲۰)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے

آج رات خواب میں دیکھا کہ دو شخص آئے اور مجھے لیکر ایک درخت پر چڑھے پھر مجھے ایک

ایسے عالی شان اور خوبصورت گھر میں داخل کیا جس سے زیادہ خوبصورت گھر میں نے کبھی

نہیں دیکھا۔ ان دونوں نے مجھے بتایا کہ یہ شہداء کا گھر ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۷۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں داخل

ہونے والا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو دنیا میں واپس آنا اور دنیا کی کسی چیز کو حاصل کرنا پسند

کرے سوائے شہید کے۔ وہ (شہید) تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور اس مرتبہ

اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے، کیونکہ وہ شہادت کی قدر و قیمت اور اس کی فضیلت دیکھ چکا ہے۔“

(صحیح بخاری: ۲۸۱۷-صحیح مسلم: ۱۸۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں

سے فرمایا: ”احد کے روز تمہارے جو بھائی شہید ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز

پرندوں کے پیٹ میں رکھ دیا ہے۔ یہ پرندے جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے ہیں،

جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش الہی کے سائے میں لٹکی ہوئی سنہری قندیلوں میں آرام

کرتے ہیں۔ انہوں نے جب اچھا کھانا پینا اور اچھی آرام گاہیں دیکھیں تو یہ آرزو کی کہ کون

ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ خبر کر دے کہ ہم زندہ ہیں اور جنت میں ہیں؟

تا کہ ہمارے بھائی جنت سے ناامید نہ ہو جائیں اور لڑائی میں بزدلی نہ دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ

نے ان کی خواہش دیکھ کر فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے یہ پیغام ان کو پہنچا دیتا ہوں۔

چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا ۗ بَلْ أحياءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (ال عمران: ۱۶۹)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ

ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۲۵۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شہداء جنت

کے دروازے کے پاس سبز خیمے میں نہر کے کنارے پر ہوں گے۔ ان کو صبح و شام جنت سے

رزق ملے گا۔“ (حسن: مسند احمد: ۲۳۹۰۔ صحیح ابن حبان: ۴۶۵۸)

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”شہید کے لیے اللہ کے ہاں چھ اعزاز ہیں: پہلے ہی لمحے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے

اور اس کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے۔ عذابِ قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

قیامت کی مصیبت سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے سر پر عزت اور وقار کا تاج رکھا جاتا ہے

جس کا صرف ایک یا قوت ہی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے زیادہ قیمتی ہے۔ گوری

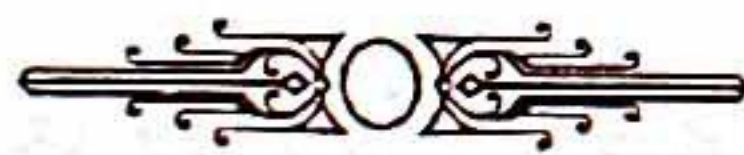
گوری بڑی آنکھوں والی بہتر (۷۲) حوروں سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اس کے

ستر (۷۰) رشتہ داروں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔“

(حسن: جامع ترمذی: ۱۷۵۶۔ سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۹۔ مسند احمد: ۱۷۸۲)

مجاہد اور شہید کی فضیلت کے بارے میں تورات اور انجیل میں بھی گواہیاں موجود ہیں

لیکن قرآن و حدیث کے بعد کسی اور الہامی کتاب کی گواہی پیش کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔



یوم قیامت

قیامت اچانک آئے گی

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت بالکل اچانک اور ایک جھپٹے کی دیر میں واقع ہو جائے گی۔ اس کے واقع ہونے سے پہلے لوگوں کو اس کے وقوع کا قطعاً اندازہ نہیں ہوگا جیسا کہ سورہ اہل کی اس آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَاللَّيْلُ حَظِيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَلِيبٌ ۖ قَدِيرٌ ۝﴾ (النحل: ۷۷)

”اور زمین وآسمان کے پوشیدہ حقائق کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور قیامت کے برپا ہونے کا معاملہ کچھ دیر نہ لے گا مگر بس اتنی کہ جس میں آدمی کی ایک جھپک جائے، بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔“

قیامت کا آغاز صور اسرائیل سے ہوگا اور وہ صور منہ میں لیے اس میں پھونک مارنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میں مزے کی زندگی کیسے گزاروں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور اللہ کے حکم کی طرف کان لگا رکھا ہے اور پیشانی جھکا رکھی ہے اور اس انتظار میں ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو جائے اور میں فوراً صور پھونک دوں۔“

(ضعیف: جامع ترمذی: ۲۲۳۱۱۔ مسند احمد: ۱۱۰۳۹۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۱۷۹)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تمہاری رات باقی رہ جاتی تھی تو



ایمان

(قرآن و حدیث کے آئینے میں)

ایمانیات اور عبادات

جلد اول



قاضی حبیب الرحمن